حسین شناسی
آمریت
اور
ظلم
کے خلاف
حسین کا جہاد
آیت اللہ محمد یزدی
Presented by www.ziaraat.com

0333-2687201
033
0322-3661272

"حسینؑ شناسی"

آمریت و ظلم کے خلاف حسینؑ کا جہاد

تالیف

آیۃ اللہ محمد یزدی

یکے از مطبوعات

دارالثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲- بے - ۵/۴ ناظم آباد نمبر ۲ کراچی

1

نام کتاب ــــــــــــ حسین شناسی
تحریر ــــــــــــ آیت اللہ محمد یزدی
ترجمہ ــــــــــــ محمد خالد فاروقی
نظرثانی ــــــــــــ سید سعید حیدر زیدی
کتابت ــــــــــــ سید جعفر صادق
ناشر ــــــــــــ دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
تعداد ــــــــــــ ۲۰۰۰
تاریخ اشاعت ــــــــــــ ذی الحجہ ۱۴۰۸ھ جولائی ۱۹۸۸ء
طبع دوم ــــــــــــ رجب المرجب ۱۴۱۱ھ - جنوری ۱۹۹۱ء
تعداد ــــــــــــ ۳۰۰۰

اِنتساب

شہدائے کربلا کے نام
کہ جنھوں نے
اپنا مقدس لہُو دے کر، آمریت اور ظلم کے مقابل
پرچمِ اسلام کو
سربلند کیا۔

اے لوگو! رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ایسی حکومت کو دیکھے جس نے ظلم و جور کو اپنا شعار بنا لیا ہو، قوانین الٰہی میں تجاوز کرتی ہو، خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو درہم برہم کر رہی ہو، سنتِ رسولؐ کے برخلاف عمل پیرا ہو اور خدا کے بندوں کے ساتھ ظالمانہ اور جابرانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے گفتار و کردار سے اس کے ظلم و ستم اور گناہ کا سدِّباب کرنے کی کوشش کرے۔ جو کوئی یہ فرض پورا نہ کرے تو خداوندِ قدوس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو اس حکومت کے ارکان کے ساتھ عذاب میں مبتلا کر دے۔

(امام حسینؑ کے ایک خطبہ سے اقتباس)

فہرست

"اسلام اور اسلامی اصولوں کو زندہ کرنے
کے لیے میں اس شہر میں آیا ہوں۔
عدل و آزادی کا نظام قائم کرنے کے
لیے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔
میں یہاں اس لیے آیا ہوں ——
کہ ——
ظالموں اور جابروں کے ——
نظام کو ڈھا کر ——
اور ——
ان کے ظلم و ستم کے محلات کو ویران
کرکے انصاف اور ——
آزادی کو زندہ کروں۔
میں یہاں آیا ہوں
صرف ——
اس لیے کہ ——،
لوگوں کو ظلم کے چنگل سے ——
نجات دلا کر ——
اسلام کو ——
سقوط سے بچاؤں"

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب آیت اللہ محمد یزدی کی فارسی تصنیف "بیا سید حسین بن علیؑ را بشناسیم" کا اردو ترجمہ ہے۔

دار الثقافۃ الاسلامیہ کی آغاز سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ اردو خوان قارئین خصوصاً نوجوانوں کے لیے ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور مقاصد کا شارح ہو اور نئی نسل کے لیے حقائق و معارفِ اسلامی کو سلیس زبان میں پیش کیا جائے نیز اسلامی تاریخ کے واقعات اور تاریخ ساز شخصیات کی سیرت و کردار کو اس طرح پیش کیا جائے کہ دورِ حاضر میں مسلمانانِ عالم ان شخصیات کے کردار و افکار سے آگاہی حاصل کر سکیں اور اسی کی روشنی میں روزمرہ پیش آنے والے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کریں۔

یہ کتاب بھی اسی ضرورت اور سوچ کے پیشِ نظر تیار کی گئی ہے فاضل

مصنف نے اس کتاب میں واقعۂ کربلا کے حقیقی عوامل اور اسباب بیان کرتے ہوئے ان حالات میں امام حسینؑ کے لائحۂ عمل پر بحث کی ہے۔

اس دور کی سیاست اور امامؑ کے لائحۂ عمل کو آسان، عام فہم اور جدید اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ۱۴۰۰ سال قبل کے کسی تاریخی واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں عزاداریٔ امام مظلومؑ کی اہمیت اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں نہایت تلخ حقائق کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے تدارک اور عزاداری کے حقیقی مقاصد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امید ہے محترم قارئین کتاب سے متعلق اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ فرمائیں گے۔

"ناشر"

مقدّمہ

وہ خالقِ کائنات بے پایاں تعریف کا سزاوار ہے، جس نے زندگی کو اسرار و علوم سے بھر دیا اور اس زندگی کے حامل انسان کو اپنی مخلوقات میں سے سب سے زیادہ اسرار آمیز مخلوق بنایا اور آدمؑ کے سب سے بہترین فرزند محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے انتہا درود کہ آپؐ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو اس عالم نور و سعادت کی راہ دکھائی جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور سلام آپؐ کے بارہ جانشینوں پر جن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں انسانیت کو تباہی کے خطرناک راستوں پر جانے سے بچایا اور سلام خصوصاً آپؐ کے ہونہار فرزند حسین ابنِ علیؑ پر کہ جس نے ظالموں کے خلاف جنگ کو اس کی انتہا تک پہنچایا۔ یہ کتابچہ اسی مبارک نام کی وجہ سے وجود میں آیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ آج کے اس دور میں علمی اور اجتماعی کام تجربات اور اعداد و شمار کی بنیاد پر شروع کیے جاتے ہیں اور ان کا صحیح نتیجہ مطلوب ہوتا ہے اور یہ عملی نتیجہ جس قدر واضح اور کامل ہوتا ہے اسی قدر انجام پانے والے کام کی اہمیت وافادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

بچپن میں جو اجتماعی کام میں نے دیکھے ان کا تعلق روضہ یا تعزیے کی مجالس سے ہے۔ ان مجالس کے مناظر کی اوّلین یادیں ابھی تک میرے قلب و دماغ پر مرتسم ہیں۔

میری طرح اس ملک کے اکثر افراد بچپن میں اس طرح کے مناظر دیکھ چکے ہیں۔ ان دنوں اور اس وقت کے حالات میں روضوں اور تعزیوں کو ہم ایک تماشا اور سرگرمی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمارے احساسات اور جذبات بیدار ہوتے چلے گئے اور کبھی کبھی رنجیدہ ہو کر ہم بہت روتے تھے۔

بعد میں گریہ وزاری کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب اور مقصد کیا ہے؟ ہمارے سامنے وہ مخالف و موافق بحثیں بھی آئیں جو اس موضوع پر دین اور صلاح و فلاح کے نقطۂ نظر سے کی گئی تھیں۔

لیکن آج ہم اس اہم اجتماعی مسئلے پر ذرا تفصیل سے غور کرنا چاہتے ہیں اور اس مسئلے سے متعلق ان باتوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جن سے سال بھر کے دوران اور خصوصاً محرم اور صفر کے مہینوں میں واسطہ پڑتا رہا ہے۔

ہم اصولی طور پر یہ دیکھنا چاہیں گے کہ اس طرح کی مجالس اور ان مجالس

میں بیان کی جانے والی اس نوع کی باتوں کا اصل مقصد اور ہدف کیا ہے؟

کیا ان اجتماعی مظاہروں، تنظیموں، جلسوں اور روضوں کا کوئی ہدف ہے یا یہ محض ایک رواج ہے جس کے لوگ عادی ہو چکے ہیں؟

محرم و صفر کے ان دو مہینوں میں ملک بھر میں جو شور و ہنگامہ برپا ہوتا ہے جس سے اجتماعی کام متاثر ہوتے ہیں تو آخر اس کا کوئی مقصد اور ہدف بھی ہے؟

ان دو مہینوں کے دوران تمام شہروں، ان کی گلیوں اور شاہراہوں خصوصاً دارالحکومت میں جو اجتماعی جلوس اور سرگرمی نظر آتی ہے اس کا تعلق محض ایک سادہ مذہبی معمول اور بے روح عادت و رسم سے ہے یا اس کے پیچھے کوئی مفہوم اور جاندار نظریہ کارفرما ہے؟

اس موقع پر جو جلسے منعقد ہوتے ہیں، جو عزاداری کی جاتی ہیں اور جو روپیہ اور وقت صرف کیا جاتا ہے اس کا اصل مقصد کیا ہے؟

ان مجالس میں جو قابلِ احترام اشخاص شریک ہو کر تقریریں کرتے ہیں، اور نوحہ سرائی کرتے ہیں اور خود کو خستہ و بے آرام کرتے ہیں تو اس ساری محنت اور تھکاوٹ کی غرض و غایت کیا ہے؟

مرثیہ خوان سارے سال جن کا کام مرثیہ خوانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ کام ان کے لیے کم زحمت اور زیادہ آمدنی والا ہے یا زیادہ مشقت اور کم آمدنی والا یا اس کام کا کچھ دوسرا حساب بھی ہے؟

آخر میں ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ یہ حسین ابن علی علیہ السلام کون ہے جس کی وجہ سے یہ سارا شور اور ہنگامہ برپا ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنی زندگی

میں کس ہدف اور مقصد کے لیے جدوجہد کرتا رہا ہے؟

بات جب یہ طے پائی کہ کام کو تجرباتی انداز میں شروع کر کے صحیح نتیجہ حاصل کیا جائے تو یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان لوگوں سے فرداً فرداً رابطہ قائم کریں جو بڑی سرگرمی کے ساتھ اس قسم کی مجالس ترتیب دیتے ہیں اور تنظیمیں قائم کرتے ہیں۔ کسی بھی مجلس کے تین اہم رکن ہوتے ہیں:

① ـــــ مجلس کا اہتمام کرنے والے۔ (بانیٔ مجلس)
② ـــــ مجلس میں شرکت کرنے والے (سامعین)
③ ـــــ مجلس کا سربراہ (خطیب)

مجلس کا اہتمام کرنیوالے (بانیٔ مجلس)

سب سے پہلے ہم مجالس کے منتظمین سے بات کرتے ہیں جو شہروں میں محلات سے لے کر دیہات کی جھونپڑیوں تک مجلس برپا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے نظریات وخیالات سے آگاہی حاصل کر کے اعداد وشمار کے ذریعے کسی نتیجہ پر پہنچنا مناسب رہے گا۔

ہم نے صفِ اوّل کی ایک شخصیت سے رابطہ قائم کیا اور ان سے دریافت کیا:

"جناب! آپ یہ جو مرثیہ خوانی کی مجلسیں ترتیب دیتے ہیں تو اس سے آپ کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے؟"

تو وہ جواب میں فرماتے ہیں:

"ایران ایک اسلامی مملکت ہے۔ اس ملک میں

تشیع کو غلبہ اور اکثریت حاصل ہے۔ اس سرزمین کا رسمی مذہب، مذہب جعفری ہے۔ خصوصاً ان ایام میں جبکہ پورے ملک کے لوگ سوگوار ہیں اور جگہ جگہ مرثیہ خوانی کی مجالس منعقد ہو رہی ہیں۔ اس مملکت کے صدر مقام میں واقع اداروں اور انجمنوں کو بھی اس سرگرمی میں حصہ لینا چاہیے۔ ہر ملک کے رہنما اور بااثر لوگ اپنی ملت کی خوشی وغم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور یہی دستور ہے۔"

بس یہ خلاصہ اور روح ہے اس بات کی جو مجالس کے منتظمین نے ہمارے اس سوال کے جواب میں کہی ہے۔ الفاظ اور عبارت کے کم وبیش اختلاف کے ساتھ مختلف شخصیتوں نے تقریباً یہی جواب دیا ہے۔

آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اس طرح کی مجالس میں کس طرح کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر واعظ رونے رلانے سے بالاتر ہو کر حسینؑ کی سیرت، حسینؑ کے افکار، حسینؑ کے اخلاق اور حسینؑ کے مقدس ہدف کا ذکر کرتا ہے تو ممکن ہے سامعین اکتانے لگیں اور مجلس میں بے چینی پھیلانے کا سبب بنیں ـــــ!

اس ساری بحث کا جو نتیجہ اعداد وشمار کی صورت میں سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

"نوّے فیصد محض رسومات اور تکلفات

اور

حسین ابن علیؑ کے ساتھ تعلق صرف دس فیصد!"

اب ہم ایک دوسرے طبقے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ معززین اور شرفا ہیں جو صف اوّل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم ان کی مجالس کی وضع قطع کو زیر بحث نہیں لائیں گے کیونکہ یہ ہمارا مقصد نہیں ہے۔ آپ خود ان محلات میں منعقد ہونے والی مجلسوں کا تصور اپنے ذہن میں قائم کرسکتے ہیں۔

ہم نے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک معزز سے پوچھا:

"آپ مرثیہ خوانی کا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ ان مجالس کی تشکیل سے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

اگر معززین کی بڑی عزت کی جائے اور وہ ناراض نہ ہوں تو ہمارے اس سوال کے جواب میں وہ کچھ اس طرح کی باتیں ارشاد فرمائیں گے:

"کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ ہم بھی حسینؑ ابن علیؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم بھی تمام مسلمانوں اور اہل تشیع کی طرح سوگواری کے ان ایام میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اپنی طرف سے امامؑ کی خدمت میں دلی جذبات کا اظہار کرسکیں۔"

ان مجالس میں بھی حسینؑ کی تعلیم و تربیت کے عظیم مکتب اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے طور طریقوں کا کوئی ذکر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خواتین و مرد تمام سامعین بے مزا ہوں گے۔ اگر وہ اپنی بدمزگی کا اظہار زبان سے نہیں کریں گے تو دل ہی دل میں ضرور اس کا گلہ کریں گے۔

خطیب اور مرثیہ خوان کو بھی بڑی "استادی" اور مہارت سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ عجیب و غریب مطالب اور رنگا رنگ مضامین کو درویشوں اور عارفوں کے ارشادات میں لپیٹ کر اور خوش الحانی کے ساتھ موقع بہ موقع

اشعار سنا کر پیش کرتا ہے اور حسین بن علیؑ کے مقصد اور ہدف سے تعلق رکھنے والی باتوں سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

اس کا نتیجہ اعداد و شمار کی صورت میں کچھ اس طرح سامنے آتا ہے:

"۸۰ فیصد ماحول کا دباؤ۔ اور زمانہ سازی،
حسین ابن علیؑ کے ساتھ تعلق: ۲۰ فی صد۔"

معززین اور شرفاء کے طبقے سے نکل کر اب ہم مقتدر اور سرمایہ دار افراد سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں:

"جناب! آپ کی جانب سے مرثیہ خوانی اور محفلوں کے انعقاد کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"

تو ان کی جانب سے کچھ اس طرح کا جواب ملتا ہے:

"شیعیانِ حسینؑ کا یہ فرض ہے کہ امامؑ کی یاد میں جلسے کریں۔ آج ہم حسینؑ کی اسی طرح "مدد" کرسکتے ہیں اور حسینؑ اور مکتب حسینؑ سے دنیا کو روشناس کراسکتے ہیں۔ ان ہی مجلسوں کے ذریعہ دین مقدس، اسلام کی تبلیغ اور ترویج ہوتی ہے۔"

اس جواب کا مدعا یہ ہے۔ چونکہ ان کے احباب اور ساتھی مرثیہ خوانی کرتے ہیں، اس لیے انھیں بھی اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔ احباب و اعزا ٹیلی ویژن رکھتے ہیں ریڈیو رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزیں ان کے پاس بھی ہونی چاہئیں! وہ گرمی کا موسم گزارنے کے لیے باغ رکھتے ہیں، جدید ماڈل کی کار رکھتے ہیں اس لیے انھیں بھی رکھنی چاہیے اور مالی حالت کا خیال نہیں کرنا چاہیے! اسی طرح احباب و رفقاء مرثیہ خوانیاں کرتے ہیں اس لیے ان پر بھی لازم ہے کہ ان کا اہتمام کریں۔!

اس جواب کا مدعا یہ ہے کہ ان کے احباب اور ساتھی مرثیہ خوانی کرتے ہیں اس لیے انھیں بھی مرثیہ خوانی کرنی چاہیے!

البتہ ان لوگوں کی مجالسِ مرثیہ خوانی میں اسلامی زندگی کی راہ و رسم اور اخلاقی ضابطوں کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ خصوصاً تجارت اور لین دین سے متعلق اسلامی احکام زبان پر نہیں لانے چاہئیں! ان کے گھر، دفتر اور بازار کے طور طریقوں کے بارے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے! معاملات سے متعلق اسلامی احکام جیسے سود، اور سود خوری۔ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہیے۔ کیونکہ آج کے بازار میں ایسی ہی تمام باتوں کا چلن ہے!

اس جائزے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

"ستر فیصد ماحول، احباب اور خاندان کا لحاظ۔
مرثیہ خوانی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور
حسین ابن علیؑ کے ساتھ تعلق تیس فیصد"

اب ہم اپنے معاشرے کے ایک دوسرے طبقے میں پہنچتے ہیں اور سوال کرتے ہیں:

"جناب! آپ مرثیہ خوانی کی مجلس کیوں برپا کرتے ہیں؟ آپ کی مالی حالت تو کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے، خدا نے آپ سے اس کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ جو چراغ کسی گھر میں جل رہا ہے مسجد کے لیے حرام ہے۔ مرثیہ خوانی پر آپ جو کچھ صرف کرتے ہیں اسے اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔"

اس طبقے کا بالعموم جواب یہ ہوتا ہے:

"آبا و اجداد کی طرف سے ہمیں جو ترکہ ملا ہے،
بہتر ہے کہ وہ مرثیہ خوانی پر صرف ہو، اس ترکے کے
ہم نگران ہیں۔ اس کام کے لیے جو بجٹ مقرر ہے
اسی کے ذریعہ ہم اس مجلس کا اہتمام کرتے ہیں۔"!

یہ بات ظاہر ہے کہ اس طبقے کے لوگ جو مجالس منعقد کرتے ہیں ان میں ہر قسم کی باتیں منبر سے کہی جاتی ہیں البتہ وقف اور اس کے سلسلہ میں اسلام کے احکام کو زبان پر نہیں لایا جاتا اور شریعت کے خلاف وقف میں تصرفات کے موضوع کو نہیں چھیڑا جاتا۔ تول میں کمی بیشی اور وقف خواری کے نقصانات کی بات ان کی طبیعت پر ناگوار ہوتی ہے اس لیے ایسی کوئی بات نہیں کی جاتی۔ اس کے برعکس تشکر و تحسین کی جاتی ہے کہ یہ لوگ ان حالات میں اس قدر وقف کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

"وقف کے ضابطوں کی محض خانہ پری کے لیے
پابندی: اسی فیصد۔ حسینؑ کے حقیقی مکتب سے
وابستگی۔ حتیٰ کہ شعبہ اوقاف میں بھی صرف
بیس٪ فیصد!

اس طبقہ سے نکل کر اب ہم بقیہ طبقوں خصوصاً دیہات کے باشندوں میں جاتے ہیں یا ہفتہ وار زنانہ و مردانہ مجالسِ مرثیہ منعقد کرنے والوں سے ملتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں:

"آپ لوگ یہ مرثیہ خوانی کیوں کرتے ہیں۔؟"

تو بالعموم ان کا جواب یہ ہوتا ہے:

"ہم اپنی مصیبتوں کے ٹلنے اور بیماروں کی صحتیابی
کے لیے نذر مانتے ہیں۔ مرثیہ خوانی اور مجالس
توسل کا برپا کرنا ہمارے گھر اور ہماری زندگی میں
برکت کا سبب بنے گا۔"

بعض لوگوں کے نزدیک مرثیہ اور مجلس توسل نیک شگون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان مجالس میں بحث و گفتگو نہیں ہوتی۔ صرف چند قطعات شعر یا نثر خوش الحانی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ تاکہ سامعین گریہ کریں اور استفادہ کر سکیں۔ خواہ وہ اپنی تکالیف اور مصیبتوں ہی پر کیوں نہ رو لیں۔ بس بیان کرنے والے کو ایسی باتیں کہنی چاہئیں کہ سامعین کو رونا آجائے یا اہلِ فن کی زبان میں:

"مجلس پر چھا جائے۔"

اور بعض کے نزدیک صدائے گریہ اباعبداللہؑ کی قبر تک پہنچ جائے!

اس مجلس میں تربیت کی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ احکام و اخلاقِ اسلامی کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ یہ بحث و گفتگو کی جگہ نہیں ہے آخر ہر کام کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ اس کام کو اسی طریقہ سے کیا جانا چاہیے تاکہ مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو۔ توسلات کے لیے مخصوص مواقع اور حالات ہوتے ہیں۔ ان مواقع پر ایسی باتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں اشعار، اچھی آواز اور "فن کاری" کی ضرورت ہے۔

نتیجہ: نوّے فیصد توسلات کے نام پر جلسے
منعقد کرنا، اندھے بن کر اور کبھی بے فائدہ۔ البتہ

دس فیصد توسلات مشروع ہوتے ہیں لیکن
بنیادی باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

یہ تھا خلاصہ ان جوابات کا جو عام طبقات سے تعلق رکھنے والے بانیانِ مجالس کی طرف سے دیے جاتے ہیں۔

البتہ ان طبقات میں ہمارا سابقہ ایسے افراد سے بھی پڑتا ہے جو اصل مضامین اور مطالب سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور اصل نتیجہ پر ان کی نظر ہوتی ہے۔ اور وہ معقول توجیہات اور بنیادی جوابات دیتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں:

"یہ مجالس ہماری تبلیغات کے ذرائع ہیں، ان محفلوں کے سائے
میں اسلام اور معارفِ اسلام سے شناسائی حاصل کی جانی
چاہیے۔ حسینؑ کے نام پر جمع ہو کر حسینؑ کی زندگی اور حسینؑ
کے باپ دادا کی زندگی کی راہ و رسم سے واقفیت حاصل کی
جانی چاہیے۔ ہم حسینؑ کے نام پر ان مجالس کو برپا کرتے ہیں
تاکہ حسینؑ کے تعلیمی و تربیتی مکاتب سے استفادہ کریں
اور اسلام و قرآن کی راہ میں ان کی فداکاری سے سبق
سیکھیں اور حق و آزادی کی راہ میں ظالموں کے خلاف
جنگ کا درس حاصل کریں اور اس طریقے سے خدا اور
اس کی کتابِ مقدس کے قریب ہو جائیں۔"

یہ بات درست ہے کہ اس طرح کا صحیح جواب دینے والے لوگ بھی موجود ہیں لیکن ان کا تعلق ایک ناقابلِ ذکر انتہائی چھوٹی اقلیت سے ہے۔ یہ لوگ ان لوگوں کی نسبت بہت کم ہیں جن کے جوابات ہم نے اوپر نقل کیے ہیں۔

ہم نے مجالس عزا کے بانیان اور منتظمین کا جو جائزہ لیا ہے اُس کی رو سے اوسطاً ۷۰ فی صد اصل ہدف سے منحرف نظر آتے ہیں اور صرف تیس ۳۰ فیصد مقصد سے آشنا ہیں۔

مجلس میں شرکت کرنے والے (سامعین)

اب ذرا سامعین کا بھی جائزہ لیں۔ ان مجالس میں شرکت کرنے والوں سے بھی دریافت کریں۔ جو کچھ وہ دل میں رکھتے ہیں اور بہت کم زبان پر لاتے ہیں اسے بھی اس بحث میں شامل کریں۔

ہم ان سامعین کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے جو طبقہ اول اور دوم کی مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ یہ سامعین ان کی محفلوں میں کیوں جاتے ہیں؟ یہی حال ان مجالس کے بانیان کا ہے۔ ۹۰ فیصد پر تو ماحول کا دباؤ ہے جو ان سامعین کو ان کی مجالس میں لے جاتا ہے۔ ان کے جوابات کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

زندگی کی سیاست، کام کا ماحول، رفاقت کا ماحول، خاندان کا ماحول، دوستی اور ہمسائیگی کا ماحول اسی طرح کے دوسرے عوامل ہیں جو ان مجالس مرثیہ میں لوگوں کی شرکت کے اصل محرک ہیں۔ ان میں صرف دس ۱۰ فیصد ایسے سامعین ہوں گے جو حسینؑ سے تعلق کی بنا پر تربیتی مرکز سے استفادہ کرنے اور اسلامی معارف سے آشنا ہونے کے لیے ان مجالس میں شرکت کرتے ہوں۔

ان دو طبقوں کی مجالس کے سامعین کے قطع نظر میں نے بعض جوابات جو سُنے ہیں اور بعض مناظر جو میں نے دیکھے ہیں ان سے آنکھیں بند کر کے میں

یہ نہیں کہتا کہ لوگ بچوں کی طرح محض تماشہ بینی کے لیے، وقت گزارنے کے لیے، چائے پینے کے لیے، دوستوں سے گپ مارنے کے لیے اور دوسری وجوہ کی بنا پر مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں وہ حسین ابن علیؑ کے احترام میں، ایام سوگواری کے سبب، ہمسایہ کی وجہ سے یا رفاقت اور عزیز داری کے حق کی بنا پر اور کبھی روحی و معنوی استفادہ کی خاطر ان جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔

اگر آپ ان جلسوں کے سامعین سے دریافت کریں کہ:

"خطیب کون تھا؟

اور ______

اس نے کیا کہا ______؟"

تو میں سے نوّے فی صد ان سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی بہت اچھا سننے والا ہوا تو وہ صرف یہ کہے گا کہ:

"ہاں جناب بڑی اچھی تقریر تھی۔ خطیب نے بڑے اچھے مضامین بیان کیے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ خطیب نے کیا کہا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بڑی پُر مغز باتیں تھیں۔"

وہ صرف خطیب کے بیان کردہ کسی قصے اور لطیفے کو دہرائے گا۔

یہ ہے ان سامعین کی حالت جو طبقہ دوم اور سوم کی تشکیل دادہ مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہفتہ وار منعقد ہونے والی مجالس زنانہ و مردانہ کے سامعین کا حال بھی بخوبی روشن ہے۔ کسی بات کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں اور

نہ کوئی ایسی بحث کی جائے جس سے وہ استفادہ کریں فقط ایسے اشعار اور فقرے چاہئیں جو گریہ آور ہوں۔ خطیب پر بھی گریہ طاری ہو اور کبھی دل کی بیماریوں کی وجہ سے وہ کمزوری اور غشی کا شکار ہو جائے۔

یہ ہے ہمارے سامعین کی حالت!

البتہ ایسے سامعین بھی ہیں جو روشن فکر، بیدار اور پوری طرح متوجہ رہتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم اور ان کا تناسب ناقابلِ ذکر ہے۔

اسّی فیصد سامعین کا تعلق پہلی قسم کے سامعین سے ہے اور بیس فیصد سامعین اس دوسری قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس نکتہ کی طرف بھی میں آپ کی توجہ مبذول کرادوں کہ اگر ہم مجالسِ مرثیہ اور ان کے سامعین کے بارے میں اعداد و شمار جمع کریں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ ان میں سے ستر اور اسّی فیصد بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہوتی ہیں اور اکثریت عام آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نئی نسل سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی تعداد تیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اس کا سبب کیا ہے ـــــ اور ـــــ گناہ کس کی گردن پر عائد ہوتا ہے؟

اس کتابچہ میں یہ مسئلہ بھی روشن ہوتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مجلس کا سربراہ (خطیب)

اب ذرا آیئے بیان کرنے والوں کا پتہ لگائیں۔ بقول آپ کے اہلِ منبر اور مرثیہ خوانوں سے پوچھیں:

• آپ کیوں منبر پر جاتے ہیں اور مجلس پڑھتے ہیں؟ اور داد و فریاد بھی کرتے ہیں اور حتّٰی کہ اصولِ صحت کے خلاف خود پر بڑا زور اور دباؤ بھی ڈالتے ہیں؟

بحث کے اس حصے پر ہم بہت ہی مختصر گفتگو کریں گے۔

ہمارے بیان کرنے والوں، اہلِ منبر یا مرثیہ خوانوں کے دو طبقے ہیں یہ تقسیم ان کے تمام درجات سے تعلق رکھتی ہے، درجہ اوّل کے ایک مقرر سے لے کر اس مرثیہ خوان تک جو صرف زنانہ مجالس میں شرکت کرتا ہے۔

① ـــــ درجہ اوّل سے تعلق رکھنے والے افراد وہ ہیں جنھوں نے ابتدا ہی سے اپنی تربیت کی ہے، وہ تقویٰ اور پاکدامنی کی روح کے حامل رہے اور اپنی شرعی و دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے مجالس میں شرکت کرتے رہے ہیں اور حتی الامکان پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا خطیب یا اہل منبر یا مرثیہ خوان محلات میں منعقد ہونے والے جلسوں میں شرکت کرے یا شرفا یا الحاج کہلانے والے معززین کے گھروں میں برپا ہونے والی مجالس سے خطاب کرے یا وقف کی مجالس اور زنانہ و مردانہ ہفتہ وار مجالس میں تقریر کرے۔ وہ ہر جگہ مجالس کی مناسبت سے شرعی احکام کو بیان کرتا ہے اور معارفِ اسلامی کی تشریح کرتا ہے۔ وہ اس بات کی پوری

کوشش کرتا ہے کہ حسینؑ کے مقدس ہدف کو بیان کرے۔
اور لوگوں کو امامؑ کے مقصد کی روح سے آشنا کرے، وہ
سامعین یا بانیانِ مجلس کی خوشی و ناخوشی کی کوئی پرواہ
نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے شرعی فریضے کو ادا کرنا چاہتا ہے
وہ اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے اور خدا کو روزی
رسان سمجھتا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی
کہ لوگ اس کی تقریر سے خوش ہو رہے ہیں یا نہیں، اُسے
زیادہ رقم دیں گے یا کم۔ اسے بس اپنے فرض کی ادائیگی کا
خیال دامن گیر رہتا ہے۔

خطیبوں، اہل منبر اور مرثیہ خوانوں کا یہ طبقہ ہمیشہ ایک
حال پر قائم رہتا ہے اور ہر روز ایک نیا رنگ نہیں اختیار
کرتا اور کم و بیش ایک آبرومندانہ زندگی بسر کرتا ہے۔
لوگ اس کے بارے میں چاہے کچھ بھی کہتے رہیں اور اس
سے جو بھی توقعات چاہیں باندھیں، وہ خود کو دین کا
ترجمان سمجھتا ہے اور اس نے خود کو دینی حقائق بیان کرنے
کے لیے پوری طرح تیار کر رکھا ہے۔ اس کی تقریر صحیح دینی
مطالب پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ منبر پر کھڑے ہو کر معارفِ
اسلامی بیان کرتا ہے۔ وہ مرثیہ پڑھتا ہے یا اشعار سناتا ہے
تو وہ مسلمہ، صحیح شرعی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ
کسی جگہ بھی عملاً حدودِ شرع سے تجاوز نہیں کرتا، سیاست،
دھمکیاں، ترغیبات، دوستیاں اور تعلقات اس طبقہ

اوّل سے تعلق رکھنے والے کسی بھی خطیب کو متاثر کر کے اُسے
صحیح راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔

ایک ایسا مقرر ہمیشہ اپنی نگاہیں رب العالمین کی طرف
لگائے رکھتا ہے۔ موافق و مخالف ماحول اور محرومیوں
کا جرأت کے ساتھ سامنا کرتا ہے اور حقیقتاً خدا کی راہ
میں جہاد کرتے ہوئے اس نے ایک عمر گزار دی ہے، وہ
دوسروں کو روشنی فراہم کرنے اور راستہ دکھانے کے لیے
ایک شمع کی طرح جلتا رہتا ہے۔

جو کچھ ہم نے کہا وہ دعویٰ نہیں ہے بلکہ صد فی صد تجربے کی بنا پر کہا
گیا ہے۔ ہم ایک ایک شخص پر انگلی رکھ کر ان کی زندگی کی تاریخ آپ کو بتا
سکتے ہیں اور ان کی مادی و مالی حالت ایک لمحے میں بیان کر سکتے ہیں۔

(۲) —— دوسرے طبقے سے تعلق رکھنے والے مقررین، اہل منبر
اور مرثیہ خوان وہ ہیں، جنھوں نے پہلے سے اپنی تربیت
نہیں کی ہے۔ تقویٰ اور فضیلت کی روح سے بہت کم
بہرہ مند ہیں۔ ہم انھیں خود رو خطیب سے تعبیر کرتے
ہیں۔ ان کا حال بھی مختصراً بتائیں گے۔

یہ خود رو خطیب، اپنے لباس، وضع قطع اور ماحول کی
بنا پر ایک حد کے اندر رہنے کی کوشش کرتے ہیں
ورنہ مجلس و منبر تو ان کے نقطۂ نظر سے دوکان اور
دوکان داری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے

نوّے فی صد افراد، ان پڑھ، جاہل، خود پسند، اخلاقی
رذائل کا شکار ہیں اور کبھی تو یہ ہر چیز سے بے پرواہ زندگی
گزارتے ہیں!

میں نے خود ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور انھیں جانتا ہوں
کہ ان کا پیشہ روئی دھنکنا، لحاف سینا یا کسی سُنار کی
شاگردی کرنا ہے لیکن یہی لوگ محرّم اور صفر کے دنوں میں
لباس بدل کر ایک خطیب اور اپنی دانست میں باقاعدہ
اہلِ منبر بن جاتے ہیں -!

البتہ ان میں سے دس فیصد ایسے لوگوں کی نشاندہی
کی جاسکتی ہے جو اپنی ناخواندگی و جہالت اور واجبی آمدنی
کے باوجود خطرناک مطالب بیان کرنے اور بُرے کام انجام
دینے سے احتراز کرتے ہیں اور اس ذریعہ سے صرف اس
قدر حاصل کرلیتے ہیں جو زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔

یہ ہے وہ مختصر جائزہ جو ہم نے خطباء، اہلِ منبر اور مرثیہ خوانوں کا
لیا ہے۔ تعداد کے امتیاز سے نہیں بلکہ اثرات کی رو سے اس کا نتیجہ جو
سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

"مجالسِ عزاء کے اسّی فیصد مقررین اصل ہدف
سے آشنا ہیں اور بیس[۲۰] فیصد ناآشنا۔"

جو کچھ ہم نے ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر کہا ہے اس کی بنیاد پر
متعلقین کے اعتبار سے بانیان مجالس ۸۷ فیصد۔ سامعین ۷۵ فیصد۔
ذاکرین بیس[۲۰] فیصد اصل ہدف سے منحرف ہیں اور حقیقی نصب العین اور

مقصد سے آشنا نہیں ہیں۔

لوگ کہتے ہیں ان باتوں سے تمھارا مقصد کیا ہے۔ تم نے منحرف کا لفظ
استعمال کر کے مجالس کے بانیان کی اہانت کی ہے اور خطباء و سامعین کی شان
میں گستاخی کی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر مجالس اپنی اس گئی گزری حالت
کے ساتھ بھی موجود نہ ہوتیں تو کیا کچھ ہو جاتا اور لوگوں کی دینی شعور کی حالت
کس زوال تک پہنچ جاتی؟

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج لوگ جو کچھ دینی شعور رکھتے ہیں وہ مرثیہ خوانی
کی ان ہی مجالس اور اسی تعزیہ داری اور ان ہی تنظیموں کی وجہ سے ہے۔

کیا تم ان اثرات سے ناواقف ہو جو یہ مذہبی جلوس لوگوں کی رُوح
اور ذہن پر مرتب کرتے ہیں اور یہی مجالس دین کی تشریح، تبلیغ و ترویج کا
سبب بنتی ہیں۔

جی ہاں! آپ نے بالکل درست ارشاد فرمایا ——— ہم بھی اس بات
کے منکر نہیں ہیں، ہم نے مجالس کے بانیان، خطیبوں اور سامعین کی شان
میں کوئی گستاخی نہیں کی ہے۔

ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اس اہم دینی و اجتماعی کام کے اثرات و نتائج
زیادہ ہونے چاہئیں جس معاملہ کا تمام لوگوں سے تعلق ہے اور بقول آپ
کے وہ دین کی تشریح و تبلیغ کا ذریعہ ہے تو پھر اس میں کم سے کم انحراف
بھی برداشت نہیں کیا جانا چاہیے کجا کہ بہت زیادہ انحراف کو راہ دے
دی جائے۔ جو بتدریج اصل ہدف کو نظروں سے اوجھل کردے اور
اس کے نتیجے میں محض سادہ و بے روح رسومات باقی رہ جائیں۔ اغیار اور
استعمار کے آلۂ کار اپنے خفیہ ہاتھوں کے ذریعے ایسی صورت حال پیدا کرنا

چاہتے ہیں کہ کچھ باقی ہی نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ان جلسوں کا اصل مقصد اور ھدف نام و نمود اور شہرت نہیں ہے۔

حسین ابن علیؑ کی شہادت کا فلسفہ کسی جگہ جمع ہو جانا، کہنا اور سننا نہیں ہے ——— اور ——— پھر اپنی اسی راہ و رسم پر قائم رہنا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں:

"حسین ابن علیؑ کی شہادت، گریہ و زاری کے لیے، چیخنے اور چلانے کے لیے اور کبھی غش کھا جانے اور ضعف کے لیے نہیں ہے —"

ہم گریہ کے منکر نہیں ہیں، ممکن ہے گریہ و ثواب پر بھی ہم آگے چل کر گفتگو کریں لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصل ہدف اور شہادت اور اسیری کا فلسفہ یہ گریہ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں:

"اگر محلوں میں رہنے والوں کی یہ بات درست ہے کہ یہ اسلامی ملک ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمان ہیں، اس لیے انھیں مرثیہ خوانی کرنی چاہیئے تو پھر ہم یہ پوچھیں گے کہ یہ ملک صرف مرثیہ خوانی ہی کے لیے کیوں اسلامی ہے؟ اور اس ملک کے باشندے

صرف مرثیہ پڑھنے اور مجلس میں آنے کے لیے ہی کیوں مسلمان ہیں؟

اس مملکت کے شرفا اور معززین کا یہ ارشاد ہے کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کی طرح ان کا بھی یہ فرض ہے کہ سوگواری کے جلسوں کا اہتمام کریں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ صرف سوگواری اور ماتم کے اس معاملے ہی میں کیوں مسلمان بن جاتے ہیں؟

یہ الحاج و شرفا حسین بن علیؑ سے تعلق کے دعویدار ہیں اور بقول ان کے خدا کے دین کو حسینؑ کے نام پر زندہ رہنا چاہیے تو پھر وہ کیوں کوچہ و بازار میں لین دین کے وقت خدا کے دین کو زندہ نہیں کرتے اور صرف یاری حسینؑ کا شور کیوں مچاتے رہتے ہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ:

"حسینؑ سے تعلق رکھنے والے جو لوگ اپنے باپ دادا کے وقف سے مرثیہ خوانی کا اہتمام کرتے ہیں وہ اوقاف کے وسائل میں اس قدر بے رحمی سے خورد بُرد کیوں کرتے ہیں؟"

ہمارا کہنا ہے کہ زنانہ و مردانہ ہفتہ وار مجالس اگر توسل کی خاطر اور حسینؑ اور خاندان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے کے لیے ہیں تو پھر موقع و بے موقع ادھر ادھر یہ جو مناظر دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں ——— کیا ہیں؟

بالآخر ہم پوری شدت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ عزاداری و مرثیہ خوانی کا اصل مقصد خود کو مسلمان اور حسینؑ سے وابستہ ظاہر کرنا ہی نہیں ہے۔

بلکہ اسلام اور حسین سے تعلق کا اظہار تو زندگی کے تمام شعبوں میں ہونا چاہیئے۔

ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ شہادت حسینؑ کا فلسفہ، خود کو مجلس کا بانی ظاہر کرنا اور مقرر کا چرب زبانی کرنا اور سامعین کو خوش کرنا نہیں ہے۔ حسین ابن علیؑ گریہ کے لیے شہید نہیں ہوئے تھے اور ان کے اہل وعیال اس لیے اسیر نہیں ہوئے کہ عورتیں نالہ وفریاد کریں اور غش کھائیں۔

مجلس کوئی کافی ہاؤس اور قہوہ خانہ نہیں ہے۔ محفل مرثیہ تفریح اور وقت گزارنے کی مجلس نہیں ہے۔ مجلس شب نشینی کا نام نہیں ہے۔

میں پھر صاف صاف کہتا ہوں کہ حسین بن علیؑ چند افراد کی زندگی کے لیے قتل نہیں ہوئے۔

حسین ابن علیؑ کا ہدف ایک بلند اور مقدس ہدف تھا اور یہ موضوع اس سے بہت بلند ہے جیسا کہ ہم عام طور پر خیال کرتے ہیں۔ حسینؑ کی مقدس شخصیت اس سے بدرجہا بلند ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کے بارے میں فکر کرتے ہیں اور تذکرہ کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کی جانبازی اور فداکاری اور اس کے اصل ہدف کا موضوع اس سے بہت بلند تر ہے جیسا کہ ہم خیال کرتے ہیں۔

یہ بات ایسی نہیں ہے کہ حسین ابن علیؑ ایک ضعیف اور ناتواں سردار تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا گیا اور تشنہ لبی کے عالم میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا اور اس کے اہل وعیال کو قیدی بنا لیا گیا

اور اب ہمیں بس ان مظالم پر روتے رہنا چاہیئے جو حسین کے اہل وعیال پر ظالموں کی طرف سے روا رکھے گئے۔

آلِ عصمت کے قیدی صرف ضعیف اور بے بس عورتیں اور بچے نہیں تھے کہ انھیں فرنگی اور رومی قیدیوں کی طرح ذلت سے گھسیٹا گیا ہو اور آج ہماری عورتیں کوفہ کی عورتوں کی طرح ان کے لیے روئیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ خطبا اور مرثیہ خوان حسین ابن علیؑ کو زیادہ سے زیادہ اور بہتر طریقے سے متعارف کرائیں اور ان کے اصل ہدف کی لوگوں کے سامنے بہتر تشریح کریں۔

مجالس کے سامعین کو صرف آنسو کے چند قطروں کا فائدہ اٹھانے پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ وہ تربیتی مسائل پر بھی توجہ دیں اور روحانی اور اخلاقی تکمیل کے لیے بھی کوشش کریں۔

مختصر یہ کہ مجالس کے بانیان مقررین اور سامعین سب حسین ابن علیؑ کا بہتر سے بہتر تعارف حاصل کریں۔ ان کے اصل ہدف سے نزدیک تر ہوں اور عملاً حضرتؑ کے معاون ومددگار بنیں اور غریب الوطنی میں بلند ہونے والی ان کی پکار کا جواب صرف مجالس میں نہ دیں بلکہ گھروں میں، کوچہ و بازار میں، دفاتر میں اور زندگی کے تمام شعبوں میں دیں۔

حسینؑ اپنے رقیب اور طرفداروں کو خوب پہچانتا ہے۔ ۶۱ھ کی دس محرم کو صبح سے ظہر تک وہ انھیں پوری طرح آزما چکا ہے اگر وہ رفاقت ونصرت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے۔

"ھل من ناصر ینصرنی وھل

من معین یعیننی وھل من

ذاب یذب عن حرم رسول اللهؐ"

تو اس نے یہ کہہ کر یزید کے طرفداروں کو نہیں پکارا کہ وہ حرم کا دفاع کریں۔ حسینؑ کی یہ پکار اس وقت سے لے کر آج تک خود اس کے اپنے طرف داروں کے لیے ہے کہ وہ اٹھیں، خدا کے حرم، ناموس الٰہی اور اسلام کے احکام اور مقدسات کا دفاع کریں۔

* * *

آؤ حُسین ابنِ علیؑ کو پہچانیں

ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد حُسینؑ کی شخصیت کو بہتر طریقہ پر متعارف کرانا ہے اور حسینؑ کے مقدس ہدف کو زیادہ سے زیادہ روشن کر کے سامنے لانا ہے۔ امید ہے ہماری یہ ناچیز خدمت بارگاہِ حسینؑ میں مقبول ہوگی۔

کسی بھی شخصیت یا قوم اور معاشرہ کو پہچاننے کے لیے اس کے افکار، اخلاق و اعمال کا پتہ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس شخصیت یا معاشرہ کے گفتار، کردار اور اس کی زندگی کے مختلف شعبوں کا جائزہ لے کر ہی یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ فرد یا معاشرہ کس قدر و قیمت کا حامل ہے۔ کیونکہ افکار، گفتار، کردار، رفتار اور عقائد کے اعتبار سے ایک انسان کی شخصیت اور ایک ملت کی شخصیت دونوں مساوی

ہوتی ہیں۔

اس مسلّمہ قاعدۂ کلیہ کے اعتبار سے شخصیت حسینؑ کو پہچاننے کے لیے حسینؑ کے افکار اور روحانیت اور کارناموں سے واقفیت حاصل کی جانی چاہیے اسی طرح ان کے مرتبہ ومقام سے قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہاں ہمارا مقصد حسینؑ کی سیرت وسوانح لکھنا نہیں ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں پہلے ہی لکھی جاچکی ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حسینؑ کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں ہے۔ ہمارا مقصد حادثۂ کربلا اور اس کے مقدس ہدف اور اس حادثہ کے نتائج کی روشنی میں شخصیتِ حسینؑ سے آشنائی پیدا کرنا ہے۔

آئیے دیکھیں حسین ابن علیؑ کا اصل ہدف کیا تھا ــــــ؟ اور ان کی یہ جانبازی اور فداکاری کس عظیم مقصد کے لیے تھی؟

ابوبکر خلیفۂ اول نے یزید بن ابی سفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا پھر خلیفۂ دوم نے اس کی جگہ خود اسی کے بھائی معاویہ کو مقرر کیا۔ عمر کی خلافت کے ابتدائی دور ہی سے معاویہ شام کے گورنر کی حیثیت سے معروف ہوگیا تھا۔

معاویہ بحیثیت گورنر کے ۲۲ سال سے کچھ زیادہ عرصے تک شام پر حکومت کرتا رہا۔ آخری برسوں میں اُسنے خلافتِ عثمانی کی صورت حال سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے امارتِ اسلامی کو رسمی سلطنت کی حیثیت دے دی تھی۔

امیرالمومنین علیؑ نے جب حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ان کے

خلاف جنگوں اور شرانگیزیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پھر علیؑ کی شہادت کے بعد اس نے اپنی حکومت کو ایسی خلافت میں تبدیل کر دیا جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں تھا۔

اس طرح معاویہ نے تقریباً پچاس سال گورنری یا خلافت کی صورت میں شام پر حکومت کی۔

شام کی یہ حکومت جو چالیس سے کچھ زیادہ برسوں تک قائم رہی اپنی ریشہ دوانیوں کے سیاہ ادوار کے ساتھ اس نے اپنے آخری برسوں میں ایک اور بڑا قدم اٹھانے کا ارادہ کیا۔

اسلام میں پہلا ولیعہد

خلافت شام کے دربار میں ایک تازہ بحث چھڑ گئی، یہ بحث گزشتہ خلفاء کی سنت کے صریحاً خلاف تھی۔ اسلامی حکومت کے دوران چھڑنے والی یہ بالکل نئی بحث تھی اور ایک ایسی بحث تھی جو ولایت وخلافت کے اصولوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی تھی۔

یہ نیا موضوع تنہا معاویہ کے شخصی رجحانات کا نتیجہ تھا اور یہ بحث معاویہ کے یگانہ اور نور چشمی فرزند یزید کی خاطر چھیڑی گئی تھی۔ ایک گورنر نے اپنے پائے اقتدار کو متزلزل دیکھ کر اور اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کے لیے یہ نیا مسئلہ کھڑا کیا تھا۔[1]

---

[1] ایک خودغرض گورنر نے جب اپنے اقتدار کو متزلزل ہوتے دیکھا تو وہ شام آیا اور سب سے پہلے اس نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی اور کہا کہ میں اس کام (باقی صفحہ ۴۰ پر)

اس تازہ بحث کا تعلق ولی عہدی کے مسئلے سے تھا کہ معاویہ کے بعد خلافت کے عہدہ پر کون فائز ہو؟ معاویہ نے اپنی ذاتی رائے کی بنا پر اور اپنے بیٹے سے محبت کی بنا پر ایک قطعی بات کو روبعمل لانے کا عزم ظاہر کیا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کو اپنے دائرۂ اقتدار کوفہ میں انجام دوں گا۔ اس نے معاویہ کو سمجھایا کہ مرکز تو خود آپ کے اختیار میں ہے اور بصرہ زیاد کا مطیع و فرمانبردار ہے ان تینوں بڑے مراکز کے بعد مملکت کے دوسرے علاقے کوئی اہمیت نہیں رکھتے اس لیے وہ سر تسلیم خم کر دیں گے معاویہ کو مغیرہ کی یہ تجویز اچھی معلوم ہوئی۔ وہ اپنے بیٹے یزید کو بہت چاہتا تھا۔ اسی لیے اس نے آنکھیں بند کر کے اس تجویز کو قبول کر لیا اور اسے روبعمل لانے کے لیے مستعد ہو گیا۔

مغیرہ کی گورنری مستحکم ہو گئی تاکہ وہ اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کام کرے لیکن امام حسنؑ کا وجود اس راہ کا کانٹا تھا۔ معاویہ نے صلحنامہ کے ذریعہ اس جانب سے بے فکری حاصل کی۔ اب رہ گئے سعد بن ابی وقاص جو عمر ابن خطاب کی مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ کے زندہ رہ جانے والے آخری رکن تھے اور بقیہ مخالفین قتل و ہلاکت کے ذریعہ راستے سے ہٹا دیے گئے۔

ابتدائی آزمائش کے لیے یہ تجویز شام کے باشندوں کے سامنے پیش کی گئی۔ انھوں نے عبدالرحمٰن بن خالد کو ترجیح دی۔ معاویہ کو یہ بات پسند نہ آئی لیکن اس نے اپنے اصل مقصد کو اس وقت تک پوشیدہ رکھا کہ عبدالرحمٰن ایک مختصر علالت میں مبتلا ہو گئے ایک نصرانی طبیب کو ان کے علاج کے لیے بھیجا گیا اور اسے ان کا کام تمام کرنے پر آمادہ کیا گیا۔

اس طرح راستہ کھل گیا۔ کوفہ اور بصرہ میں مغیرہ اور زیاد (باقی صفحہ ۴۱ پر)

حکومت اسلامی کے قوانین کی رو سے ولی عہدی کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن صرف اس دلیل کی بنیاد پر کہ معاویہ اپنے فرزند سے بہت محبت کرتا ہے خلافتِ حکومت اسلامی کا بلند منصب یزید کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کے ذریعہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ لوگوں سے بیعت لی گئی لیکن بہت سے مقامات پر مشکلات پیش آئیں اور سب سے زیادہ اہم مخالفت کا تعلق حسین بن علیؑ، ابن زبیر، ابن ابی بکر اور ابن عمر سے تھا۔ کیونکہ حجاز اور عراق کے لوگ انہی کی اتباع کرتے ہوئے گورنروں کے حکم کی مخالفت کر رہے تھے۔ خصوصاً مدینہ میں جو صدفی صد مذہبی شہر تھا۔ سخت مخالفت کی گئی۔

گورنر مدینہ مروان نے مرکز کو لکھا کہ ان بزرگ شخصیتوں کی موجودگی کی بنا پر یہ کام یہاں اس آسانی کے ساتھ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ معاویہ نے سعد بن عاص کو مدینہ بھیجا وہ بھی اس کام کو انجام نہ دے سکا۔

آخر مروان نے اس شرمناک کام کو انجام دینے کی دوبارہ کوشش کی اور معاویہ خود مدینہ آیا۔

معاویہ نے حسین بن علیؑ سے ملاقات کر کے تفصیلی گفتگو کی لیکن لاجواب اور مایوس ہو کر اس نے دوسرے مخالفین سے ملاقات کی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ وہ نہ کسی کو روپوں سے خرید سکا اور نہ کسی اور طرح۔ کسی نے اسے رسمی طور پر بھی قبول نہیں کیا۔ پھر وہ حضرت عائشہ کے پاس آیا اور مخالفین کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ اگر انھوں نے میری بات نہ مانی تو میں انھیں قتل کر دوں گا۔ عائشہ نے اسے نصیحت کی اور ثابت کیا کہ قتل کرنا کسی صورت میں بھی تمھارے مفاد میں نہیں۔ آخرکار حیلہ و تدبیر سے جس کا ذکر تاریخ میں درج ہے مکہ و مدینہ کے عام رخ کو پھیر دیا (باقی صفحہ ۴۲ پر)

معاویہ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک ایسے نوجوان کو ولی عہد بنانے اور مسلمانوں پر مسلط کرنے کا فیصلہ کر لیا جو شرابی اور عیاش تھا۔ جو بیت المال کے روپوں پر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا اور اپنی زندگی کے اکثر اوقات شام کے پر فضا گرمائی مقامات پر آرٹسٹوں اور خوبصورت گلوکاراؤں کے ساتھ گزارتا تھا۔ ایک ایسے نوجوان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین بنانا، اجتماعی قیادت و حکومت اس کے سپرد کرنا نہ صرف اسلامی اصولوں کے خلاف تھا بلکہ حکمرانی کی سیاست اور حکومت و امارت کے سلسلے کی حفاظت کے بھی منافی تھا۔

لیکن معاویہ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا یزید حکومت کرے۔ اس کے لیے صرف ایک ہی دلیل تھی کہ معاویہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتا تھا۔ یہاں لیاقت و قابلیت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ حکومت کرنے کی صلاحیت اور لوگوں کی مرضی و حمایت شرط نہیں تھی، صرف معاویہ کی خواہش تھی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے خطرناک کام کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو مسلمانوں کے لیے بڑا سنگین اور گراں تھا۔

معاویہ نے خود یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ یزید کی ولی عہدی لوگوں کے لیے بڑی سنگین ثابت ہوگی اور ممکن ہے خود خاندان بنو امیہ پر گراں ہو اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے باعث ننگ ثابت ہو لیکن یزید کی محبت نے اسے ایک ایسے کام کو انجام دینے پر آمادہ کر دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) لیکن حسین ابن علی جو مخالفین میں سر فہرست تھے بدستور صف مقابل میں کھڑے رہے۔ مقاتل الطالبین صفحہ ۴۴، ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۹، اسد الغابہ، الاستیعاب، الاصابہ، ام المومنین عائشہ کی احادیث سے نقل صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۳۔

معاویہ خود اپنے بیٹے سے کہتا تھا:

"مجھے ڈر ہے تیری خاطر میں اپنی آخرت سے ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"

وہ خود جانتا تھا اور اس کے مقربین بھی اس سے کہہ چکے تھے کہ یزید کی ولی عہدی ممکن ہے کہ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمے کے اسباب فراہم کر دے[1]

---

[1] بصرہ کے گورنر زیاد نے معاویہ کے خط کے جواب میں جو یزید کی ولی عہدی کے متعلق تھا ایک شخص کو بلا کر کہا کہ ایک ایسی بات ہے جو کاغذ پر نہیں لکھی جا سکتی۔ میں اسے امانت کے طور پر تمھارے حوالے کرتا ہوں اور ایک کام تمھارے ذمہ کرتا ہوں جسے تمھیں انتہائی رازداری کے ساتھ انجام دینا ہے۔ شام جاؤ اور معاویہ کو میرا یہ پیغام زبانی پہنچاؤ کہ اگر ہم لوگوں کو یزید کی ولی عہدی قبول کرنے کے لیے آمادہ کریں تو ان سے یزید کے بارے میں کیا کہیں؟ یزید رنگین لباس پہنتا ہے، شراب خوری، سگ بازی، بندر بازی میں مصروف رہتا ہے۔ موسیقی اور دف و چنگ کی محفلوں میں وقت گزارتا ہے جبکہ حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن زبیر لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں اور لوگ ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ آپ یزید سے کہیں کہ اپنے اخلاق میں تبدیلی لائے اور اچھی صفات پیدا کرے اس کے لیے ابھی کچھ روز باقی ہیں۔
معاویہ اس پیغام پر جو حقیقت کو بے نقاب کرنے والا تھا ناخوش ہوا اور اس نے کہا زیاد پر افسوس۔ میرے بعد وہ حکومت کرنے کا خیال اپنے دماغ میں پرورش کر رہا ہے میں اسے اس کی ماں سمیہ اور اس کے باپ عبید کے پاس پہنچا دوں گا (یعنی قتل کروں گا)
یہ فقرہ جس میں اس کے ماں باپ کا نام لیا گیا تھا زیاد پر بہت گراں گزرا۔ (باقی صفحہ ۴۴ پر)

ان تمام باتوں کے باوجود محض معاویہ کی خواہش اس بات کے لیے کافی تھی کہ رسمی طور پر یزید کو ولی عہد سمجھا جائے۔ یزید شعر و شراب کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف مے و معشوق سے دلچسپی تھی، اس کی شراب خوری، عشق بازی اور عیاشی کے پورے شام میں چرچے تھے اس کے باوجود اسے ولی عہد کے منصب پر فائز کیا جا رہا تھا۔

یزید کی ولی عہدی کی بحث دربار شام میں چھڑی تھی اور اس تجویز کو محض معاویہ کی مرضی اور پسند کی بنا پر منظور کر لیا گیا تھا اور تمام حکام اور گورنروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ لوگوں سے بیعت لیں اور مسلمانوں کو بلا چون و چرا معاویہ کے اس فیصلے کے سامنے گردن جھکانے پر آمادہ کریں۔ حکام اور گورنروں نے اس فیصلہ کو نافذ کر دیا اور ہر قیمت پر لوگوں سے بیعت حاصل کی (لوگوں نے خود اپنی مرضی سے بیعت نہیں کی۔)

البتہ مملکت کے مختلف علاقوں میں مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا ہوا لیکن اس سیاست سے جسے شیطنت ہی کہا جا سکتا ہے کام لے کر اس فیصلے کو صد فی صد نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔

ملک کے بعض علاقوں میں بہت زیادہ مشکلات درپیش تھیں، اس لیے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اور وہ معاویہ سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو گیا (تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۲۶۱-۲۶۲ - احادیث ام المومنین عائشہ کی کتاب سے نقل صفحہ ۲۶۲)

یہ ہے دنیا کا دستور۔ کل تک زیاد کا شمار ارکان سلطنت میں ہوتا تھا اور اس کا نام احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا اور آج کہ اس نے معاویہ کی پسند کے خلاف حقیقت کا اظہار کیا تو اسے یہ بات سننی پڑی۔ (مذکورہ بالا کتاب سے، داستان الحاق نسب ص ۲۵۵)

معاویہ نے مختلف بہانوں سے خود ان علاقوں کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر بڑی مہارت کے ساتھ مشکلات کو دور کیا اور ہر قیمت پر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لی۔

ایسے علاقوں میں مدینہ کا مقدس شہر بھی شامل تھا۔ یہ صد فی صد ایک مذہبی شہر تھا۔ بہت سے صحابہ اور تابعینؒ[1] اسی مبارک شہر میں زندگی بسر کر رہے تھے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے روضۂ مقدس کے پاس ہی رہ رہے تھے اس شہر میں سخت مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور حاکم مدینہ نے صاف طور پر اپنی ناتوانی اور بے بسی کا اظہار کر دیا۔ اس نے اس راہ کی بنیادی مشکلات کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ:

"اس شہر میں درجہ اول کی مذہبی شخصیتیں موجود
ہیں اور میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ معاویہ کے
بعد ایک ایسے شخص کو خلیفہ اور جانشین پیغمبر بنانے
کے لیے لوگوں سے بیعت لوں جو شرابی، منحرف،
لہو و لعب اور خلاف شریعت کاموں میں مشغول ہو۔"

یہ بات صحیح ہے کہ معاویہ نے اپنی مخصوص سیاست کے ذریعے تمام مشکلات کو دور کر دیا حتیٰ کہ مدینہ میں بھی لوگوں سے بیعت لے لی گئی اس کے باوجود ایسے آزادی پسند اور شجاع لوگ موجود تھے کہ وہ کسی قیمت پر معاویہ کے ہاتھوں بکنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ اور انھوں نے ہر جگہ

[1] جن لوگوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ ملا انھیں صحابہ اور بعد کی نسل کو تابعین کہتے ہیں۔

اور ہر موقع پر اپنی روحِ آزادی کو زندہ و باقی رکھا۔

یہ ایسے لوگ تھے کہ دربارِ شام اور اس کی مادی طاقت انھیں کبھی خوفزدہ نہ کر سکی اور انھوں نے حکومتِ شام کی طرف سے کیے جانے والے پروپگنڈہ کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ حق کی حمایت کرنے پر جو مصیبتیں نازل ہو سکتی تھیں ان سے وہ کبھی ہراساں نہیں ہوئے اور انھوں نے کبھی حق کو نہیں چھپایا خواہ اس کے لیے انھیں اپنی جان کی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے[1]

محافظینِ عدالت

لوگوں کے درمیان ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے ہیں کہ شاہی محلات کی شان و شوکت ان کے سامنے کچھ بھی نہیں رہی اور وہ کبھی فوجوں اور ان کے ہتھیاروں سے نہیں ڈرے اور حق و حقیقت کو زندہ رکھنے کے لیے انھوں نے ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں آزادی کا پرچم بلند رکھا اور آزادی اور حق کی محبت میں دیوانہ وار جنگ کے خونیں میدانوں میں دوڑ کر پہنچتے رہے۔ اور بڑھ بڑھ کر دار و رسن کو چومتے رہے۔

یہ عظیم اور شجاع افراد ستم گروں کے دراز ہاتھوں کو روکنے اور فرعونوں کے محلات کو زمین بوس کرنے، جابروں اور ظالموں کو خاک میں ملانے کے لیے کھڑے ہوتے رہے ہیں اور ان کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اترتے رہے ہیں۔ انھوں نے کبھی کسی چیز کی پرواہ نہیں کی اور کسی قیمت پر وہ سپر انداز نہ ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک آزادی کی قدر و قیمت، ان کی

---

[1] جیسا کہ حسین بن علیؑ اور ان کے ہم فکر احباب جنھوں نے یزید کی ولیعہدی کی مخالفت کی۔

جان، مال اور آبرو سے بھی زیادہ تھی۔

حق و آزادی کی راہ کے یہ مجاہد، حکومتِ حق اور عدالت کے یہ طرفدار، انسانیت کے مقدس اصولوں کے یہ محافظ جو ہمیشہ جبار فرمانرواؤں اور خونخوار ظالموں سے جنگ اور پنجہ آزمائی کرتے رہے ہیں، کبھی ان کے مقابل نہیں جھکے اور حق و عدالت کا پرچم بلند رکھنے کے لیے انھوں نے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔

عدالت کے ان محافظوں اور حق کے ان طرفداروں کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا اور روح فرسا محنت و مشقت سے کام لینا پڑا لیکن وہ استقامت و ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے اس وقت تک میدان سے نہیں ہٹے جب تک کہ انھوں نے ستم گروں کے تخت و تاج کو نہ الٹ دیا اور انھیں خاک و خون میں نہیں ملا دیا۔ ان مردانِ شجاع کی اسی جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ وہ ظالم دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔

آزادی کے ان متوالوں اور عدالت کے ان حامیوں نے اس وقت کے خطرناک حالات اور سراسیمہ کر دینے والے ماحول اور حکومتِ شام کے اس شکنجے کے باوجود جس نے لوگوں کی گردنوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا، معاویہ کی ہاں میں ہاں ملانے، سپر انداز ہونے اور ایک غلط نظریے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور معاویہ کے تمام ماہرانہ منصوبوں کو خاک میں ملاتے ہوئے، یزید کی ولیعہدی کو تسلیم کرنے اور بیعت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

البتہ ماحول کے دباؤ، مصائب اور پریشانیوں میں اضافے کی وجہ سے حریت و آزادی کے علمبرداروں کی تعداد میں کمی آتی چلی گئی اور صرف

چند لوگ میدان میں رہ گئے، جو ظلم و جبر کی تاریکی کے خلاف قدم جمائے
حق و آزادی کے پرچم کو بلند کرتے رہے۔

ظلم و جبر کے ان مخالفین میں سرِ فہرست اور سب سے آگے حسین ابن علیؑ
تھے، جو تقویٰ و فضیلت کے سراپا اور آزادی کی اس عظیم تحریک کے رہنما تھے۔
انھوں نے علی الاعلان یقین محکم کے ساتھ، حکومتِ شام کی غلط کاریوں اور اس
کے گمراہ کن پروپیگنڈے کی پرواہ کیے بغیر اس پر واضح کر دیا کہ وہ معاویہ کے
نظریے اور فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس طرح امامؑ نے بیعت
کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

معاویہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حسین ابن علیؑ میں شجاعت اور فداکاری
کی کیسی زبردست روح موجود ہے۔ اس نے اپنے ملک و مملکت کی فلاح
اسی میں دیکھی کہ وہ حسینؑ کا تعاقب نہ کرے کیونکہ معاویہ حسینؑ کی شخصیت
کو ہر شخص سے بہتر سمجھتا تھا۔

اس نے اپنی حکومت اور خلافت کے دوران حسینؑ کی اس قوت و
صلاحیت کو دیکھا تھا جو انھیں وراثت میں ملی تھی اور جو حق اور آزادی کی
حمایت میں روبکار آتی رہی تھی۔

معاویہ کو بخوبی احساس تھا کہ تعاقب اور دباؤ کے آگے نہ صرف یہ کہ
حسینؑ سر تسلیم خم نہیں کریں گے بلکہ مخالفین کے لیے میدان کھول دیں گے اور
انتہائی سنگین خون خرابے کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔

معاویہ نے بچشم خود دیکھا تھا کہ گزشتہ جنگوں میں حسین
علیہ السلام ایک ماہر اور لائق کمانڈر کی حیثیت سے دادِ شجاعت دیتے
رہے تھے ـــــ اور ـــــ میدان جنگ میں ان جیسا کوئی شجاع

نظر نہیں آتا تھا۔ [1]

معاویہ کو یہ معلوم تھا کہ حسین ابن علیؑ نے شام اور اس کی فوجوں کی پرواہ
کیے بغیر یہ پختہ عزم کر لیا تھا کہ عین کوفہ کی جامع مسجد میں وہ اسے منبر سے کھینچ کر لوگوں
کے سامنے اس کے سر کو کچل دیں گے۔ [2]

معاویہ ہر شخص سے بہتر طریقے پر یہ بات جانتا تھا کہ حسینؑ کی پرورش آزادی
کے گہوارے میں ہوئی ہے اور زہراؑ جیسی ماں کی گود میں اور علیؑ جیسے باپ کے
سایۂ عاطفت میں وہ پروان چڑھے ہیں اور انھیں جو ہر دل عزیزی و مقبولیت
حاصل ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

معاویہ بخوبی جانتا تھا ـــــ

ـــــ کہ کس راہ سے حسینؑ کے لیے ماحول و معاشرہ کو تیرہ و تار رکھے۔

اور ـــــ

کس راستے سے حسینؑ کو خاموش رکھے۔

معاویہ یہ بھی جانتا تھا کہ حسینؑ نے بیعت نہیں کی ہے اور اس کے
ساتھ اتفاق نہیں کیا ہے لیکن حسینؑ کی خاموشی اس کے لیے بڑی قدر و قیمت
کی حامل ہے۔

۱۔ امیر المومنین علیؑ اور معاویہ کے درمیان جو جنگیں ہوئیں ان میں سے اکثر کی کمان حسین
ابن علیؑ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔

۲۔ اس عزم کا اظہار حسین ابن علیؑ نے اس وقت کیا تھا جب معاویہ پیمان صلح کے بعد کوفہ
پہنچا اور مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے اور علیؑ کے بیٹوں کے سامنے آپ
کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے شروع کر دیے۔

یزید کے ولی عہد بننے کا مسئلہ صد فی صد قطعی تھا۔ یہ بات لوگوں کو معلوم ہو چکی تھی اور پورے ملک میں بظاہر تین افراد کے سوا کوئی مخالف نظر نہیں آتا تھا اور ان میں سب سے زیادہ اہم حسین ابن علیؑ تھے۔

ان مخالفین کے وجود کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی کیونکہ ان کے بال و پر کاٹ دیے گئے تھے اور کوئی ان کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ حالات اس قدر وحشت انگیز اور سراسیمگی پیدا کرنے والے تھے کہ جنگ کرنے اور مقابل میں آکر کھڑے ہونے کا خیال تک کسی کے ذہن میں نہیں گزرتا تھا کجا کہ اس خیال پر عمل درآمد ہو۔

یہ صحیح ہے کہ حسینؑ معاویہ کے اس فیصلے کے مخالف تھے لیکن حکومت شام نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ حسینؑ نے خاموش رہ کر کسی مناسب موقع کے منتظر رہنے ہی کو بہتر سمجھا اور اپنی شخصی زندگی کے دائرے میں سرگرم رہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی تربیت پر توجہ مرکوز کر دی۔

معاویہ نے اپنے فرزند یزید سے کہا:

"بیٹے! میں نے خلافت کے مست و سرکش اونٹ کو رام کر کے اس کی مہار تیرے ہاتھ میں تھما دی ہے۔ پوری طرح بیدار رہ کہ کہیں یہ مہار تیرے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے!"

معاویہ نے اپنی زندگی کے تجربات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"عزیز فرزند! کسی قوم پر حکومت کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے خصوصاً عربوں جیسی سخت کوش اور عصبیت و غیرت رکھنے والی قوم پر۔ تیرے

لیے اس قوم کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہر شخص کو تو اس کی حیثیت و نوعیت کے اعتبار سے رام کر سکے!"

"میں نے اپنی عمر کے دوران طرح طرح کی سیاست کے ذریعہ (بقول امام صادق علیہ السلام شیطنت کے ذریعے) اس مملکت کو حاصل کیا ہے اور آج میں ایک خلیفہ کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہوں۔"

"میں اپنی پچاس سالہ زندگی اور سیاست کے ذریعے اس مقام اور مرتبہ پر پہنچا ہوں!"

"آج پورے ملک میں بظاہر کوئی مخالف نہیں ہے، ان دو تین آدمیوں کی مخالفت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ سب سے زیادہ جس مخالف پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ حسین ابن علیؑ کی مقدس شخصیت ہے!"

"حسین بن علیؑ کی تربیت جس طرح ہوئی ہے، اسے میں ہر شخص سے بہتر طور پر جانتا ہوں،

وہ ایک ایسا انسان نہیں ہے جسے دنیا اور دنیا
کی رنگینیوں پر رجھایا جا سکے، وہ علیؑ کے گھر میں
اور ابوتراب جیسے باپ کے سایے میں پل کر جوان
ہوا ہے۔ ابوتراب کی حکومت کا دستور اس کے
لیے تربیت کا مکتب ثابت ہوا ہے۔ حق کے
مقابل وہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ عدالت
اور روحِ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے وہ بڑی
سے بڑی قربانی دے سکتا ہے۔ وہ اپنی جان کی
بازی لگاتے ہوئے جنگ کے خونیں میدانوں
میں اترنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

"یزید! حسینؑ کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ اس
کے ساتھ پنجہ آزمائی کی جائے۔ اگر تونے اس
کے مقابل آنے کی کوشش کی تو آہستہ آہستہ
وہ عام حمایت حاصل کرے گا اور زیادہ عرصہ
نہیں گزرے گا کہ تیری حکومت و ریاست
کے لیے ایک بڑے خطرے کی حیثیت سے
سامنے آ جائے گا۔"

"میرے بیٹے! تو حسینؑ کے ساتھ ٹال مٹول
کی پالیسی اختیار کر، ہرگز اُن پر الزام نہ دھر،

اگر حسینؑ اپنے سکوت اور خاموشی کو طول دیتے
ہیں تو یہ بات تیرے لیے بڑی قدر و قیمت کی
حامل ہوگی جسینؑ کے سکوت کے بدلے تجھے ایک
وسیع اسلامی مملکت پر حکومت میسر آ سکے گی۔
یہ سودا تیرے لیے نفع بخش ہوگا۔"

"یزید! تو حسینؑ کا احترام کیا کر اور ہمیشہ حالات
کو اس طرح برقرار رکھ کہ حسینؑ کو تیرے خلاف
اٹھ کھڑے ہونے کا عذر نہ مل سکے اور تیرے مقابلے
کا خیال ان کے دل میں نہ آ سکے۔"

"میرے بیٹے یزید! حسینؑ کے ساتھ مقابلہ ایک
خطرہ کو دعوت دینا ہے اور حسینؑ کا سکوت بڑا
قیمتی ہے۔ ان کا احترام کر اور حالات کو پرسکون
رکھ۔ حسینؑ کا تعاقب کبھی نہ کرنا، حسینؑ کا تعاقب
تیری حکومت کے لیے سراسر نقصان دہ ہوگا۔"

"اگر حسینؑ میدان میں آگئے تو ہر صورت میں شکست
تیرا مقدر ہوگی۔ خواہ تو فتح پائے یا شکست کھائے۔"[1]

---

[1] یہ بات ظاہر ہے کہ حسینؑ اس وقت تک شکست نہ کھاتے جب تک (باقی اگلے صفحہ پر)

یہ تھا اس نصیحت کا خلاصہ جو معاویہ نے ولی عہد بنانے کے بعد اپنے بیٹے یزید کو کی۔

معاویہ نے اپنی حکومت اور خلافت کے دوران اس آخری فرمان کو بھی جاری کردیا۔ یزید کو سرکاری طور پر اسلامی مملکت کا ولی عہد بنا دیا گیا اور زمین و آسمان ایک خطرناک حادثے تک پہنچنے اور تاریخ اسلام کے ایک حساس ترین صفحے کو الٹنے کے لیے ۶۱ھ کی جانب تیزی سے گھومنے لگے

انسانوں کی سرنوشت

انسان کامل، الٰہی نمائندے، زمین پر رہنے والے ملکوتی باشندے یعنی پیغمبر اور ان کے معصوم جانشین، اسی طرح دانشمند، فلاسفہ، عظیم شخصیتیں، آسمانی مکتب کے تربیت یافتہ رہنما۔ ان سب نے ہمیشہ انسانی معاشروں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے اور لوگوں کے عام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اس ہدف کو سامنے رکھتے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کہ وہ شہید نہ کر دیے جاتے اور اس وقت تک قتل نہ ہوتے جب تک کہ ان کے پہلو میں ایک جماعت خاک و خون میں نہ تڑپتی، حسین جیسی شخصیت کا اور اس کی حمایت کرنے والے ایسے اشخاص کا خون بہانا جب کہ انھیں اس درجہ معنوی اور اجتماعی ہر دل عزیزی حاصل ہو نہ صرف یہ کہ حکومت کے لیے پریشانی کا سبب بنتا بلکہ حکومت کے خلاف ایک عام ناراضگی وجود میں آجاتی، جب معاملہ عوام کی اس قدر ناراضگی تک جا پہنچتا تو پھر حکومت کرنا مشکل ہو جاتا اور جلد یا بدیر راکھ میں دبی ہوئی آگ لوگوں میں شعلہ بن کر ابھرتی اور محلوں اور محلوں کے رہنے والوں کو اپنا لقمہ بنا لیتی۔

ہوئے جو انسانی زندگی کی منزل اور منتہا ثابت ہو سکتا ہے، اجتماعی مسائل کا مطالعہ مشاہدہ کیا ہے۔

یہ پاک ہستیاں ہمیشہ زمین پر بسنے والے باشندوں کی زندگی کو نظروں میں رکھتے ہوئے یہ معلوم کرتے رہے ہیں کہ وہ کیا کر رہے اور کس سمت جا رہے ہیں؟ انھوں نے زندگی کی راہ پر رواں دواں انسانی معاشروں کے قافلوں کی رہنمائی کی ہے اور حالات کے مطابق کرنے والوں کا ہاتھ تھام کر انھیں کامیابی اور سعادت کی منزل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معاشرہ انسانیت کے راستے سے بھٹک جاتا ہے اور خواہشات و شہوات کے راستوں پر چل پڑتا ہے اور وحشی جانوروں کی خصلتیں اختیار کرنے لگتا ہے اور خونریزی اور ستم گری پر اتر آتا ہے تو یہ ملکوتی صفات انسان سخت بے چین اور فکرمند ہو جاتے ہیں اور جہاں تک انھیں حالات اجازت دیتے ہیں وہ پند و نصیحت کے ذریعہ معاشرہ کی مدد اور رہنمائی کرتے ہیں اور معاشرہ کو اور اس کے رہنماؤں کو وعظ و نصیحت کے ذریعہ صحیح راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور کبھی کبھی جب انسانی معاشرہ تباہی کے گڑھے میں گرنے کے قریب ہو جاتا ہے اور انسانیت موت کی دہلیز پر پہنچنے لگتی ہے تو یہ ملکوتی صفات انسان میدان میں اتر آتے ہیں اور نہایت فداکاری اور جاں نثاری کے ساتھ اپنا خون بہا کر انسانی معاشرہ کو بچانے اور نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرستادے اور انبیاء ہمیشہ انسانیت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں اور وہ بار بار ایسے حساس اور خطرناک مواقع پر جبکہ انسانیت پستی اور زوال کی طرف تیزی سے جا رہی ہو۔ نمودار ہو کر جبار حکمرانوں اور ان کی خونخوار حکومتوں سے جنگ کرتے رہے ہیں اور ان کے تخت اقتدار کو الٹ کر غلامی کے جوئے

سے انسانی معاشروں کی گردنوں کو آزاد کراتے رہے ہیں۔

نمرود اور فرعون کی بساطِ خداوندی کو ابراہیمؑ اور موسیٰؑ نے الٹ دیا تھا اور ان کے محلوں کو زمیں بوس کر دیا تھا۔

اسی طرح انسانیت کے نجات دہندہ خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم ایک ایسے وقت ظاہر ہوئے جب انسان بت پرستی، مادیت اور ظلمت کی راہ اختیار کر کے آگ کے گڑھے میں گر رہا تھا۔ آپ نے اسے اس تباہی سے بچا لیا۔ اور ملکوتی و آسمانی تعلیمات کے ذریعہ اسے زندگی اور نجات کا راستہ دکھایا۔

انبیاء کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے رشد و ہدایت کی راہ پر انسان کی ترقی کے لیے تکالیف برداشت کیں اور اس کو خوش نصیبی سے بہرہ مند کرنے کے لیے کوششیں کیں اور وہ ظالموں اور جابروں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

ان کے بعد بزرگ شخصیتوں، فلاسفہ اور دانشمندوں نے انسان کی مدد کی اور اس کی رہنمائی کا فرض انجام دیا۔[۱]

---

[۱] ابراہم لنکن نے جب جنوبی امریکہ میں غلاموں کی حالت کو دیکھا تو اسے سخت رنج ہوا اور اس نے خدا سے دعا کی کہ ایسے حالات فراہم کرے کہ وہ ضعیف انسانوں کو سرمایہ داروں کے چنگل سے نجات دلا سکے۔ جب لنکن جمہوریہ امریکہ کا صدر بنا تو اس نے امریکہ کی تاریخ میں پہلی بار غلاموں کی آزادی کا فرمان جاری کیا اور اپنی جان بھی اسی مسئلے پر دے دی۔ لیکن اس نے یہ خدمت اپنی دانست میں دانشمندوں کی راہ پر چل کر انجام دی۔ غلاموں کی آزادی کے مسئلے کو سب سے بہتر طریقے پر اسلام نے حل کیا ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

حکیم افلاطون (ایتھنز) کے شہر میں کھلے میدانوں میں کھڑے ہو کر لوگوں کو نصیحت کرتا تھا اور وہ ہمیشہ انسانیت کو مدینۂ فاضلہ کی طرف دعوت دیتا رہا۔

بزرگ حکیم یونانی نے احترام قانون کی تعلیم کے لیے زہر کا پیالہ خود اپنے ہاتھوں سے پی لیا اور اپنی اس قربانی کے ذریعہ اس نے پیغام دیا:

"اے انسان قانون کا احترام کر تاکہ تو ایک آبرومندانہ زندگی گزار سکے۔ قانون شکنی ایک بڑا ناقابلِ معافی گناہ ہے۔"

سقراط اور ارسطو نے اپنی باعزت و باافتخار زندگی کے دوران اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ ہمیشہ انسان کو نصیحت کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تباہی سے بچانے کی کوشش کی اور اسے زوال کے خطرے سے آگاہ کیا۔

عظیم دانشمندوں نے قرونِ وسطیٰ کے مظالم اور استبداد کا سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ انھوں نے دنیا پرست اور صحیح راہ سے منحرف ہونے والے کلیساؤں پر تنقید کی اور ان کے مظالم کا جوانمردی سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ قید ہوئے اور مارے گئے۔[۱]

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کتاب "شبہات حول الاسلام" میں دوسری کتابوں سے زیادہ بہتر اس موضوع پر لکھا گیا ہے۔ اس کتاب سے رجوع کریں۔

[۱] گلیلو کی زندگی کی دلچسپ داستان اسی کی ایک مثال ہے۔

انبیاء، پیغمبر، اولیاء اور ان کے جانشین، فلاسفہ اور دانشمند اگر سخت اور خطرناک حالات سے دوچار ہوتے اور گہرے جائزے کے بعد اپنی کوششوں اور مقابلوں کو بے نتیجہ دیکھتے تو ایک گوشہ میں بیٹھ کر معاشرہ کی حالت پر دل ہی دل میں کڑھتے اور کسی مناسب وقت کی انتظار میں گھڑیاں گنتے رہتے۔ اور بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے:

"اے پروردگار! آخر یہ انسان گروہ در گروہ کیوں جہنم اور بدبختی کی راہ پر چل پڑتے ہیں"

"خداوندا! بے گناہ جوانوں اور ان معصوم دوشیزاؤں نے آخر کون سا قصور کیا ہے کہ وہ اس جابرانہ ماحول میں جکڑے گئے ہیں اور یہ ماحول انھیں گروہ در گروہ فسادِ اخلاق اور شہوات و منکرات کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہے"

"بارالٰہا! یہ کیسے حالات ہیں کہ ستمگر اور خونخوار لوگ ملت کے کندھوں پر سوار اور معاشرہ کو اپنی گاڑی میں جوت کر اسے ٹھوکریں مار رہے ہیں"

ربّ العالمین! کیا کبھی ایسا دن بھی آئے گا جب بے چارہ انسان ان ظالموں کے چنگل سے رہائی

حاصل کرسکے گا"

یہ ہے حقیقی انسانوں کی تڑپ اور ان کا لائحہ عمل جسے وہ موافق و ناموافق حالات میں روبہ عمل لانے کی کوشش کرتے ہیں:

① ——— پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دور میں زندگی کے وحشیانہ مناظر کا مشاہدہ فرماتے تھے اور ان پر رنجیدہ ہو کر بڑا دکھ اٹھاتے تھے۔ جب آپ ریگستانوں میں تنہا ہوتے تھے تو آسمان کی طرف رخ کر کے انسانیت کی گمراہی کا شکوہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے:

"اے پروردگار! یہ گمراہ انسانیت کدھر جا رہی ہے؟ کب یہ گمراہی و انحراف کی راہ سے پلٹے گی؟"

"اے ربّ العالمین! وہ دن کب آئے گا کہ انسان جھوٹے معبودوں کی بندگی سے منہ موڑ کر تیری بندگی اور اطاعت کی راہ اختیار کر کے سعادت و کامرانی حاصل کرے گا"

محمد بن عبد اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور مدتوں خونِ دل پیتے رہے۔ یہاں تک کہ ایسے حالات پیدا ہوئے، آپ کو ھدایت و رہنمائی کے عظیم منصب، منصبِ نبوت پر فائز کیا گیا اور انسانیت کی نجات کے سامان بہم پہنچائے گئے۔

② ——— پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ایک کام انجام دے دیا

گیا ہے تو اسلام کی اعلیٰ مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے
حق کے بارے میں خاموشی اختیار کی۔ جب بھی آپ کو حکومت
کے انحراف کی خبریں ملتیں آپ سخت رنجیدہ ہوتے اور اکثر
اسلام اور مسلمانوں کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو
نکل آتے اور آپ بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے:

"اے پروردگار! یہ کیسا معاملہ ہے کہ نادان افراد نے
جو عدالت اسلامی کے سادہ ترین مسائل بھی نہیں جانتے
مسندِ حکومت پر بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے امور کو
اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

"یہ کیسا زمانہ ہے کہ اسلامی حکومت کے وابستگان
ارتداد کے نام پر لوگوں کے جان و مال کو خاک و خون میں
ملا رہے ہیں اور ناموسِ اسلامی پر دست درازی کر
رہے ہیں اور حکومت کے ذمہ دار سرد مہری سے کام
لے رہے ہیں اور احکام اسلامی کو معطل کیے دے رہے ہیں۔"[1]

"خداوندا! یہ کیسی دنیا ہے کہ کچھ لوگوں نے معاشرہ

---

[1] خالد بن ولید (سیف اللہ لقب تھا) نے مالک بن نویرہ کو ارتداد کے نام پر قتل کیا اور ناقابل معافی گناہ کیا، کیونکہ مالک بن نویرہ کی بیوی کے عشق میں گرفتار تھا اور رات کو اس کی بیوی سے ہمبستر ہوا۔ جب یہ ظلم ثابت ہوگیا تو ابن ابی قحافہ نے خدا کے حکم کے اجرا میں تساہلی برتی یہاں تک کہ ابن خطاب اس معاملہ میں ناراض ہوگئے۔ یہ فریقین کی تاریخ میں موجود ہے۔
(النص والاجتہاد)

کے اوپر مسلط ہو کر اپنے وابستگان کو لیاقت و صلاحیت
کے بغیر اسلام اور مسلمانوں کے امور پر مسلط کر دیا ہے
اور لوگوں کے تمام حقوق کو اسلام کے نام پر پائمال
کر دیا ہے اور ان کی تکالیف اور شکایات کا ذرہ
برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا۔"[1]

علیؑ پچیس سال تک منحرف حکومت کا مشاہدہ نہایت
دل جمعی اور مہربانی سے کرتے رہے اور نصیحت اور تجاویز
دیتے رہے۔ اسلام کے نفع میں کام کرتے رہے۔ یہاں تک
کہ برسر مسندِ خلافت بیٹھے اور اسلامی احکامات اور روایات
کا اجرا فرمایا۔ اور آسمانی رہبری اور ظلم و استبداد کی بادشاہی
میں فرق واضح ہو گیا۔ آخر کار ایک شقی نے آپ کو
شہید کر دیا۔

۳ — امام مجتبیٰ حسن بن علیؑ نے اپنے والد علیؑ کے بعد رہنمائی کا
منصب سنبھالا۔ کوفہ کے لوگوں نے ان کی طرف دستِ
موافقت بڑھایا۔ ان واقعات کے مطابق جو تاریخ میں
درج ہیں امام حسنؑ معاویہ کے مقابل تھے لیکن حضرت
کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ خاموشی اختیار کریں اور گوشہ نشین
ہو رہیں۔

---

[1] یہاں عثمان بن عفان کی حکومت کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ مصریوں کے معاملات کی طرف سے بے اعتنائی کی گئی۔

آپ گوشہ نشین تو ہو گئے لیکن مسلمانوں کی حالت دیکھ کر نہایت رنجیدہ اور صورت حال سے بہت متاثر رہتے اور دل ہی دل میں فریاد کرتے۔

"اے پروردگار! یہ کیسی دنیا ہے کہ لوگوں نے معاویہ کی جابرانہ حکومت کو قبول کر لیا اور اسلام کے اصولوں سے ہٹنے کے باوجود اسے خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔"[1]

"خداوندا! یہ کیسے حالات ہیں کہ معاویہ تو پیغمبر اسلامؐ کا جانشین قرار پائے اور آپ کے بہترین صحابی علی ابن ابی طالبؑ کو لعن طعن کا نشانہ بنایا جائے اور منبروں پر آپ کا برائی کے ساتھ ذکر کیا جائے۔"

"بارالہا! کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا کہ جب لوگ بیدار ہو جائیں گے اور ظالموں کا ہاتھ کوتاہ ہو جائے گا اور عادلانہ اسلامی حکومت کا دور دورہ ہو سکے گا۔"

(۴) — حسین بن علی علیہ السلام اپنے جدّ بزرگوار رسول خدا

---

[1] معاویہ نے حسن بن علیؑ کے ساتھ صلح کے معاہدے کی خلاف ورزی کی، سبّ و لعن علی کے عنوان سے قانون وضع کر کے اسے نافذ کیا اور تمام اسلامی اصولوں کے خلاف اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد قرار دے کر اسے مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک تمام حالات و واقعات کو نزدیک سے دیکھتے آئے تھے۔ اور گہری نظر سے مشاہدہ کر کے انھیں جانچتے رہے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے مقابل لوگوں کے ردِ عمل اور پروپیگنڈہ کی نوعیت کا کامل طریقے پر مطالعہ کرتے رہے تھے۔ مردم شناسی کے لیے اپنے باپ علیؑ، ماں اور بھائی کی زندگی ان کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

وہ ہر شخص سے بہتر جانتے تھے کہ سیاست نے لوگوں کے روشن اور پاک افکار کو کس طرح آلودہ کر دیا ہے اور عوام کی فکری سطح کو کس قدر پست کر دیا ہے اور ان سے آزادی اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی طاقت چھین کر ایک گروہ نے کس طرح اپنے مقاصد پورے کیے ہیں۔

انھیں ہر شخص سے بہتر یہ بات معلوم تھی کہ معاویہ نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں کس طرح کی سیاست لڑا کر حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تاکہ اپنے غاصبانہ اقتدار کے منصوبوں کو روبعمل لا سکے۔

حسینؑ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ان حالات میں اگر وہ کھڑے ہو گئے اور جدوجہد شروع کر دی تو کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا بلکہ الٹا ہی نتیجہ برآمد ہو گا۔

معاویہ کے طرفدار عمرو بن العاص جیسے لوگ تھے جنھوں نے کاغذ اور جلدِ قرآن اٹھا کر لوگوں کو فریب دیا اور علیؑ کو

پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔
حکومت معاویہ کی پروپیگنڈہ مشنری نے اس قدر لوگوں
کے ذہن و اخلاق کو بگاڑ دیا کہ مسلمانوں نے پیغمبر اکرم
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابہ کو علی الاعلان برے
ناموں سے یاد کرنا شروع کر دیا اور اسے عبادت سمجھنے لگے
معاویہ کی ظالمانہ حکومت نے عوام کو اتنا بے خبر جہالت
اور نادانی میں رکھا تھا کہ شہادت کے معاملے میں اونٹ
اور اونٹنی کا فرق معلوم نہ تھا۔ [۱]
ایک ایسا جاہل اور نادان معاشرہ جس کے حکمران معاویہ

---

[۱] ایک آدمی کوفے سے شام پہنچا ہی تھا کہ ایک شامی نے اس کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار پکڑ لی اور کہا یہ اونٹنی میری ہے تم نے چرا لی ہے۔ بحث و تکرار بڑھی اور ایک معاویہ کے مقرر کردہ شخص تک بات پہنچی۔ پچاس شامیوں نے اپنے شامی دوست کے حق میں شہادت دی کہ یہ اونٹنی شامی کی ہے۔ فیصلہ شامی کے حق میں ہوا اونٹ اس کو دے دیا گیا۔ کوفی مرد نے کہا کہ یہ اونٹ ہے اونٹنی نہیں ہے اور اونٹ کو اونٹنی کی چوری کے بدلے نہیں لیا جا سکتا تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ حق کوفی کا ہے اور اونٹ اس کا ہے لیکن معاویہ نے کہا کہ گزشتہ فیصلہ واپس نہیں لیا جا سکتا۔ بعد میں کوفی کو اکیلے میں بلا کر اس کو اونٹ کی قیمت سے دوگنی قیمت ادا کی اور کہا کہ جب کوفہ جانا تو علیؑ سے کہنا کہ معاویہ کہتا ہے کہ ایک لاکھ ایسے افراد کی فوج سے لڑنے کے لیے تیار رہیں جن کو اونٹ اور اونٹنی کی پہچان نہیں ہے۔

اور ان کے طرفدار عمرو بن العاص جیسے لوگ ہوں اور
جن کی حکومت کا طریقہ عوام کو فریب دینا ہو تو کس طرح
ایک ایسی حکومت کے خلاف جنگ چھیڑی جا سکتی تھی۔

اگر حسینؑ اس حکومت سے جنگ کرنا چاہتے تو مقدس
شخصیتیں بھی آپ کا ساتھ نہ دیتیں۔ اس کے باوجود حسینؑ
اس وقت کسی بڑی مہم کا آغاز کر دیتے تو یہی معزز لوگ کہتے
کیوں ملک کے امن و سکون کو خراب کرتے ہو۔ لوگ
آرام کے ساتھ ایک سرگرم زندگی گزار رہے ہیں اب
دوبارہ خون خرابے کا سلسلہ نہ ہونا چاہیے۔
حسینؑ اگر لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے کہ دربارِ
معاویہ کے طور طریق اسلامی معاشرہ کو انحطاط اور
ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں اور اسلام و اسلامیت
کو ایک سنگین خطرہ لاحق ہوتا جا رہا ہے تو نادان عوام امام
حسنؑ اور علی مرتضیٰؑ کی طرح ان پر بھی دباؤ ڈالنے میں کوئی
دریغ نہ کرتے اور اس کا نتیجہ بالکل الٹا نکلتا۔
حسین ابن علیؑ خوب جانتے تھے کہ ان حالات میں
اور اس طریقے سے مہم شروع کی گئی تو معاویہ کی سیاست
اور اس کی حکومت کی عوام فریبی ماحول کو بالکل خاموش
اور ساکن کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ہر شخص
کو کسی نہ کسی طرح رام کر لیا جائے گا۔ زور سے یا زر سے،

کیونکہ یہی دو چیزیں دنیادار لوگوں کی مشکل کشا ہیں اور اس طرح ان لوگوں کا کام بنا رہے گا۔

حسین ابن علیؑ نے ریاضی کے انداز میں حساب لگا کر حالات کے دقیق تجزیے کے بعد معاویہ کے دورِ حکومت میں خاموشی اور کنارہ کشی کو بہتر سمجھا اور اپنے بھائی کے بعد معاویہ کا دورِ حکومت ختم ہونے تک مدینہ میں خاموشی کے ساتھ دن گزار دیے۔

امام مجتبیٰ حسن بن علیؑ اور معاویہ کے درمیان ہونے والا صلح کا معاہدہ آپؑ کے انتقال کے بعد غیر موثر ہو گیا۔ پھر کوئی پیمان باقی نہیں رہا تھا کہ حسینؑ اس کے احترام میں سکوت اختیار کرتے۔ دورِ معاویہ میں ان کی خاموشی بجز اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ انھوں نے مصالحِ عمومی کو قبول کرتے ہوئے ان حالات میں کسی بھی مہم کو لاحاصل سمجھا تھا۔

ولیعہد کو خلافت مل گئی

معاویہ دنیا سے رخصت ہوا اور یزید نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یزید لہو و لعب اور عیش و عشرت کا دلدادہ ایک جوان تھا۔ اسے پہلے ہی ولیعہدی مل چکی تھی۔ اب وہ باپ کی جگہ پر بیٹھ کر خود کو خلیفۃ المسلمین کہنے لگا۔ اب حسینؑ کی مہم کا آغاز ہوا۔ یزید کی سلطنت کے پہلے دن کو ہم حسینؑ کی تحریک کا پہلا دن کہہ سکتے ہیں۔

یزید کے برسرِ اقتدار آنے اور اس کی حکومت کے لائحۂ عمل کے اعلان کے

ساتھ ہی تمام حالات و شرائط بدل گئے۔ حسینی مخالفت کے گہرے اور عاقلانہ اقدامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حسینؑ کی تحریک کی کیفیت و نوعیت پر گفتگو سے پہلے مناسب ہو گا کہ خود حسینؑ کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کریں۔

حسین علیہ السلام نے کیوں قیام کیا؟

جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو انسانی ذہن سب سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اگر واقعہ کے اصل اسباب اور عوامل معلوم ہو جائیں تو پھر وہ مطمئن ہو کر واقعہ کی اصل تفصیلات معلوم کرنے کی فکر کرتا ہے۔ اگر واقعہ کا اصل سبب واضح نہ ہو تو اس کی جستجو کا محور یہی سوال بنا رہتا ہے۔

اسی دلیل کی بنا پر واقعہ طف (کوفہ کے نزدیک ایک مقام) اور حادثۂ کربلا کے اسباب و وجوہات کی بحث تمام دوسری بحثوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ حسینؑ نے یزید کے مقابل کیوں قیام کیا؟

کیا حسینؑ نے حکومتِ وقت کے خلاف اپنی خاطر اور اپنے اقتدار کے لیے جنگ چھیڑی تھی؟

حسینؑ نے اپنا آرام و چین ختم کر کے اور ظاہری اسباب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے کیوں اقتدارِ وقت کے خلاف ایک بڑی مہم کا آغاز کیا۔

ان کی اس تحریک کا اصل محرک اور عامل کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی فکر کے مطابق اس واقعہ کی تشریح اور اسے اپنے افکار و عقائد کے مطابق ڈھالنے کی

کوشش کرتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک صرف ایک موضوع تحقیق کا متقاضی ہے تاکہ نوجوان طبقے کی فکر روشن ہو اس لیے ہم اسی موضوع پر کچھ عرض کریں گے۔

ایک مسئلے کی تحقیق

کہا جاتا ہے کہ زبیر کے بیٹے کی طرح حسین ابن علیؑ کے سر میں بھی ریاست و حکومت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ انھوں نے منصب حکومت و امارت تک پہنچنے کے لیے قیام کیا اور اس وقت کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اقدامات کیے۔ چنانچہ چار ماہ کے عرصے میں ان کے اطراف ان کے کچھ حامی جمع ہو گئے۔ حکومت وقت بھی کچھ خطرہ محسوس کر کے اس کے سدباب پر آمادہ ہو گئی اور اس وقت کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسینؑ کا محاصرہ کر لیا اور حسینؑ کی مقاومت کی وجہ سے مجبوراً انھیں شہید کر دیا اور ان کے حامیوں کو ہلاک کر دیا یا قید کر لیا۔

حکومتِ وقت کا اپنے ایک مخالف کو کچل دینا ایک فطری بات ہے۔ اس طرح کے مواقع پر فریقین میں سے ایک غالب آجاتا ہے اور دوسرا مغلوب ہو جاتا ہے۔

یہ بات واضح ہے اس حادثے میں حکومتِ وقت کی سیاست زیادہ طاقتور تھی۔ اسی لیے وہ حسین پر غالب آ گئی اور حالات پر اس نے تسلط حاصل کر لیا۔

یہ بات بھی روشن ہے کہ اس طرح کی کشمکش کے دوران ایسے اقدامات عمل میں لائے جاتے ہیں جنکو حکومت کا مخالف فریق ظلم و ستم سے تعبیر کرتا ہے

اور اقتدارِ وقت اپنے موقف کے دفاع اور حکومت کی حفاظت کے لیے اپنے اقدامات کو عین عدل و انصاف قرار دیتا ہے۔

یزید کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ حسینؑ اس کی حکومت کی مخالفت پر اتر آئے ہیں اور انھوں نے بتدریج بعض اقدامات کر کے اپنی اور اپنے ساتھی مخالفین کی قوت میں اضافہ کر لیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی وقت اس کے لیے دردِ سر بن جائیں تو یزید نے ایک لائق گورنر کا انتخاب کر کے متعلقہ علاقے میں مامور کیا اور اپنے مخالف کا راستہ روکنے اور اس کی سرکوبی کرنے کی سختی سے تاکید کی۔

ابن زیاد کو اقداماتِ حسین کا مقابلہ کرنے اور اس شورش کو ختم کرنے کا حکم ملا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے وقت کی سیاست کے مطابق حسینؑ کا راستہ روکا۔ ان پر پانی بند کر دیا۔ پھر انھیں قتل کر دیا۔ ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے انھیں مرکز روانہ کر دیا تاکہ ان قیدیوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

اس تفصیل کے مطابق حسینؑ کا قتل ہونا ایک عام قسم کا واقعہ تھا اور ان کے بچے کچھے ساتھیوں کا گرفتار ہونا ایک فطری بات تھی۔ اس قسم کے جنگ و جدال کی انسانی تاریخ میں بہت سی مثالیں ہیں۔ اور تاریخ اسلام بھی اس طرح کے واقعات سے خالی نہیں ہے۔

واقعہ کی اس تفسیر پر یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ سیاست نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر دکھایا اور اس مقصد کے لیے مرثیہ و تعزیہ اور داد و فریاد کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علیؑ حکومت اور خلافت کے لیے کھڑے ہوئے تھے؟ ——— کیا انھیں امارت و خلافت کا لالچ تھا اور اسے حاصل کرنے کے لیے انھوں نے جنگ کی تھی؟

کیا حسین ابن علیؑ اور یزید ابن معاویہ کے درمیان وجۂ نزاع صرف ایک مادی مسئلہ تھا اور ان کے درمیان اقتدار کے لیے ہی جنگ ہوئی تھی یا بات اس کے علاوہ کچھ اور ہے ؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو واقعہ کربلا کے بارے میں اس قسم کی توضیحات سُن کر لازماً پیدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب ملنا چاہیے۔

کیا یہ بات درست ہے کہ سیاست نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر دکھایا۔ اور اسے آج یہ آب و تاب حاصل ہو گئی اور خود سیاست نے بھی اس کے ذریعہ رنگ و روغن حاصل کر لیا۔ یہ بات ناقابل تسلیم ہے۔

کیا سیاست ایک واقعہ کو اس قدر بڑھا چڑھا کر دکھا سکتی ہے کہ لوگ اسے اتنی اہمیت دینے لگیں ؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کامل اور اطمینان بخش جواب ضروری ہے۔

کیا طف کا حادثہ اور کربلا کا واقعہ فی الواقع ان جیسے واقعات میں سے ایک ہے جو انسانی تاریخ اور اسلامی تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں اور وہ ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے ؟ یا یہ کہ اس واقعہ کو صرف ایک فرد کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوا ہے اور اسی کی وجہ سے اس واقعہ کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی ہے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دیا جانا چاہیے :

ایک مسئلہ کا جواب

ان سوالات کا جواب بلاخوفِ تردید نفی میں ہے۔ اگر ہم حسین ابن علیؑ

کی زندگی اور اس تحریک میں آپ کے کردار کا مطالعہ کریں اور اس کا حکومت اقتدار کے لالچی دنیا پرستوں کے کردار سے موازنہ کریں تو آپ کو دونوں کے درمیان کوئی شباہت نظر نہیں آئے گی اور آپ کسی طرح ان میں یکسانیت پیدا نہیں کر سکیں گے۔

اگر فی الواقع حسین ابن علیؑ نے حکومت کے لیے مہم شروع کی تھی تو کیا انھوں نے یہ کلیۃً غلط کیا تھا ؟

جو لوگ معاشرہ میں اجتماعی نقطۂ نظر سے کسی بلند مقام اور مرتبہ کے حامل ہوں اور وہ حکومت کی خواہش رکھتے ہوئے کسی حساس و اہم منصب کو حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لیے صرف ایک راستہ ہوتا ہے کہ وہ اقتدارِ وقت سے قربت حاصل کریں اور حکومت کی لغزشوں اور اس کی خراب کاری سے چشم پوشی کریں۔ جب تک کوئی شخص حکومت و اقتدار کے خوشامدیوں میں شامل نہیں ہوتا تو وہ اس کی مشنری میں کوئی جگہ حاصل نہیں کر سکتا ہے اور نہ کسی اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے اور نہ حکومت پر کبھی قابض ہو جانے کی اس کی خواہش پوری ہو سکتی ہے

اب جو لوگ خروج اور بغاوت کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس بات کے لیے مجبور ہیں کہ پہلے نرم رویہ اختیار کریں تاکہ حساس قسم کے عہدوں پر پہنچ جائیں۔ اور پھر ایک خاص تیکنیک کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کریں۔

حسین ابن علیؑ کی شخصیت تاریخ کی شہادت کے مطابق ایسی تھی کہ اگر ابتدائی ایام میں وہ حکومت کی اس مشنری سے موافقت کرتے تو نہ صرف یہ کہ وہ انھیں قتل نہ کرتے بلکہ ان کی خاموشی کے صلے میں انھیں کوئی بڑا مقام اور منصب بھی دے دیتے۔

حسین بن علی علیہ السلام خواہ حصولِ منصب کی راہ اختیار کرتے یا بغاوت کا راستہ، اگر انھیں حکومت و ریاست مطلوب ہوتی تو ان کے لیے ہر دو صورتوں میں حکومت کی قربت حاصل کرنی اور اس کے ساتھ موافقت کرنی پڑتی۔ لیکن حسینؑ کا حال یہ تھا کہ ان کے چہرے سے ایک دن بھی کسی خوش روئی کا اظہار نہ ہوا۔

نہ صرف یہ کہ خوش روئی کا اظہار نہ کیا بلکہ امیر معاویہ جیسے آمر حکمران کے دور میں انھوں نے حکومت کی کوئی قربت حاصل نہ کی۔ اور نہایت حساس مسائل کے بارے میں بھی اس کی تجویزوں کو مسترد کرتے رہے۔

بلاشبہ حسین ابن علیؑ نے معاویہ کے دور میں خاموشی اختیار کی تھی تاہم اگر کسی شخص کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ اقتدار کا طالب تھا تو اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ حکومت کے قریب ہوتا۔ اور اس وقت کی ممکنہ تدابیر سے فائدہ اٹھاتا نہ یہ کہ وہ حکومت کی مخالفت کرتا اور حکومت کے عزائم اور منصوبوں کو تنقید کا نشانہ بناتا۔

جو لوگ ریاست کے خواہاں ہوتے ہیں اور دنیا کی چند روزہ حکومت کے لیے میدان میں اترتے ہیں اور انھیں کسی قطعی خطرہ کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنے قوی دشمن کو مسلط ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ارادہ و فکر کو تبدیل کر کے الٹے پاؤں واپس ہو جاتے ہیں تاکہ موافق حالات پیدا ہونے پر بعد میں کسی اور راستے سے میدان مقابلہ میں اتر سکیں۔

لیکن حسین ابن علیؑ جس قدر خطرے کو محسوس کرتے جاتے تھے اسی قدر ان کے قدموں کو ثبات حاصل ہوتا جاتا تھا۔ اور ان کا ارادہ پختہ سے پختہ تر ہوتا جاتا تھا۔ ان کے رفقا خطرے کی اطلاع دیتے اور ان کے حامی و طرفدار صورتِ حال سے آگاہ کرتے۔ لیکن حسینؑ ان باتوں کا کوئی اثر لیے

بغیر اپنے ہدف کی طرف بڑھتے چلے جاتے تھے۔

کوفہ کی حالت دگرگوں ہونے سے پہلے تک تو ظاہری اندازوں کے مطابق کامیابی کی امید تھی لیکن مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع ملنے کے بعد کامیابی کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہی تھی اور کوفہ کی راہ پر جانا اقتدار طلبی کے مقصد سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ حسینؑ دوستوں کے مسلسل اصرار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس ہدف کے لیے آگے بڑھتے جا رہے تھے جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

اگر حسین ابن علیؑ اقتدار طلبی، حکومت مادی اور دنیوی مقاصد کے لیے پیش قدمی کر رہے ہوتے تو کوفہ میں تازہ تبدیلی کے خطرے کو دیکھتے ہوئے اور مسلم کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے غیر موافق حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا آٹھویں اور نویں محرم کو تمام خطرات کی پرواہ کیے بغیر یزید کی طاقت کے مقابل آنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

اگر حسین ابن علیؑ کا مقصد حکومت ہوتا تو ان کا کربلا میں پہنچنا اور مختلف پیش کشوں کے باوجود سختی سے اپنے موقف پر جمے رہنا اور اپنی اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کی خوشخبری دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اگر حسینؑ کے ساتھی دنیا کی بہتر زندگی اور حکومت حاصل کرنے کے لیے آئے تھے تو عاشورہ کی رات انھوں نے نہ حسینؑ کو تنہا چھوڑا اور نہ خود گئے بلکہ ثابت قدم رہے، وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور وہاں فرار کی راہ میں کوئی مشکل درپیش نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ کیوں میدان میں ڈٹے رہے؟

ان تمام باتوں کے علاوہ حسینؑ کی تربیت جس انداز سے ہوئی تھی اور آپ جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ واقعہ کربلا کی ان توضیحات سے

کوئی مطابقت نہیں رکھتا جو لوگ پیش کرتے ہیں۔

وہ حسینؑ کہ جس نے علیؑ کے پہلو میں اور زہراؑ کی گود میں تربیت پائی اور جس نے اپنے نانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ دور بھی دیکھا اور درسگاہ نبوت کے سائے میں رہے اور ان کا خاندان ایسے انسانوں کا خاندان تھا جو مادی حکومت و ریاست طلبی کا سخت مخالف رہتے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لیے جد و جہد کرتا رہا تھا۔ تو پھر کس طرح حسینؑ دنیوی حکومت کے لیے جنگ کرتے ــــــــ؟

مختصر یہ کہ حسینؑ کا خاندان، ان کی سیرت ــــ اور ــــ واقعۂ کربلا میں ان کا کردار ــــــ ان میں سے کوئی چیز واقعہ کربلا کی اس تفسیر سے مطابقت نہیں رکھتی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ــــ حسینؑ نے خلافت و سلطنت کے لیے جنگ کی ہے ــــ اور ــــ بلاخوف تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ:

حسین کی تحریک کا بنیادی عامل اور اصل محرک خلافت و حکومت کی محبت اور اس کا حصول نہیں تھا۔ ان پر جو کچھ کربلا میں گزرا اور انھوں نے جس فداکاری کا مظاہرہ کیا اس کی اتنی سادہ مادی تفسیر نہیں کی جا سکتی۔

ان سوالوں کا جواب کیا ہے؟

اوپر ہم نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کا جواب کیا ہے؟ حسینؑ کو جب معلوم تھا کہ حالات بہت ہی نازک اور خطرناک ہیں تو پھر انھوں نے کیوں اس مہم کا آغاز کیا؟ انھوں نے دوستوں کے مشوروں اور تجاویز کو کیوں قبول

نہیں کیا ــــــــ؟

ہر شخص نے حسینؑ پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ:

اس تحریک کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو شدید خطرات لاحق ہوں گے

لیکن وہ کون سا بڑا مقصد تھا کہ حسینؑ نے تمام مشوروں کو نظرانداز کر کے اسے پورا کرنے کی ٹھان لی تھی اور جس سے کوئی دوسرا واقف نہیں تھا۔ حسینؑ نے خود اس سوال کا صاف صاف جواب کیوں نہیں دیا ــــ؟ اور جو لوگ ان کے اس سفر کے بارے میں خطرات ظاہر کر رہے تھے اور سوالات کر رہے تھے حسینؑ کیوں ان کے جواب میں کوئی تشنہ جواب دیتے تھے ــــــ؟

مختلف روایتوں کے مطابق کسی سے آپ نے کہا:

"میں ابھی غور کر رہا ہوں۔ بعد میں تمھیں کوئی بات بتا سکوں گا۔"

کسی دوسرے شخص سے آپ نے کہا:

"میں نے خواب دیکھا ہے، میرے نانا نے مجھے فرمایا ہے کہ تم عراق جاؤ۔ خدا تمھیں شہید اور تمھارے بیوی بچوں کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔"

یہ بڑی عجیب بات ہے اسلام میں خواب کی اس قدر اہمیت نہیں ہے اور وہ بھی ایک ایسے معاملہ میں جس سے ایک پوری جماعت کی زندگیاں وابستہ ہیں۔ کیا ایک ایسے اہم معاملہ میں حسین ابن علیؑ کسی خواب پر تکیہ کر سکتے تھے ــــــ؟

یہ کتنی حیرت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کسی پر معمولی سا بھی ظلم کیا جائے۔ وہ کس طرح یہ چاہ سکتا ہے کہ حسینؑ جیسی شخصیت اور اس کے ساتھی ہلاک ہو جائیں اور بیوی بچے قید ہو جائیں۔

حسینؑ کی طرف سے مختلف قسم کے تشنہ جواب اگر دیے گئے تھے تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ سوالات کا اصل جواب سوال کرنے والوں کے لیے قابل ہضم نہیں تھا اور صورت حال کو اچھی طرح سمجھنا ان لوگوں کے لیے مشکل تھا۔ اس لیے حسینؑ نے ہر ایک کی فہم کے مطابق جوابات دیے۔

اصل جواب حسینؑ کے ان کلمات کے درمیان نظر آتا ہے جو انھوں نے لوگوں سے ملاقات اور سوالات کے دوران ادا کیے تھے۔

قبل اس کے کہ ہم حسینؑ کے مختلف کلمات سے اس تحریک کے بنیادی عامل اور اصل محرک کا پتہ چلائیں ایک دوسرے جواب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی جواب کو اولین نقطہ کے مساوی حیثیت حاصل ہے۔

حسینؑ اور نانا کی گنہ گار امت

اصل مقصد کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ:

> "حسینؑ ابن علیؑ اپنے نانا کی گناہگار امت کے لیے قتل ہوئے۔ انھوں نے اس لیے جام شہادت نوش کیا اور اپنے بیوی بچوں کو قید کرایا کہ آپ کے نانا کے پیروکار بخشے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قصوروں اور گناہوں کو معاف فرما دے، وہ اس لیے قتل

> ہوئے کہ گناہگار امتِ محمدیہ جنت میں داخل ہو سکے۔"

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسین ابن علیؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ کلمات فرمائے تھے:

> "اے اللہ! میں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اب تو بھی اپنا وعدہ پورا کر۔ میں نے عہد کیا تھا اپنے ساتھیوں کو تیری راہ میں دے دوں۔ میں نے انھیں قربان کر دیا۔ میں نے عہد کیا تھا اپنے بیٹے اور بھائی کی جانوں کی نذر پیش کر دوں۔ وہ بھی میں نے پیش کر دی۔ بیوی بچوں کو بھی میں نے تیری راہ میں دے دیا۔ تو نے بھی میرے نانا کی گنہگار امت کو بخشش دینے کا جو قول دیا تھا اسے پورا فرما دے۔"

کہتے ہیں حسین ابن علیؑ اس لیے قتل ہوئے کہ ان کے دوست ایک قطرۂ اشک ہی بہا لیں اور دوزخ سے نجات کا فرمان حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص حسینؑ کے غم میں گریہ کرے اور مکھی کے پر کے برابر بھی اس کی آنکھیں نم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ صحرا کی ریت کے یا درختوں کے پتوں کے برابر ہوں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حسین ابن علیؑ روز قیامت شفیع بن کر کھڑے ہوں گے ان کی شہادت گناہوں کی بخشش اور نجات کا سبب ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے :

"اے شیعہ! تو گناہ کے طوفان کا غم کیوں کرتا ہے
جب کہ حسینؑ تیرے لیے سفینۂ نجات ہیں"۔[1]

خوش قسمتی سے ان بے بنیاد باتوں کا جواب پوری طرح واضح ہے اس لیے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اگر یہ درست ہے کہ حسین بن علیؑ گناہگاروں کے لیے ہلاک ہوئے اور وہ بھی اس وسعت کے ساتھ کہ مکھی کے پر برابر بھی آنکھیں نم ہو جائیں تو سارے گناہ بخشے جائیں، تو کیا نعوذ باللہ حسینؑ گناہ گاروں کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہیں؟ اور کیا وہ گناہ و معصیت کے فروغ کا سبب بنے ہیں؟ گناہ خواہ کتنے بھی زیادہ ہوں ایک قطرۂ اشک پر بخش دیے جائیں۔ تو پھر گناہوں کا ارتکاب بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں سیاست کے ہاتھوں نے اپنے

---

[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان باتوں کا اس سوال سے تعلق نہیں ہے جو حسینؑ کی تحریک کے اصل محرک کے بارے میں کیا گیا ہے، بحث کربلا کے اصل اسباب کے بارے میں شروع ہوئی تھی نہ کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج اور فوائد کے بارے میں۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ہر کام کا اصل محرک اس کے آخری نتائج ہی ہوتے ہیں اور انسان ان ہی نتائج کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ تو کیا اس بنا پر حسینؑ کی جدوجہد کا نتیجہ صرف یہ مجلسیں، یہ گریہ وزاری اور اس کے ذریعے نجات حاصل کرنا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کیا تحریکِ حسینیؑ کا محرک بس یہی چیزیں رہی ہیں حالانکہ ہماری نظر میں یہ نتائج جس قدر بھی ہیں قدرتی ہیں نہ کہ تحریک کے محرک اور عامل۔

مقاصد پورے کرنے کے لیے گھڑی ہیں تاکہ لوگ حسینؑ کے اصل ہدف کو بھول جائیں اور ان کے دماغ میں حسینؑ کے انکار کو کوئی جگہ نہ مل سکے اور اس طرح وہ ظالموں کے لیے نرم چارہ بنے رہیں۔

حسینؑ کے آخری لمحات میں ان کے پاس شمر کے سوا اور کون تھا کہ وہ ان کے اور خدا کے درمیان ہونے والے عہد کی بات سن سکتا۔

کیا شمر نے حسین کے یہ کلمات ہمارے لیے نقل کیے تھے یا یہ ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے ہیں جنھوں نے ایسے کئی شمر تیار کر رکھے تھے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حسینؑ پر کچھ رو لیا، دوزخ سے آزادی کا فرمان حاصل کر لیا ــــــ اور ــــــ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گئے۔

یہ دنیا سر تا سر حساب ہی ہے اور ایسا دقیق حساب کہ وہ ایک ذرہ برابر گناہ یا نیکی کو نہیں چھوڑتا۔ تو پھر کس طرح ایک پہاڑ ایک تنکے کے بدلے بخش دیا جائے گا۔ اور لوگ بغیر حساب جنت میں چلے جائیں گے۔[1]

ایک عمر تو گزار دی بغاوت میں ــــــ مردم آزاری میں ــــــ لوگوں کا حق غصب کرنے میں ــــــ مال لوٹنے میں ــــــ اور ہر طرح کے گناہوں اور معصیتوں میں ــــــ اس کے بعد بس ایک آنسو بہا لیا اور سب کچھ دھل گیا ــــــ کیا یہ بات کسی اعتبار سے بھی قابلِ قبول ہے؟

---

[1] قیامت کے دن حساب کا مسئلہ بڑا مفصل ہے اس کی حقیقت اور مطلب کو اپنی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ اگر بعض مستفد روایات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بغیر حساب کے جنت یا دوزخ میں داخل ہوں گے تو اس سے حساب کے ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ حساب کے نہ ہونے کا۔

کیا اسلام مسیحیت ہے کہ لوگوں کو بپتسمہ دیں اور پھر بے بنیاد باتوں اور خرافات کا سہارا لے کر ان کی تمام لغزشوں اور اعمالِ بد کو بخش دیں۔؟

کیا اسلام کا مقدس آئین آج مسیحیت کی طرح اسی طرح کے حالات میں زندہ ہے کہ بداعمال افراد کے سخت ترین گناہوں کو لوگ بخش دیتے ہیں اور تھوڑے سے فائدہ کی خاطر بڑے سے بڑے مجرم کو بہشت میں بھیج دیتے ہیں۔

اسلام میں بہشت وسعادت کی راہ بالکل واضح اور روشن ہے گریہ وزاری اور داد و فریاد سے سعادت اور بہشتِ جاوداں حاصل نہیں کی جاسکتی۔

اسلام میں ہر گناہ کی توبہ استغفر اللہ کہنا نہیں ہے۔ مالی معاملات استغفر اللہ کہنے سے درست نہیں ہوتے۔ وقف کا مال کھانے، لوگوں کا حق مارنے، دوسروں کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے یہ سارے بدترین گناہ صرف کلمہ استغفار پڑھ دینے سے نہیں بخشے جاتے۔

بندگی کے معاملات بھی استغفر اللہ سے درست نہیں ہوتے نمازوں کی قضا پڑھنی چاہیے، روزے رکھنے چاہئیں۔ حج کا فریضہ انجام دینا چاہیے، واجبات الٰہی ادا کرنے چاہئیں تاکہ حسینؑ اور حسینؑ پر گریہ کوئی نتیجہ دے سکے۔

آخر یہ کیسے مسخرہ پن کی بات ہے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے:

"گریہ سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اور حسینؑ
گریہ کے لیے ہی قتل ہوئے۔"

حسینؑ پر اور ان کے ساتھیوں پر گریہ کے ثواب کے بارے میں جو کچھ

معتبر روایات میں آیا ہے وہ لوگوں کی توبہ اور بپتسمہ کے لیے نہیں ہے بلکہ مجالس حسینی میں شرکت کا شوق دلانے کے لیے ہے کہ لوگ اس الم انگیز واقعہ کو فراموش نہ کریں، حسینؑ کے مقدس اور بلند ہدف سے آشنا ہوں، اسلام کی روح کو سمجھیں اور اس کے فروغ کے لیے کام کریں۔

ایسی روایات جو اسلام کے اعتقادی اصولوں اور عقل کے مطابق نہ ہوں قبول نہیں کی جاسکتیں۔ اگر ایسی روایات بعض مواقع پر معتبر بھی شمار کی گئی ہوں تو یقیناً ان کی توجیہ وتعبیر کی جانی چاہیے۔

یہ جواب خام ناقابل قبول ہے کہ حسینؑ گریہ کرنے اور جنتی بن جانے کے لیے قتل ہوئے۔ یعنی ان کی تحریک اور مہم کا اصل محرک مجلسیں برپا کروانا تھا جن میں بجز گریہ وزاری اور اس کے ذریعہ جنتی بن جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ صحیح ہے کہ حسینؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے شہید ہوئے۔ یہ بھی درست ہے کہ حسین ابن علیؑ نے لوگوں کو جنتی بنانے کے لیے قیام کیا تھا۔ لیکن گریہ وزاری کے راستے سے نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام شفیع ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جنھوں نے صرف گریہ کیا ہے یا فقط مجالس عزا کا اہتمام کیا یا صرف نذر و نیاز کی[1]

یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علیؑ سفینۂ نجات ہیں۔ صرف حسینؑ ہی نہیں

---

[1] شفاعت کی بحث خاص و عام نقطۂ نظر سے بہت مبسوط اور مفصل ہے اس کے لیے تفسیر المیزان سے رجوع کریں۔

بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا خاندان کشتیٔ نجات ہے[1] لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جنھوں نے نافرمانی میں ایک عمر گزار دی اور صرف شیعۂ حسین اور پیرو ہونے کی بنا پر نجات کے منتظر ہیں۔

حسین ابن علیؑ شہید ہوئے تاکہ لوگوں کو جنت کا راستہ دکھائیں اور راہِ سعادت کی جانب ان کی راہنمائی کریں۔ حسین ابن علیؑ نے یزید اور یزیدیوں سے اس لیے جنگ کی اور قتل ہوئے تاکہ شراب خواری، قمار بازی، جنسی بے راہ روی، مردم آزاری، ظلم، بیت المال میں بے حساب خرد برد اور لوگوں کا مال کھانے کا اور ایسے تمام جہنمی اعمال کا سدباب ہو سکے۔

قیامِ حسینؑ کی دلیل

گزشتہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے ایسے مضامین بھی بیان کیے گئے جو قابلِ ذکر و بحث نہیں تھے۔ اب اصل اور بنیادی جواب کی جانب توجہ دیتے ہوئے ہم حسین کے قیام اور تحریک کے اصل محرک کی تشریح کرتے ہیں۔

مردانِ حق اور کامل انسانوں کے نقطۂ نظر سے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات سخت پریشان کن تھے۔ اسلامی حکومت نے بدترین طرزِ عمل اختیار کر رکھا تھا۔ اور وہ نہایت قابلِ اعتراض کام انجام دے رہی تھی۔

---

[1] ایک مشہور حدیثِ نبویؐ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے اہل بیت سفینۂ نوح کی مانند ہیں جو اس میں سوار ہوا نجات پائی اور جس نے اس سے منہ پھیرا وہ غرق ہو گیا۔"

ایک ایسا شخص خلیفۂ وقت بن بیٹھا تھا جو لوگوں میں سب سے زیادہ بدخو، قمار باز، باغی اور شرابی تھا۔ اخلاقی و اسلامی پابندیوں سے آزاد، دنیا پرست، عیاش اور خلافِ شریعت اعمال و افعال میں ملوث تھا۔ خود کو خلیفۃ المسلمین کہتا تھا، اسلام اور اسلامی مقدسات سے اسے کوئی وابستگی نہیں تھی۔ اسلام اور خلافتِ اسلامی کو ایک مادی حکومت اور دنیوی سلطنت سمجھ کر وہ امورِ مملکت انجام دے رہا تھا۔

وہ باغی، نشہ باز و عیاش شخص کہتا تھا:

لعبت هاشم بالملك فلا
خبر جاء ولا وحي نزل[2]

ایک ایسا شخص اقتدار پر قابض ہو گیا تھا جس نے پیغمبرِ اسلام کو تو قبول نہیں کیا تھا البتہ آپ کی نیابت کی مسند پر بیٹھ گیا تھا اور اپنے باپ کی حکومت کے عوام فریب طریقوں پر چل رہا تھا۔

انسانی زندگی پستی میں گر رہی تھی۔ فکر و دانش کمزور ہو چکی تھی، افراد اپنی شخصیت اور استقلال سے محروم ہو چکے تھے۔ جو شخص جہاں بھی تھا سخت کچلا ہوا اور پسا ہوا تھا اور وہ اپنا سر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ہر طرف خوف و سراسیمگی اور وحشت و دہشت کا ماحول تھا۔

خطرناک اور دنیا پرست لوگ مرکز کے ایما پر تمام صوبوں اور شہروں میں مسلمانوں پر مسلط ہو گئے تھے۔

---

[2] بنی ہاشم نے سلطنت کو کھیل بنا لیا ہے ورنہ نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔

حکومت سے وابستہ افراد عام طور پر یزید کے سے اطوار رکھنے والے اس کے ہم فکر اور ہم مسلک تھے۔

کیا ان حالات میں حسینؑ اور حسینؑ جیسے لوگ خاموش بیٹھے رہ سکتے تھے؟!

کیا یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹھے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ اسلام جو اس قدر تکالیف اور محنت کے ساتھ اور اتنی قربانیوں کے ساتھ پھیلا تھا اور نافذ ہوا تھا وہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کرنے والے ایک شخص کے ہاتھوں زوال پذیر ہو جائے اور اس کی وجہ سے موجودہ اور آئندہ نسل کے ہزاروں انسان گمراہ ہو جائیں، اس عالم میں سکوت اختیار کرنا ناممکن تھا۔ حسینؑ اور حسینؑ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ان حالات میں خاموشی ایک بڑا گناہ تھی ؎

اگر دیدی کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینی گناہ است

"اگر تو دیکھے کہ کسی نابینا کی راہ میں کنواں ہے اور خاموش بیٹھا رہے تو یہ گناہ ہے۔"

ایک نکتہ

یہ بات درست ہے کہ یزید برسرِ اقتدار آنے سے پہلے ہی بے راہ رویوں کا شکار تھا۔ شراب و معشوق کو اس نے ترک نہیں کیا تھا اور شعر و شراب اس کے منہ سے نہیں چھوٹے تھے۔ لیکن یہاں ایک بڑا حساس نکتہ ہے جس پر غور ہونا چاہیے کیونکہ ساری چیخ و پکار اسی نکتے سے وابستہ رہی ہے۔ حسین ابن علیؑ کا اصل محرک بھی ایک موضوع تھا۔ حسینؑ کے قیام اور ان کی لڑائی کا بنیادی محرک یہی تھا

اور واقعہ کربلا کے پیش آنے کی کامل دلیل اسی ایک نکتہ میں پوشیدہ ہے اور وہ اسلامی قانون کی اہمیت، اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کا نکتہ ہے۔

دو قسم کے گنہگاروں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ایک گنہگار وہ ہے جو اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے:

"نفسانیت مجھ پر غالب آگئی اور حالات نے میری مدد کی اور اب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

اس کے برعکس دوسرا گنہگار ہٹ دھرمی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتا ہے:

"یہ گناہ کیا چیز ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟"

وہ اپنے کیے کو جائز اور درست کہتا ہے اور اس قانون کو جس کی رو سے وہ گناہگار قرار پاتا ہے پرانا اور قدیم کہہ کر نہیں مانتا۔ وہ اپنے عمل کو باعثِ ثواب بلکہ سعادت اور خوش بختی تک پہنچنے کا ضروری اور قریبی راستہ سمجھتا ہے۔

یزید اگر اپنی خلافت سے پہلے شراب پیتا تھا، جوا کھیلتا تھا، جنسی بے راہ روی کا شکار تھا اور بیت المال کے وسائل میں خرد برد کرتا تھا تو اس کا یہ کام ایک ایسے عام مسلمان کی حیثیت سے تھا جو معاویہ کی حکومت سے تعلق رکھتا تھا اور وہ معاویہ کا نورِ چشم تھا جو باپ کے دربار سے ناجائز استفادہ کرتا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں اس کی یہ خلاف ورزیاں معمولی نوعیت کی شمار ہوتی تھیں اور قانونی نقطہ نظر سے قانون کا احترام پوری طرح محفوظ سمجھا جا رہا تھا[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے)

لیکن آج خلیفہ کی حیثیت سے پیغمبرؐ کے جانشین اور مسلمانوں کے رہبر کی حیثیت سے بھی وہ ان تمام غلط کاموں کو جاری رکھنا چاہتا تھا اور وہ بھی دربار خلافت میں۔

اگر مملکتِ اسلامی کا مردِ اول خلیفہ اور مسلمانوں کا رہبر، علی الاعلان اسلامی مقدسات کو پس پشت ڈال دے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کا کیا حال ہونا چاہئیے یہ بالکل ظاہر ہے۔ اگر یزید اپنے دربار میں اسلام کے اصولوں کو پامال کرے تو حکام و گورنروں کی کیا حالت ہو گی —— ؟ یہ بھی واضح ہے۔

اگر مملکت کے سربراہ خلافِ اسلام اعمال کے مرتکب ہوں تو عوام کا کیا عالم ہوگا ؟

بالآخر غلط کام اسی صورت میں انجام پاتے رہیں۔ اس پر ایک مدت گزر جائے اور کوئی مخالفت نہ اٹھے تو پھر ان کاموں کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور حکومت کے سربراہوں کی خواہشات کی تکمیل کی خاطر تمام اسلامی مقدسات کا احترام یکے بعد دیگرے ختم ہونے لگتا ہے۔ اور اسلام اور قوانینِ اسلامی کی جگہ ان کا کردار اور ان کا طرزِ عمل لے لیتا ہے۔

حسینؑ کے ارشاد کے مطابق :

"فعلی الاسلام السلام" :

"اگر ایسا ہے تو پھر اسلام کا خدا حافظ"

(گزشتہ صفحہ کا حاشیہ) ان باتوں کا علم بزرگ شخصیتوں اور گورنروں کی اس بات چیت سے ہوتا ہے جو یزید کی ولی عہدی کے بارے میں معاویہ سے ہوتی رہی۔

اسلام مسیحیت نہیں ہے کہ سربراہانِ مملکت کے مقاصد پورے کرنے اور ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے آسمانی کتابوں میں تحریف کرکے الٰہی قوانین کو بدل دیا جائے۔

یہ مسیحیت اور اس کے باطل پیشوا تھے جو چند روزہ دنیوی زندگی حصول زر اور درباروں کی خوشنودی کی خاطر نہایت بے شرمی کے ساتھ شراب خواری، عشق بازی اور ان جیسے اعمالِ فاسدہ کو انبیا اور پیغمبرانِ خدا سے منسوب کرتے تھے تاکہ اپنے وقت کے سلاطین اور بادشاہوں کی بداعمالیوں کو درست قرار دے سکیں اور ان کے انحرافات کو مذہب کے مطابق بتا سکیں۔

خلیفہ اور نظامِ خلافت سے وابستہ افراد کے عمل کو لوگ ایک صحیح اسلامی عمل سمجھتے ہیں۔ جب لوگ مملکت کے ظالم سرداروں کی پیروی کریں گے اور سردار یزید کی پیروی کرتے ہوئے اس طرح کے انحرافات کے مرتکب ہوں گے اور وہ مسلّمہ اسلامی اصولوں اور احکام اسلام کے ساتھ کھیلنا شروع کر دیں گے تو پھر اسلام اور اسلامی ضوابط کا کیا حشر ہوگا ؟

کیا اس کے بعد تباہی کے سوا اور کوئی راستہ باقی رہے گا ؟ نیست و نابود ہو جانے کے سوا کوئی راہ باقی رہے گی ؟

ان حالات میں کیا حسینؑ اور حسینؑ جیسے لوگ خاموش بیٹھ سکتے ہیں ؟ کیا ان کے لیے ممکن ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے سقوط کو بیٹھے دیکھتے رہیں ؟ —— نعوذ باللہ۔ ان حالات میں قیام کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اور مقابلہ کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہی تھی۔

یہ تھا قیام حسینؑ کا راز اور اصل سبب۔ حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو سقوط سے بچایا جا سکے۔ انھوں نے مقابلہ کیا تاکہ اسلامی

قوانین محفوظ رہ سکیں حسین ابن علیؑ اٹھے تاکہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ شراب خواری اور قمار بازی اسلام میں جائز ہے ۔ وہ جنسی بے راہ روی کو جائز نہ سمجھنے لگیں اور یہ نہ کہنے لگیں کہ اس سے اسلام میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ۔ کیونکہ ان کے حکمران خود ان چیزوں کو روا رکھتے ہیں ۔

حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ ہر روز ایک نیا رہبر اٹھ کر اپنی خواہش کے مطابق اسلامی اصولوں کے ساتھ کھیلنا شروع نہ کر دے اور دین خدا کو زیر و زبر کرنے کی کوشش نہ کرنے لگے ۔

حسین ابن علیؑ میدان میں آئے تاکہ دنیا یہ کہہ سکے کہ جو لوگ اسلامی قوانین کے پابند نہیں ہیں انھیں اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ———!

حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ دنیا یہ کہہ سکے کہ مسلمانوں کا رہبر ان کا خلیفہ اور پیشوا ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جو صدق صد اسلامی احکام اور مقدسات کی پابندی کرے ۔

باپ اور بیٹے کی حکومت کا فرق

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے ۔ یہ انحرافات معاویہ کے زمانے ہی سے اسلام اور مسلمانوں پر شدید ہوتے چلے گئے تھے اور علی ابن ابیطالبؑ کی شہادت کے بعد سقوط کا خطرہ پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا ۔ اور اس حد تک ظاہر ہو گیا تھا کہ تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے خصوصاً اس وقت جب یزید کی ولی عہدی کی تجویز سامنے آئی اور معاویہ کا اسلامی اصولوں سے انحراف اور اس کے سخت اقدامات ایک ڈکٹیٹری کی صورت میں انجام پانے لگے ۔

معاویہ کے آخری دس سالوں میں احکام اسلامی کے سقوط کا خطرہ پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ گیا تھا تو حسین ابن علیؑ نے ان دنوں کیوں سکوت اختیار کیا اور اپنے بھائی حسن بن علیؑ کی شہادت کے بعد کیوں ذرا سی بھی مخالفت ظاہر نہ کی ۔

آخر معاویہ کے زمانے میں بھی حسین ابن علیؑ کے قیام کا محرک موجود تھا اور ان دنوں بھی اسلام اور مسلمانوں کے عمومی حالات یزید کے زمانے سے بہت بہتر نہ تھے اور دونوں کا منصوبہ ایک ہی تھا ۔ بنیادی طور پر امیہ کا خاندان ، ابوسفیان کے بیٹے ایک مرکزی نقطہ سے انحراف کر کے اسلام اور مسلمانوں سے کھیل رہے تھے ۔

تو پھر حسین ابن علیؑ نے معاویہ سے کیوں جنگ نہ کی اور اس کی حکومت کے دوران نہ چاہتے ہوئے بھی کیوں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیے رکھا ۔

ہم نے اس سے پہلے انسانوں کی سرنوشت کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس میں اس سوال کا جواب موجود ہے ۔ یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہم صرف ان باتوں کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے جن سے ان دونوں حکومتوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے ۔

معاویہ کی حکومت مرکزی اعتبار سے بھی اور اس کے کارپردازوں اور حاشیہ نشینوں کے اعتبار سے بھی یزید کی حکومت سے مکمل طور پر فرق رکھتی ہے ۔

معاویہ ایک تجربے کار دھوکے باز سیاستدان تھا اور سیاست کے حیلہ و فن سے واقف تھا اور کاروبار سلطنت کا اسے بڑا پرانا تجربہ تھا اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے اپنا مطیع بنانے میں وہ بڑی مہارت رکھتا تھا لیکن یزید ایک ناتجربہ کار جوان خام تھا جو عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اور وہ ریاست و حکومت کا بھی اسی لیے خواہشمند تھا کہ اپنے مے و معشوق اور شعر و شراب کو

مشغلوں کو بلا روک ٹوک جاری رکھ سکے۔

معاویہ کے درباری و مقربین عمرو بن العاص جیسے لوگ تھے اور سیدانِ سیاست کے سرد و گرم چشیدہ اور پختہ کار تھے ان کی بہت سی صلاحیتوں میں سے کچھ تو معاویہ کے پاس بھی نہ تھیں۔ یہ لوگ اپنی دنیا بنانے کے لیے ہر طریقے اور منصوبے سے کام لیتے تھے۔

لیکن یزید کے حاشیہ نشینوں میں ان جیسا ایک شخص بھی موجود نہیں تھا حکومت کے کارپرداز خود یزید سے بھی زیادہ خام اور ناپختہ تھے۔ وہ اقتدار کے لالچی، حکومت کے آرزومند، خوشامدی، چاپلوس اور ابن الوقت تھے۔

کثیر مالی وسائل جو معاویہ اپنی حکومت کی حفاظت اور اسے قائم رکھنے کے لیے فراہم کرتا تھا اور اہم افراد کو طرح طرح سے رام کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ یزید یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا اور ایسے لوگوں کو راضی کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا جو معاویہ کے ماتحت کام کرنے پر تو آمادہ ہو گئے تھے لیکن یزید کے مطیع بننے کے لیے تیار نہیں تھے۔

سب سے زیادہ اہم بات ملک میں پائی جانے والی ایک عام مایوسی اور انتظار کی کیفیت تھی جو معاویہ کے آخری سالوں کی ڈکٹیٹرشی کی وجہ سے لوگوں میں رونما ہو گئی تھی۔ معاشرہ آہستہ آہستہ بیزار ہو گیا تھا اور تھک گیا تھا اور لوگ دل ہی دل میں یہ کہنے لگے تھے:

"خدایا! یہ حکومت کب ہمارے سروں پر سے
ہٹے گی کہ ہم معاویہ کی خود سرانہ حکومت اور
ڈکٹیٹرشی سے نجات پاکر آرام و سکون حاصل کر
سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہم نے معاویہ کی زندگی کے

دور میں یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا تھا لیکن
خوف اور نیزوں کے دباؤ کے تحت ایسا کیا تھا۔"

لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے حسینؑ کے نمائندہ مسلمؑ کے ہاتھ پر کوفہ میں جو بیعت کی تھی اور یزید کے حکومتی اداروں کی لوگ جو پرواہ نہیں کرتے تھے تو یہ ان کی طرف سے عام ناپسندیدگی کا ایک ثبوت تھا۔

مدینہ اور کوفہ کے گورنروں کی سہل انگاری، مکہ میں حسینؑ کی آمد کا عام لوگوں کی طرف سے حتیٰ کہ گورنر کی طرف سے خیر مقدم، معاویہ کی حکومت کے خلاف عام ناپسندیدگی کی علامت تھا۔

ابن زیاد کے نام مدینہ کے گورنر کا خط بھی جو آپ آگے پڑھیں گے اسی ناپسندیدگی کی دلیل ہے۔

یہ اور ایسی ہی دوسری سینکڑوں باتوں نے حالات کو بدل کر رکھ دیا تھا اور معاویہ کے دورِ حکومت میں حسین نے جو سکوت اختیار کیا تھا اسے یزید کے ساتھ مبارزہ اور جنگ میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس بحث کے آخر میں ہم سیّد کے ارشادات اور مرحوم مجلسی کے نظریے کا خلاصہ پیش کریں گے۔

کتاب تنزیہ الانبیاء کے مصنف سید بزرگوار فرماتے ہیں:

"اگر کوئی کہے حسین ابن علیؑ اپنے بیوی بچوں کے
ساتھ مکہ سے کوفہ کے لیے کیوں روانہ ہوئے
حالانکہ یزید کی جابرانہ حکومت حالات پر مسلط
تھی اور امام حسینؑ کوفہ کے لوگوں کی اس روش
کو دیکھ چکے تھے جو انھوں نے آپ کے والد

اور بھائی کے بارے میں اختیار کی تھی۔"

"حسین ابن علیؑ اپنے تمام دوستوں اور رفیقوں سے مختلف انداز میں کیوں سوچ رہے تھے؟ اور کوفہ جانے کے لیے کیوں آمادہ تھے جبکہ سب اس سفر کو سودمند نہ سمجھ کر انھیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے اور نصیحت کر رہے تھے۔ ابن عباس اور ابن عمر نے تو صراحتاً شہادت کا خطرہ ظاہر کر دیا تھا۔"

"حسین ابن علیؑ کیوں کوفہ کی راہ پر بڑھنا چاہتے تھے جبکہ انھیں مسلمؑ کی شہادت کی خبر مل چکی تھی، اور کوفہ میں رونما ہونے والی آخری بڑی تبدیلی سے وہ واقف ہو چکے تھے۔"

"حسینؑ نے اس بڑے لشکر کا جسے مرکز سے مدد مل رہی تھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

حسینؑ نے کیوں دشمن کی اس پیش کش اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی تجویز کو قبول

نہیں کیا جو کربلا میں پیش کی گئی تھی۔ تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی جانیں محفوظ کر لیتے اور خود کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالتے جبکہ ان کے بھائی امام حسنؑ نے حالات کو مخدوش دیکھ کر ٹکراؤ سے بچتے ہوئے صلح کر لی اور معاویہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ امام حسینؑ نے اس کے برخلاف راستہ کیوں اختیار کیا؟"

ان سوالات کے جواب میں کلی طور پر کہا جا سکتا ہے:

"امام جب بھی یہ اطمینان حاصل کرے کہ قیام اور مبارزہ اس کے حق میں جا سکتا ہے تو وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اس پر عائد کی گئی ہیں اسے یقیناً قیام کرنا چاہیے خواہ کتنی ہی سنگین مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔"

"حسین بن علیؑ نے نہ ابتداءً خود کوفہ کا راستہ اختیار کیا تھا اور نہ کوفیوں کو خط لکھے تھے بلکہ کوفہ کے شرفا و قرا نے معاویہ کے زمانے ہی میں امام حسینؑ کو خطوط لکھے تھے خصوصاً امام حسنؑ کی صلح کے بعد وہ ایک دوسری منطق کے ساتھ بحث کرتے تھے اور امام حسینؑ ان کی بحث کا

ضروری جواب دے دیا کرتے تھے۔ امام حسنؑ
کی شہادت کے بعد ان ہی شخصیتوں نے امام حسینؑ
کو زیادہ خطوط لکھے اور امام آئندہ کسی مناسب موقع
کا وعدہ فرماکر امید دلاتے رہتے کیونکہ معاویہ کا زمانہ
سخت اور عجیب گھٹن لیے ہوئے تھا۔"

معاویہ کی موت کے بعد کوفہ سے آنے والے خطوط
بھی زیادہ ہوگئے اور ان کے لکھنے والوں کی تعداد
بھی بڑھ گئی ان کی عبارتیں بھی زیادہ شدید ہوگئیں۔ ان
لوگوں نے اس قدر اصرار اور تکرار کی کہ امام حسینؑ کو ایک
طرح کا اطمینان ہوگیا اور ان کی دعوت کو قبول کرنا آپ
کے نزدیک فرض عین قرار پایا۔

"خطوط کا انداز اور عام حالات اس طرح کے تھے کہ
امام حسینؑ کو یہ احتمال نہیں ہوا کہ کوفیوں کے درمیان
اس نوع کا اختلاف رونما ہوگا اور معاملہ اس حد تک
پہنچ جائے گا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب مسلمؑ کوفہ
پہنچے تو اکثریت نے باقاعدہ بیعت کرلی تھی۔"

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جس وقت ابن زیاد کوفہ آیا
اور اس نے ضروری اقدامات شروع کیے تو شریک ابن اعور

کی عیادت کے لیے اس کی آمد کے موقع پر اس کو
ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔"

"اگر مسلم وہاں ابن زیاد کو ہلاک کرنے کی کوشش میں
کامیاب ہوجاتے تو بلاتردید یہ بات حسینؑ کے
لیے سودمند ہوتی اور امام بغیر کسی جھجک کے کوفہ
آتے اور وہ تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہوجاتے جو
آپ سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اور آپ کے مددگار
بنے ہوئے تھے۔ اور وہ لوگ بھی جو بظاہر آپ کے
دشمن بنے ہوئے تھے آپ سے آملتے۔"

"لیکن مسلم نے اس منصوبے سے اتفاق نہ کیا اور
جواب میں انھوں نے کہا:
ذلک فتک وان النبی صلی اللہ علیہ
والہ وسلم قال الایمان قید فتک۔
یہ دھوکا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ ایمان دھوکے کے دروازے بند
کردیتا ہے۔"

"مسلم کو یہ بات معلوم ہوگئی تھی کہ ہانی ابن زیاد کی
قید میں چلا گیا ہے اور ایک عام ردعمل کے تحت

خود پر قیاس نہ کرو۔"

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پیغمبر خدا کی طرف سے مامور ہوتے ہیں اور تن تنہا لاکھوں افراد سے جنگ کرتے ہیں اور بت پرستوں کے معبودوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کی راہ و رسم کی مخالفت کرتے ہیں اور اس راستے میں پیش آنے والی تمام زحمتوں اور مشکلات کے مقابل صبر اختیار کرتے ہیں۔ اس کے بعد اعتراض کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔"

"اگر آپ حسین ابن علیؑ کے اس سارے طرزِ عمل پر غور کریں تو بخوبی آپ پر یہ ظاہر ہوگا کہ آپؑ نے خود کو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر فدا کر دیا اور اپنی شہادت کے ذریعہ دولت بنی امیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ظالموں کے کافرانہ اور زندیقانہ رویے کو دنیائے اسلام کے سامنے بے نقاب کر دیا۔"

"اگر حسینؑ موافقت یا سکوت کا رویہ اختیار کرتے تو ان لوگوں کی سلطنت زیادہ مضبوط ہو جاتی اور بتدریج تمام ارکان دین برباد اور ہدایت کے آثار پامال ہو جاتے اور اصل مسئلہ لوگوں پر مشتبہ ہو جاتا

اور وہ بنی امیہ اور یزید کی جابرانہ حکومت کو عین اسلام کے مطابق سمجھنے لگتے۔"

مرحوم مجلسی اپنے ارشادات کو اس طرح بڑھاتے ہیں:

"آپ جانتے ہیں کہ حسین ابن علیؑ مدینے سے باہر نکل گئے تاکہ وہاں شہید نہ کیے جائیں۔ مکے سے بھی باہر چلے گئے۔ جب آپؑ سے لوگوں نے کہا:

عمر بن سعد بن عاص امیر الحاج کے طور پر مکہ آرہا ہے اور اپنے ساتھ یہ خفیہ ہدایت رکھتا ہے کہ اس جمعیت کے ذریعہ جو اس کے ماتحت دی گئی ہے ہر قیمت پر آپ کو گرفتار کرے یا قتل کر دے۔"

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو انھیں سفر کوفہ پر روانہ ہونے سے روک رہے تھے کیا فرمایا:

بھائی میں ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہوں کہ میں جہاں بھی پوشیدہ ہونے کی کوشش کروں گا وہ مجھے باہر کھینچ کرلے آئیں گے اور جب تک میرا خون نہ بہا لیں انھیں چین نہیں آئے گا۔"

"یہ بات بھی بہت واضح ہے کہ اگر حسینؑ ان سے

امن کا معاہدہ کرتے یا بیعت کر لیتے تب بھی وہ آپ
کو آزاد نہ رہنے دیتے ۔ مروان مدینہ کے گورنر سے
کہتا ہے :
حسین کو قتل کرنا ضروری ہے ۔
حالانکہ ابھی آپ کے سامنے بیعت کی پیش کش نہیں
کی گئی تھی ۔ اسی طرح ابن زیاد ہدایت دیتا ہے کہ
حسینؑ کو یہ پیش کش کرو کہ وہ خود کو ہمارے حوالے
کر دیں تاکہ ہم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں
ابن زیاد اور اس کے طرفداروں نے مسلم بن عقیل کو
پہلے امان دی ۔ اور بعد میں انھیں قتل کر دیا ۔ اس
صورت میں حسینؑ کا خود کو حوالے کرنا کوئی معنیٰ
نہیں رکھتا تھا ۔"

"اس کے برعکس معاویہ ان تمام خرابیوں کے باوجود
ایک زیرک ، چالاک اور زمانہ ساز آدمی تھا اور
جانتا تھا کہ ان افراد کو قتل کرنا عام اضطراب کا سبب
بن سکتا ہے اور اس صورت میں لوگ بغاوت
کر کے اس کی حکومت اور ریاست کو ختم کر سکتے ہیں ۔"

اسی لیے معاویہ بظاہر صلح کا رویہ اختیار کرتا تھا ۔
اور امام حسنؑ کے ساتھ اس نے صلح کی — اور

حسین ابن علیؑ پر الزام تراشی سے احتراز کیا ۔"

" وہ اپنے بیٹے یزید سے کہتا تھا :
کہیں ایسا نہ ہو کہ تو حسین کے مقابل آئے اور تیری
سلطنت برباد ہو جائے ۔"

(سید اور مجلسیؒ کی تحریریں یہاں ختم ہوئیں)

معزز قارئین ! اب آپ خود فیصلہ کریں اور دیکھیں کہ حسین بن علیؑ نے
کس مقصد کے لیے قیام کیا تھا ؟ اور وہ کس لیے شہید ہوئے ؟
انھوں نے خدا کے دین کی حفاظت کے لیے قیام کیا تھا اور اسی راہ
میں شہید ہوئے تھے ۔
وہ اس لیے قتل ہوئے کہ یزید اور یزید منش لوگوں کی خراب کاریوں اور
انحرافات کا راستہ روکا جائے ۔ انھوں نے خدا کے دین اور حرمتِ الٰہی کو خطرہ
میں دیکھا اور اسلام اور مسلمانوں کو سقوط سے بچانے کے لیے جدوجہد کی ۔
انھوں نے بڑی باریکی کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایسا اقدام
کیا جو ہر صورت میں نتیجہ بخش ثابت ہو سکے ۔
اب جبکہ قیام اور مبارزۂ حسینیؑ کی اصل علت اور بنیادی دلیل پوری طرح
روشن ہو کر سامنے آ گئی ہے ۔ ہم اس عظیم مہم کے لیے حسینؑ کے لائحۂ عمل پر
نظر ڈالتے ہیں ۔

"ایک بار پھر
دو مخالف سمتوں کے قطب،
ایک دوسرے کے قریب ہو رہے
ہیں ——،
یہ دو متضاد قوتیں ——
ایک نقطہ کی جانب بڑھ رہی ہیں۔
ایک بار پھر ——
حق و باطل —— میدان جنگ
میں اترنے والے ہیں۔
استعمار کے علمبرداروں ——
اور ——
حریت و ایمان کے مجاہدوں کے
درمیان دوبارہ ——
رزم آرائی کے لیے میدان تیار ہو
رہا ہے ——،
تاکہ کئی ہزارویں بار ——
—— پھر یہ ثابت ہو جائے کہ حق و آزادی
فتح مند ہیں اور باطل و استعمار ——
—— شکست خوردہ۔"

قیام حسینؑ کا آغاز ہونا ہے

جیسا کہ ہم نے بتایا۔ حکومتِ معاویہ کا آخری حکم جو روبعمل ہوا اور جس کے بعد معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوا وہ اس کے بیٹے یزید کا اپنی ولیعہدی کی بنا پر زمام حکومت سنبھالنا تھا۔

ایک ایسا جوان جسے حکومت و ریاست کے منصب پر پہنچنے کے لیے معمولی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑی آج وہ برسر اقتدار آگیا تھا اور خود کو ایک بلند مقام پر فائز اور کچھ لوگوں کو اپنے اطراف غلاموں کی طرح حلقہ بگوش دیکھ رہا تھا۔

ایک تیار لشکر، کثیرالوسائل بیت المال، اور وسیع و عریض ملک ایک ناتجربہ کار و ناپختہ جوان کے زیر اختیار آگیا تھا۔

پہلا فرمان جو یزید کے برسر حکومت آنے کے بعد جاری ہوا وہ ایک خط تھا

جو ماہ رجب ۶۰ سنہ ہجری کو مدینہ کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس خط میں معاویہ کی موت اور یزید کے برسر اقتدار آنے کا ذکر کرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے دوسری بار بیعت لی جائے اور مخالفین خصوصاً حسین ابن علیؑ سے موافقت میں رائے حاصل کی جائے۔

مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ نے بڑے احترام کے ساتھ امام حسینؑ کو اپنے پاس بلایا اور معاویہ کی موت کی خبر دی۔ پھر بیعت حاصل کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے اس بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔

حسین ابن علیؑ نے معاویہ کی موت کی خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بیعت کے بارے میں آپ کا ارشاد یہ تھا:

"عام طور پر اس طرح کی بیعت لوگوں کے سامنے اور عام مجمعوں میں لی جاتی ہے نہ کہ خصوصی مجلس میں ـــ"

آپ نے یہ فرمایا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

مروان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے ایک جملہ کہا جس کا مفہوم یہ تھا:

"ولید اسی وقت حسینؑ سے بیعت لینا چاہیے ورنہ ......"

حسین ابن علیؑ نے اس پر برہم ہو کر فوراً کہا:

"تو اور تیرا امیر اس معاملہ میں بہت چھوٹے ہیں کہ میرے قتل کا فیصلہ کر سکیں البتہ تو اپنے باطن اور بدطینتی کا اظہار کر سکتا ہے۔"

یہ جواب دینے کے بعد آپ گورنر ہاؤس سے باہر نکل آئے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دارالامارہ سے باہر نکلتے ہی آپ کی زندگی کا پرسکون اور خاموش لائحہ عمل منقطع ہو گیا۔ فکر و اندیشہ کی ایک دنیا آپ پر کھل گئی۔ اب حسینؑ ان حالات میں جو حکومت کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہو گئے تھے اپنی ذمہ داریوں کے بارے میں سوچنے لگے۔

حسین ابن علیؑ گھر واپس آ گئے لیکن آپ کے چہرہ سے ہی یہ عیاں تھا کہ آپ سخت مضطرب ہیں اور کسی دوسری دنیا کے بارے میں فکر فرما رہے ہیں۔

آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور جو بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا ایک نگاہ میں جان لیتا کہ یہ چہرہ پہلے والا چہرہ نہیں ہے۔ کسی حساس موضوع نے حسینؑ کو اپنی جانب متوجہ کر رکھا ہے۔

حسینؑ اپنے نانا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں داخل ہوتے لوگ آپ کو وہاں تشریف فرما دیکھتے ایسا معلوم ہوتا جیسے آپ اپنے نانا سے کچھ کہہ رہے ہوں ـــ حسینؑ کی حالت دگرگوں ہے؟! یہ حسینؑ وہ حسینؑ نہیں ہے جو پہلے اپنے نانا کی قبر کے پاس نظر آتا تھا۔ پہلے جب حسینؑ کو لوگ دیکھتے تھے وہ ہمیشہ جیسا حسینؑ تھا مطمئن اور پرسکون۔ لیکن آج وہ غم واندوہ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا ہے۔ بے آرامی کا تاثر اس کے چہرے چہرے سے عیاں ہے۔ صاف ظاہر ہے اس کا طائر فکر کسی اور دنیا میں پہنچا ہوا ہے۔

جو بھی اس عالم میں حسینؑ کو دیکھتا، متاثر ہوتا اور آپؑ سے کلام انسان پر رقت طاری کر دیتا۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اکثر تاریخوں میں اس واقعہ کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے کہ ۶۰ھ کے رجب کے ختم ہونے میں تین روز باقی رہ گئے تھے۔

لوگ کہتے :

"اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کا
کیا حال ہے ؟"

فرماتے :

"الحمدللہ ___________ !"

لیکن آواز کے آہنگ سے پتہ چلتا کہ بہت رنجیدہ ہیں۔

"حسین عزیز آپ کو کیا ہوگیا ہے ؟ کیا کوئی نئی بات
پیش آگئی۔؟"

جواب دیتے :

"کوئی نئی بات نہیں ـــ"

لیکن ہر شخص جان رہا تھا کہ کوئی بہت ہی نئی بات پیش آئی ہے۔ حسین ابن علیؑ کیوں بے آرام نہ ہوتے۔ وہ ان لوگوں سے اپنا ہدف نہیں بیان کر سکتے تھے۔ ذمہ داری کا اندرونی احساس انھیں بے چین کیے ہوئے تھا۔ ناگفتنی راز قلب و دل پر دباؤ ڈالتے ہی ہیں۔ اہم اور حساس موضوعات نے ان کے ذہن و فکر کو مصروف کر رکھا تھا۔

حسینؑ دل ہی دل میں سوچتے ہیں۔ معاویہ کے رخصت ہونے اور یزید کے برسرِ اقتدار آنے سے مسلمانوں کی حالت کیا ہو جائے گی۔

کیا یزید کی جدید حکومت کا لائحۂ عمل وہی سیاہ لائحۂ عمل ہوگا جو معاویہ کی حکومت کا تھا؟

کیا یزید اسی قابلِ شرم اور خودسرانہ آمریت کو برقرار رکھنا چاہے گا؟

کیا یزید منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی انھیں خرابیوں کی سرپرستی

کرے گا جو اس میں باپ کے زمانے میں موجود تھیں؟

کیا امورِ خلافتِ اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد بھی یزید قماربازی شراب خوری، جنسی آوارگی اور خلافِ شریعت مشاغل کو ترک نہیں کرے گا۔؟

یا یزید ایک ایسے سمجھ دار، عقلمند اور تجربہ کار انسان کی طرح کام کرے گا جو اپنے باپ کی حکومت کے انحرافات کی تلافی کرے اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے آمریت کو ترک کر کے عام لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس مقصد کے لیے اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کرے۔

اس کے برعکس اگر یزید صرف اپنی دنیا کے لیے کام کرنا چاہتا ہے تو وہ بڑا دنیادار بن کر ماضی کی خرابیوں کا کچھ ازالہ کرتے ہوئے اور اسلام اور مقدساتِ اسلامی کے ساتھ تعلقِ خاطر ظاہر کرتے ہوئے عوام کو اپنے مخلص ہونے کا تاثر دے گا اور اپنے باپ کی سیاست کو اپنائے گا۔

جس قدر میں جانتا ہوں بلکہ اس مملکت کے بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ یزید ایک ناتجربہ کار اور ناپختہ جوان ہے۔ ایک ایسا نوجوان جو اپنے اکثر اوقات شام کے ٹھنڈے اور پرفضا مقامات پر خوبصورت گلوکاراؤں اور فنکاروں کے ساتھ گزارتا رہا ہو کس طرح ذہین اور سمجھ دار سیاست دان بن سکتا ہے۔

مے و معشوق کے ساتھ اس کی دلچسپیاں اس قدر شدید ہیں کہ وہ ان سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ وہ اپنے باپ کے زمانے میں اس قدر اپنی دلچسپیوں میں منہمک رہتا تھا کہ اس کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتا تھا اور معاویہ کے اصرار کے باوجود دربار میں اور سیاسی مجالس میں آمد و رفت نہیں رکھتا تھا۔

اگر محال نہیں تو بہت زیادہ بعید نظر آتا ہے کہ یزید ایک عاقل مرد کی طرح ماضی کی خرابیوں اور انحرافات کی تلافی کرے گا۔

بنی امیہ کے خاندان کی حالت شروع سے لے کر آج تک بخوبی معلوم ہے
یہ ایسے لوگ نہیں ہیں جو اسلام کے خیر خواہ ہوں اور اس کی ترقی کی فکر کریں۔
نہ صرف یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کی ترقی کی کوئی فکر نہیں کی۔ ماضی کے تجربات
کے مطابق ان لوگوں نے دشمنوں اور مخالفوں کی طرح اسلام کو نقصان پہنچایا یہاں
تک کہ معاشرہ ان کو ملزم قرار دے کر ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام
اور اسلامی مناصب انھیں اپنی خدمت کے لیے چاہیے تھے وہ خود اسلام کی خدمت
کے لیے نہیں تھے۔

ان حالات میں اسلامی مقدسات کا کیا حال ہوگا؟ اسلام اور مسلمان
کہاں جائیں گے ـــــ؟ اسلام کس دن کا انتظار کرے گا ـــــ؟

میرے نانا ـــــ میرے باپ ـــــ میری ماں ـــــ اور
میرے بھائی کی محنتوں اور صعوبتوں کے اس ثمر کا مستقبل کیا ہوگا؟

کتنے پاکیزہ لوگ تھے جنھوں نے اپنا خون احکامِ الٰہی کے لیے بہایا، اب
وہ بنی امیہ کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہے۔

سب سے زیادہ فکر کی بات میرے لیے یہ ہے کہ دین کی بنیاد و
اساس کی حفاظت کے لیے میری ذمہ داری کس حد پر پہنچتی ہے؟

اے خدا! کیا میں بیٹھا رہوں اور دیکھتا
رہوں، اسلام اور مسلمان سقوط و زوال کی
راہ پر جا رہے ہیں۔ کیا کل تیری عدالت میں
مجھے جواب نہ دینا ہوگا۔

اے پروردگار! کیا میں قیام کروں ـــــ؟
کیا میں کوئی قدم اٹھاؤں ـــــ؟ کیا

مسلمان میرا ساتھ دیں گے ـــــ یا ـــــ مجھے
تنہا چھوڑ کر خطرات میں جھونک دیں گے ـــــ؟
خطرات کا پیش آنا میرے لیے کوئی اہمیت نہیں
رکھتا، سوال یہ ہے کہ کیا میں اپنا مقصد حاصل
کر سکوں گا ـــــ؟ کیا اسلام اور مقدسات
اسلامی کی طرف بڑھنے والے گناہگاروں کے
ہاتھ کوتاہ ہو سکیں گے ـــــ؟

یہ تھے وہ افکار و خیالات جن میں حسینؑ کے دل و دماغ ڈوبے ہوئے
تھے اور جن کی وجہ سے ان کا چین رخصت ہو چکا تھا۔

حسینؑ عزم کر لیتے ہیں

آخری فکر جس نے حسینؑ کے عزم و ارادے کو یکسوئی دے دی وہ یہ
بحث تھی۔ حسینؑ اپنے آپ سے کہتے ہیں:

"اگر میں مدینہ میں رہتا ہوں اور یزید کی حکومت کے ساتھ
موافقت کرتا ہوں تو میرا یہ عمل اسلام کی بیخ کنی
کے مترادف ہوگا اور میں شریک جرم قرار پاؤں گا
اگر اناج بیچنے والے تاجر اور مزدور نہیں سمجھتے،
اگر صنعت کار و کسان فہم سے عاری ہیں، تاجروں
اور سوداگروں کو احساس نہیں ہے تو کیا ہوا میں
تو اس حقیقت کو جانتا ہوں کہ یزید کی جابرانہ
حکومت اپنے سیاہ کرتوت کے ساتھ اسلام اور

مسلمانوں کو کہاں لے جائے گی۔ میری موافقت ہی
نہیں بلکہ میرا سکوت اور میری خاموشی بھی خطرناک
ثابت ہوگی۔ شام کی حکومت اس فرصت سے
فائدہ اُٹھا کر اپنے شیطانی منصوبوں کو روبعمل لے
آئے گی اگر عوام ان منصوبوں سے بے خبر ہیں،
اگر معاشرہ کا دوسرا اور تیسرا طبقہ ناواقف ہے
اگر عام لوگوں کی فکر و فہم کا استحصال کر کے انھیں
جہالت کے اندھیرے میں دھکیل دیا گیا ہے تو
کیا ہوا۔ میں تو ان تمام باتوں سے بخوبی واقف
ہوں، حالات سے باخبر ہوں کس طرح میں
ظالموں سے موافقت کر لوں اور کیسے سکوت
اختیار کر لوں ؟"

" مخالفت کے سوا میرے لیے کوئی چارہ نہیں ہے
اٹھ کھڑے ہونے کے سوا میرے لیے کوئی راہ
نہیں ہے۔ میرے لیے ضروری ہے کہ میں اپنی
خاموشی کو توڑ دوں۔ مجھے جد و جہد کا آغاز کرنا
ہوگا۔ ان حالات میں موافقت یا سکوت میرے
لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

" دوسری طرف سے یہ بات ظاہر ہے کہ یزید کی حکومت
اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے گی جب تک
کہ میں اس کے لیے میدان نہیں چھوڑتا۔ شام کی

حکومت اپنے مخالفین کے درمیان جس پر سب سے
زیادہ نظر رکھتی ہے وہ صرف میں ہی ہوں۔ وہ میری
سب سے زیادہ نگرانی کرے گی اور مجھے قابو میں
رکھنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میں یہاں رہتا ہوں
اور لڑائی کرتا ہوں تو وہ یقیناً میرا محاصرہ کریں گے
اور مجھ سے سرِ تسلیم خم کرنے کا مطالبہ کرنے کے بعد
مجھے قتل کر دیں گے۔"

" میرا قتل ہونا اتنا اہم نہیں ہے۔ اصل اہمیت انجام
اور نتیجے کی ہے اگر میں یہاں مارا جاؤں گا ایک چھوٹے
سے دائرے کے اندر مسلمانوں کو خبر ہوئے بغیر
میں قتل کر دیا جاؤں گا تو یزید کی وسیع پراپیگنڈہ
مشنری جس طرح چاہے گی میرے طرزِ عمل کو لوگوں
کے سامنے پیش کرے گی اپنی خاص مغالطہ آمیزیوں
کے ساتھ میرے خون کو قدموں تلے روند کر اصل معاملہ کو
عوام کی نظروں سے چھپا دے گی۔ اور کسی دردِ سر کے
بغیر حکومت کے حق بجانب ہونے کے پراپیگنڈے
کو جاری رکھے گی۔"

" شہید اور قتل ہونا اس قدر اہمیت نہیں رکھتا۔ شہادت
سے زیادہ جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ نتیجہ ہے جو
اس بڑی قربانی کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ قتل کرنا
اور قتل ہونا اگر یہ کام سمجھ بوجھ کے ساتھ کیا جائے تو

اسے خدا اور اس کے دین کی خاطر ہونا چاہیے تاکہ وہ نتیجہ بخش اور موثر ہو۔"

• اگر میں یہاں مدینہ ہی میں رہوں اور مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر اسی جگہ سے لڑائی شروع کر دوں تو یقیناً میں مارا جاؤں گا اور حکومت اپنی مرضی کے مطابق دنیائے اسلام کے سامنے میرا کردار رکھے گی۔ بلکہ مجھے اسلام کی ترقی کا مخالف اور دشمن بنا کر سب کے سامنے پیش کرے گی۔"

"اس اعتبار سے میرا مدینہ میں رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میرے لیے ضروری ہے کہ میں مدینہ سے چلا جاؤں۔ اب کہ ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور مدینہ چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر مجھے جلد از جلد مدینہ سے نکل جانا چاہیے۔"

" مدینہ سے مجھے چلے جانا چاہیے لیکن میں کہاں جاؤں ——— ؟ کس طرح جاؤں —— ؟ میں یزید اور اس کی حکومت کے ساتھ موافقت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھ پر بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ میں ان حالات میں قیام اور مبارزہ کو ضروری سمجھتا ہوں۔ لیکن مخالفت اور لڑائی تنہا کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

"پہلے درجے میں اس بات پر مجبور ہوں کہ اپنا

نقطۂ نظر دنیا کے سامنے پیش کروں۔ مسلمانوں کو خبردار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر کل خدا کے حضور مسلمانوں کی کوئی جماعت یہ کہے کہ:

خُداوندا! ہمیں کوئی خبر نہیں تھی ورنہ ہم حسینؑ کا ساتھ دے کر ایک جابر حکومت کو اکھاڑ پھینکتے!

اس وقت میں کیا کہوں گا؟ سب سے پہلے لوگوں کو مطلع کرنا چاہیے...... معاشرہ کو اس سارے معاملہ میں فریق بناؤں تاکہ اس کی ذمہ داری واضح ہو جائے۔ لوگوں کو اطلاع دینے کے بعد ان کی موافقت اور رفاقت کی صورت میں میرا ایک فرض ہوگا اور جب میں بالکل تنہا چھوڑ دیا جاؤں گا تو میری ذمہ داری دوسری ہوگی۔"

• اس بنا پر میرا اس وقت کا فریضہ لوگوں کو بیدار کرنے اور مسلمانوں کو مطلع کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ افسوس کہ اس کام کے لیے میرے پاس وسائل نہیں ہیں۔"

"جس دنیا میں میں زندگی بسر کر رہا ہوں اس میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نہیں ہیں۔ جرائد اور مجلّے نہیں ہیں، چھاپہ خانے نہیں ہیں۔ اگر ہوتے بھی تو میرے اختیار سے باہر ہی ہوتے۔ اس لیے میں مجبور ہوں کہ اس وقت جو بھی وسائل میسر ہیں انھیں کام میں لاؤں۔"

"اگر میں ان موجودہ وسائل کے ساتھ اپنی مہم شروع کروں گا تو جلد ہی حکومت متوجہ ہو کر مجھے گرفتار کرے گی اور اس چھوٹے سے دائرے میں میری جد و جہد کو درمیان ہی میں ختم کر دے گی۔"

"قبل اس کے کہ دنیائے اسلام کو اطلاع ہو سکے میرا حساب صاف کر دیا جائے گا۔ مجھے کوئی ایسا ذریعہ اختیار کرنا چاہیے کہ یزید کی حکومت کے محاصرہ کرنے سے پہلے ہی دنیائے اسلام کو باخبر کر دوں اور لوگوں تک اپنی بات پہنچا دوں۔"

"یہ مہینہ رجب کا مہینہ ہے۔ ماہ ذی الحجہ کے لیے ٹھیک چار ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ ایام حج میں لوگ ملک کے تمام علاقوں سے مکہ آئیں گے اس موقع پر وہاں میں اپنی باتیں لوگوں کے گوش گزار کر کے اپنی مہم شروع کر سکتا ہوں۔ اگر قیام اور مبارزہ کا آغاز مکہ سے ہوا تو پورے عالم اسلام کو اس کی خبر ہو جائے گی۔ پھر کسی کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ اصل مسئلہ پر پردہ ڈال کر میرے بارے میں غلط پروپیگنڈا کر سکے۔ مکہ میں بات کرنے خصوصاً سیاسی مسائل پر زبان کھولنے اور حکومت کی مخالفت میں زبان کھولنے کا مطلب پوری دنیائے اسلام سے بات کرنے اور اسے آگاہ کرنے کے

مترادف ہے۔ موجودہ حالت میں مکہ میں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرنا تبلیغ کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔ ملک بھر سے آئے ہوئے حجاج کو متوجہ کرنا عالم اسلام کو اس معاملہ میں شریک کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔"

"اس لیے میرا مکہ جانا بہت ضروری ہے۔ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مکہ خدا کا حرم اور محترم جگہ ہے اور خاص حالات میں اس میں پناہ لی جا سکتی ہے۔ یہ خصوصیات ملک کے کسی دوسرے علاقے کو حاصل نہیں ہیں۔ مجھے قطعی طور پر مکہ جانا چاہیے .... بس آج یا کل ــــــ قبل اس کے کہ گورنر اور اس سے متعلق ادارے میرے اس عزم سے واقف ہوں مجھے مدینہ سے رخصت ہو جانا چاہیے ــــــ!"

"کیا میں تنہا جاؤں ــــــ یا ــــــ عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے لوں؟ فی الحال کہ میں مکہ ہی تک سفر کر رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ اپنے خاندان کو بھی ساتھ لے چلوں۔"

"اس صورت میں میرا یہ سفر مخفی نہیں رہ سکے گا، اس کی اطلاع پھیل جائے گی لوگ کیوں اور کس لیے

کہ کر اس سفر کے اسباب معلوم کریں گے اور کم و بیش
لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ گورنر کے ساتھ ہماری
بات چیت سازگار نہیں رہی ہے۔ اس بات کے
پھیلنے پر حکومت کا ردعمل کیا ہوگا ———— ؟
ضروری ہے کہ ہمارے کچھ خاص قریبی لوگ یہاں رہیں
اور روزانہ ہونے والی باتیں ہم تک پہنچائیں۔"

اس لیے حسینؑ نے گھر میں قریبی لوگوں کو اپنے اس عزم سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

"میرے لیے اس کے سوا اب کوئی چارہ نہیں ہے
کہ مدینے سے مکہ کو رخصت ہو جاؤں۔ میری یہ مسافرت
ایسی نہیں ہے کہ تم لوگوں کو یہاں چھوڑ دوں۔ آئندہ
میری منزل نامعلوم ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مکہ میں
ہمارا اپنا گھر ہے اور زیارت کے ایام بھی قریب ہیں،
کیا اچھا ہو کہ ہم سب کوچ کی تیاری کریں اور مکہ
روانہ ہو جائیں۔ تم سب جلد تیار ہو جاؤ۔"

اس ارادے سے صرف افرادِ خاندان کو مطلع کیا گیا۔ یہ ایک مخفی اور پوشیدہ بات تھی اس کے باوجود بنی ہاشم کے افرادِ خاندان کے دوسرے لوگ سُن گُن لینے کے بعد امام حسینؑ سے ملاقات کے لیے آنے لگے اور اس سفر کے اسباب معلوم کرنے کے بعد بعض نے اس کی مخالفت کی اور بعض نے موافقت۔

ملاقاتیوں کے درمیان دو آدمی ایسے تھے کہ جن کی گفتگو طویل ہو گئی اور امام حسینؑ

کا ارادہ ان کی سرنوشت پر ایک مستقیم اثر چھوڑ گیا۔

سب سے پہلے محمد بن حنفیہ نے جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ملاقات کی۔ تفصیلی گفتگو کے بعد جب انھوں نے ہمرکاب ہونے کی درخواست کی تو حسینؑ نے فرمایا:

"تم یہیں رہو۔ اور روزانہ کے حالات مجھ تک پہنچانے
کا کام انجام دو۔ میرے نزدیک اس کام کے لیے
تنہا تم ہی میں مطلوبہ صلاحیت موجود ہے۔ اس کام
کے لیے ایک ایسے بیدار اور لائق خبرگزار کی ضرورت
تھی جو مدینہ میں شام کی حکومت اور اس کے اداروں
کے ردعمل اور اسی طرح عوام کے خیالات سے
مجھے آگاہ کر سکے۔ یہ کام تم ہی بہتر طریقے پر انجام دے
سکتے ہو۔ اس لیے تم مدینہ ہی میں رک جاؤ۔

محمد بن حنفیہ کے بعد زینب کبریٰؑ نے ملاقات کی جو حسین کی سب سے بڑی بہن تھیں اور عبداللہ بن جعفر کی شریک حیات تھیں جب انھوں نے محسوس کیا قافلہ حسینیؑ کی روانگی قطعی ہے کوئی شخص حسینؑ کو اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا اس حال میں کہ زینبؑ گلوگیر ہو رہی تھیں انھوں نے کہا:

"میرے عزیز بھائی حسینؑ! یہاں تنہا تم ہی سے میری
دل بستگی تھی۔ نانا، باپ اور ماں بھائی کے
بعد تنہا یادگار تم ہی ہو۔ تمھاری جدائی مجھ پر بہت
گراں گزرے گی کیا میں یہاں رہ کر تمھارے مستقبل
کے بارے میں پریشان اور فکر مند رہوں۔ کیا میں بھی

تمھاری خدمت میں رہ سکتی ہوں ۔ ؟"

"نہیں ، میری بہن نہیں ، یہاں تمھارے شوہر ہیں
تمھارے بچے ہیں ۔ تمھارا گھر بار ہے ۔ تمھارا شوہر
ایک بزرگ اور معروف شخصیت کا مالک ہے ۔
تم پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے ۔ عبداللہ بن جعفر
صاحب اختیار ہیں ۔ تم خود اپنے شوہر سے اس
بارے میں بات کرو ۔ میرے لیے تو اس کے سوا
چارہ نہیں ہے کہ یہاں سے روانہ ہو جاؤں ۔"

عبداللہ بن جعفر نے زینبؑ کو سفر کی اجازت دے دی اور اپنے دو بیٹوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیا ۔

حسین ابن علیؑ نے تیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا ۔ حسینؑ روانگی کے انتظامات میں مصروف تھے کہ آپؑ کو اطلاع دی گئی کہ گورنر نے دوسرے مخالفین کو بھی طلب کیا تھا اور ان کے درمیان بات چیت ہوئی ۔ اور عبداللہ ابن زبیر خفیہ طور پر مکہ روانہ ہو گئے ہیں ۔ حکومت نے ان کے تعاقب میں اپنے آدمی بھیجے ۔ لیکن وہ عام راستے سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے اس لیے تعاقب کرنے والے انھیں نہ پا سکے اور ناکام واپس آ گئے ۔

ابھی روانگی کے لیے چند گھنٹے باقی تھے کہ حسینؑ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، اپنی والدہ اور اپنے بھائی کی قبر کی آخری بار زیارت کے لیے نکلے ۔ مروان نے راستے میں مل کر آپؑ سے کہا :

"میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں ۔ آپ کی دنیوی
اور اخروی فلاح اس بات میں مضمر ہے کہ آپ یزید
کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور خود کو اور دوسروں کو کسی مصیبت
میں نہ ڈالیں ۔"

حسینؑ نے اس جھڑپ پر جو گورنر ہاؤس میں گورنر کے سامنے مروان سے ہوئی تھی یہ کہہ کر ایک اور اضافہ کیا ۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ وعلی
الاسلام السلام ۔"

اگر مروان اس روز حسینؑ کی اس بات کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھ سکا تو کیا ہوا ۔ بعد میں لوگوں نے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا ۔

"اے مروان اگر میں یزید کی منحرف حکومت کے ساتھ
موافقت کروں گا تو پھر اسلام کا نشان باقی نہیں رہے گا
یزید کی مخالفت اگرچہ بڑی مہنگی پڑے گی لیکن ہم خدا کے
لیے ہیں اور خدا کی طرف لوٹ جائیں گے ۔

حسینؑ مدینے سے روانہ ہوتے ہیں

حسین ابن علیؑ اتوار کی شب کو جبکہ ماہ رجب کے ختم ہونے میں دو روز باقی رہ گئے تھے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے اور روانگی کے وقت آپ وہ آیت پڑھ رہے تھے ۔ جس کا تعلق موسیٰ کلیم اللہؑ کے قصے سے ہے ۔

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ
نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۔"

قافلہ رات بھر سفر کرتا رہا۔ اس طرح مدینے سے بہت دور پہنچ گیا۔ افق کی سرخی نمایاں ہوئی۔ آسمان روشن ہونے لگا۔ آفتاب بلند ہوا۔ اقربا میں سے ایک نے آگے بڑھ کر عرض کی۔

"اگر آپ بہتر سمجھیں تو راستے سے ہٹ کر سفر کریں۔ ممکن ہے ابن زبیر کی طرح ہمارا بھی تعاقب کیا جائے اور ہم گرفتار ہو جائیں"۔

بظاہر یہ تجویز اچھی تھی لیکن حسینؑ نے اپنے بلند اور روشن ہدف کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں ہرگز راہ راست سے منحرف نہیں ہوں گا جب تک خدا نہ چاہے (حسین کے چاہنے والے تو راہ راست پر چل۔ خدا تیری حفاظت کرے گا۔ راہ راست پر کوئی گم نہیں ہوتا)"۔

حسینؑ مکہ میں داخل ہوتے ہیں

حسینؑ کے مبارک قافلے نے مدینہ سے مکہ کا راستہ پانچ دن میں طے کر لیا۔ یعنی آپ سنہ ۶۰ھ کے شعبان کی تیسری تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے اس موقع پر یہ آیت آپ کی زبان پر تھی:

"وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ۔"

حسین ابن علیؑ کے مکہ میں آنے کی خبر پھیل گئی۔ تمام لوگ اور معززین آپ سے

ملاقات کے لیے آنے لگے۔ مکہ کے گورنر[1] سے لے کر دوسرے اداروں کے سربراہ اور منتخب شخصیتیں اور معاشرہ کے دوسرے طبقوں کے لوگ آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ——!

لوگوں کی آمد و رفت کا یہ ہنگامہ ختم ہوا۔ اب ملاقاتوں نے عام صورت اختیار کر لی۔ اکثر ملاقاتیوں کی خواہش تھی۔ کہ خلافت کے موضوع پر اور عمومی طور پر سیاسی صورتحال کے بارے میں آپ کا نقطۂ نظر معلوم ہو۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ لوگوں نے حسین ابن علیؑ کے سفر کا پس منظر جان لیا حسینؑ نے مدینہ اس لیے چھوڑا کہ مرکز اور گورنر مدینہ کا مطالبہ آپ کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ اسی مخالفت کی بنا پر آپ مکہ آ گئے۔

بہت جلد یہ خبر پوری مملکت میں پھیل گئی۔ حکومت کے مرکز شام دمشق کو بھی اس کی اطلاع مل گئی اور دوسرے صوبوں کو بھی معلوم ہو گیا۔

یزید کو معلوم ہو گیا کہ حسین ابن علیؑ مخالف ہیں۔ وہ جس طرح اس کی ولیعہدی کے مخالف تھے اسی طرح اس کی سلطنت و حکومت کے بھی مخالف ہیں۔ اس نے اس معاملے کو دربار میں پیش کر دیا اور اپنے مددگاروں سے مشورہ طلب کیا ابتدائی چند دنوں میں جلد بازی کو سود مند نہ سمجھ کر انھوں نے صبر و تحمل کا مشورہ دیا اور کہا

"پہلے حسینؑ کی سرگرمیوں اور مخالفت کی نوعیت معلوم ہونی چاہیے۔ ممکن ہے حسینؑ مکہ میں رہیں اور خاموشی اختیار کریں البتہ ان کا تعاقب یقینی طور پر رد عمل پیدا کرے گا جیسا کہ معاویہ نے اپنی نصیحتوں

---

[1] مکہ کا گورنر عمر بن سعید تھا جو اشدق کے لقب سے معروف تھا۔

میں کہا تھا اگر حسین ابن علیؑ نے خاموشی اختیار کی تو
ہمارے لیے یہ بہت کافی ہے۔ ان کا تعاقب کرنا کسی
طرح بھی ہمارے مفاد میں نہیں ہے۔"

کوفہ میں آزادی کی لہر

اس اثنا میں حسینؑ کے مکہ آنے اور آپ کی طرف سے یزید کی حکومت کی مخالفت کی خبر کوفہ میں پھیل گئی۔ کوفہ پانچ سال تک حضرت علیؑ کی حکومت کا مرکز رہا تھا۔ اور شیعان علی عراق خصوصاً شہر کوفہ میں بہت زیادہ تھے۔ علی کے طرفدار اس وقت کی صورت حال اور حسن بن علیؑ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس سے بھی بہت ناراض تھے۔ انھوں نے وقت کا یہ تقاضا سمجھا کہ حسینؑ کی مدد کے لیے آمادہ ہوں۔ شاید اس طرح وہ معاویہ کے دَور کے مظالم سے اور اس کے بیٹے کے سیاہ منصوبوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

سب سے پہلے یہ خیال جس کے دماغ میں آیا وہ سلیمان صرد تھا۔ اس نے اپنے دوستوں کو دعوت دی اور خاطر تواضع کے بعد حاضرین کی اجازت سے اس نے ایک مختصر سی تقریر کی جو بڑی دانشمندانہ اور پراثر تھی۔

اس تقریر کا ماحصل یہ تھا۔ سلیمان نے خدا کی حمد اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجنے کے بعد یزید کے ساتھ حسینؑ کے اختلاف اور ان کی مکہ روانگی، وہاں قیام اور سیاسی حالات کا کچھ تذکرہ کیا۔ ساتھ ہی معاویہ کی حکومت کے مظالم بھی یاد دلائے۔ آخر میں ایک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

"اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو حسینؑ کو یہاں آنے کی
دعوت دی جائے اور آپ کی مدد کی جائے۔ تاکہ ایک

عادلانہ حکومت کا قیام ممکن ہو سکے۔"

سلیمان کی تقریر کے بعد ایک دوسرا شخص حاضرین میں سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس نے ایک پرجوش تقریر کی۔ اور جذبات کو ابھارنے اور ایک ہیجان پیدا کرنے والی باتیں کیں۔ مقرر نے کہا:

"علیؑ اور ان کے فرزندوں کی محبت ہماری رگوں میں
ماں کے دودھ کے ساتھ داخل ہوئی ہے اور روح
کے ساتھ باہر نکلے گی۔ ہم اپنے خون کے آخری قطرے
تک حسینؑ کی مدد کریں گے۔ اور اپنے آہنی بازوؤں
سے ظالموں اور آمروں کا سر کچل دیں گے۔ حکومتِ
حق کے قیام کی راہ میں جان تو ایک کمترین سرمایہ
ہے جو لٹا دیا جاتا ہے۔ ظالموں کے ساتھ زندگی
بسر کرنا ایک تدریجی موت کے مترادف ہے۔"

مقرر نے کچھ اس طرح کی باتیں کیں۔

اس کے بعد ایک اور شریک مجلس نے اٹھ کر تقریر کی۔ تیسرے مقرر نے اور بھی شعلہ بار تقریر کی۔ پھر مقررین کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ ہر نیا مقرر پہلے مقررین سے زیادہ پرجوش تقریر کرتا۔ (صرف تقریریں)

آخر میں صدر مجلس نے دوبارہ خطاب کیا اور کہا:

"عزیز ساتھیو! یہ میرا گھر ہے۔ یہاں ہم نے نرم و
گرم باتیں کر لی ہیں۔ ہم سب جمع ہیں اور آرام کے ضروری
اسباب مہیا ہیں۔ آپ نے تقریریں کرتے ہوئے بڑے
جوش و جذبے سے کام لیا اور ہر ایک نے بڑی ہیجان انگیز

باتیں کی ہیں۔ اس ماحول میں ایسے پُرجوش فقرے
نفسیاتی اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت نہیں رکھتے ہیں
نے جو تجویز پیش کی ہے وہ کوئی سادہ معاملہ اور مذاق نہیں ہے
یہ کسی عام مہمان یا اہم و محترم شخصیت کی میزبانی کا مسئلہ نہیں ہے
بلکہ ایک بڑی اہم بات ہے۔ کسی خاندان یا قبیلے کے وجود
کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ ایک طاقتور اور مضبوط جڑیں رکھنے
والی حکومت کے ساتھ ٹکر لینے کا معاملہ ہے۔

رفقائے عزیز! آپ میں سے ہر ایک پہلے یہ تصور کرے
کہ وہ میدان جنگ میں دشمن کے طاقتور ہتھیاروں
کے مقابل کھڑا ہے اور پھر بات کرے۔ آپ میدان
جنگ کے مرد ہیں۔ نیزہ، شمشیر، پھانسی اور جلاوطنی
ان سب کا اندازہ کرکے اس مہم میں آپ شامل ہوں
اور عملی اقدامات کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگر اس کے
لیے آپ آمادہ نہیں ہیں تو آپ یہ فرض کرکے خاموش
بیٹھے رہیں کہ آپ کو مخالفتِ حسینی کی ذرا بھی اطلاع
نہیں ہے اور امام حسینؑ کو بلاوجہ یزید کی جابرانہ
حکومت کے چنگل میں نہ پھنسائیے۔[1]

---

[1] یہ جملے اس اصل کی ترجمانی ہیں: فقال سليمان ان معوية قد هلك وان حسيناً قد نقض على القوم بيعته وقد خرج الى مكة و انتم شيعته وشيعة ابيه فان كنتم تعلمون (باقی اگلے صفحہ پر)

کوفے کے سرداروں اور معززین کے دلوں پر ان باتوں سے ایک چوٹ سی لگی
اور انھوں نے کہا:

"جناب سلیمان! آپ نے یہ کہہ کر ہماری اہانت کی ہے
آپ نے ہمیں بزدل اور بے وزن سمجھا۔ اگر ہم نے کچھ کہا
ہے تو خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ شاید ہم آپ سے کچھ
زیادہ ہی علیؑ اور علیؑ کے فرزندوں سے تعلق رکھتے ہیں
اور آپ سے بہتر حسین ابن علیؑ کو چاہتے ہیں۔ اور ہم
ایک عادلانہ حکومت کے قیام اور آمرانہ حکومت کے خاتمے
کے مقصد سے زیادہ دلچسپی اور وابستگی رکھتے ہیں
ہم نے جیسا کہ کہا اپنی جان کی آخری رمق اور خون کا
آخری قطرہ بہانے کے لیے تیار ہیں۔ اب آپ حسینؑ کو
جس طرح کا بھی خط لکھنا چاہیں۔ ہم اس کے لیے
تیار ہیں۔"

کوفہ حسینؑ کو دعوت دیتا ہے

جلسہ ختم ہو گیا۔ بزرگ شیعہ شخصیتوں نے حسین ابن علیؑ کے نام اسی وقت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) انكم ناصروه ومجاهدوا عدوه فاكتبوا اليه۔ وان خفتم الفشل والوهن فلا تغروا الرجل في نفسه قالوا لا بل نقاتل عدوه ونقتل انفسنا دونه ...... الخ بحار نقل از مفید ص ۱۷۵

خطوط لکھے۔

اس جلسے کی اور اس میں شرکت کرنے والوں کی تقاریر کی خبر آہستہ آہستہ پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں کی اکثریت کو یہ تجویز پسند آئی اور ہر شخص نے حسین ؑ ابن علی ؑ کے نام خط لکھ کر اس جدوجہد میں شریک ہونے کی کوشش کی۔ بہت سے دستخطوں کے ساتھ محضر نامے بھی تیار کیے گئے۔ خطوں اور محضر ناموں کا ایک سیلاب امنڈ آیا جس کا رخ مکہ کی طرف تھا۔ لوگوں نے ہر طرح کے خطوط لکھے۔ نہایت مختصر، طویل، زورِ خطابت کے ساتھ، شعروں کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ[1]

ظاہر ہے کہ مرکزی حکومت سے وابستہ لوگ اس موقع پر خاموش نہ رہے انھوں نے گورنر کو اور مرکز کو اس کی رپورٹ کی لیکن اس وقت تک کوئی ردِعمل سامنے نہ آیا۔

حسین ابن علی ؑ مکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات کے مطالعہ میں مصروف تھے اور موجودہ سیاسی صورتحال کی روشنی میں ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی اثنا میں کوفہ سے خطوط پہنچ گئے امام ؑ نے خطوط کا مطالعہ کیا۔ مدینہ و شام سے ملنے والی اطلاعات کو سامنے رکھ کر وہ کوفہ کی تجویز کو پرکھ رہے تھے۔ خطوط بغیر جواب کے پڑے ہوئے تھے اور قاصد جواب لے کر واپسی کے لیے منتظر تھے۔

امام ؑ غور و فکر میں مصروف تھے اور ایسے ممکنہ اقدامات کا جائزہ لے رہے تھے

---

[1] سید کے مطابق کوفے سے ۱۲ ہزار خطوط بھیجے گئے۔ سلیمان، مسیب اور حبیب نے اولین خطوط ارسال کیے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلیمان دوبارہ ان تمام واقعات میں دکھائی نہیں دیے نہ ابن زیاد کے زندان میں نہ اس کے لشکر میں اور نہ ہی حسینی لشکر میں پھر کیوں چھ ماہ بعد توابین کے گروہ میں ان کا نام نظر آتا ہے۔

جو نتیجہ بخش ہو سکیں۔ کون سا اقدام مقصد سے قریب تر اور موثر ثابت ہوگا؟ یہ سوال ان کی فکر کا موضوع بنا ہوا تھا۔

حسین ؑ کا مقصد اور دعوت کا جواب

• کیا میں مکہ میں مقیم رہوں اور ان دنوں جب حج کے مراسم قریب آجائیں اور ملک کے گوشے گوشے سے لوگ یہاں جمع ہو جائیں، مخالفت کا پرچم بلند کرکے لوگوں کو ایک عادلانہ حکومت قائم کرنے کی دعوت دوں۔"

• کیا کوفیوں کی دعوت قبول کرلوں اور اس بنا پر کہ وہاں حالات زیادہ سازگار ہیں، وہیں سے اپنی مہم کا آغاز کروں — یا — ابھی کوفیوں پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ وہ متلون اور رنگ بدلنے والے لوگ ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو انھوں نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا تھا۔"

• کیا دوستوں اور رفیقوں کے مشوروں کو قبول کرکے، اپنی مہم کے لیے عدن یا یمن کے مراکز کو منتخب کروں کیونکہ یہ چھوٹے، پرسکون اور مرکز سے دور

مقامات ہیں۔"

"کیا حکومت شیطانی سیاست سے کام لے گی۔ اور ایسے طریقے اختیار کرے گی جو ہم اخلاقی طور پر استعمال نہیں کر سکتے؟ وہ ہم سب کا محاصرہ کرے گی۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حکومت شام چین سے نہیں بیٹھے گی۔ میں جہاں بھی رہوں گا۔ میرا تعاقب کیا جائے گا۔ اگر میں مملکت کے دور ترین علاقے میں بھی چلا جاؤں تو یزید مجھے وہاں بھی آزاد نہ رہنے دیگا۔"

"میرا تعاقب اور میری گرفتاری اہمیت نہیں رکھتی میرے لیے تو میرا ہدف اور میری کوششوں کا نتیجہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تعاقب اور گرفتاریاں اس طرح ہونی چاہئیں کہ وہ نتیجہ بخش ثابت ہوں اور ہمارے ہدف کو زیادہ سے زیادہ روشن کر سکیں۔"

"ہدف ایک آرام دہ زندگی کا ماحول فراہم کرنا نہیں ہے۔ بہترین آب و ہوا رکھنے والا کوئی علاقہ حاصل کرنا نہیں ہے حکومت اور ریاست کے مرتبہ پر پہنچنا نہیں ہے۔ اگر یہ چیزیں میری جدوجہد کا مقصد

ہوتیں تو میں وہیں مدینہ میں رہتا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے یزید کے ساتھ ایک سادہ سی موافقت کافی تھی۔"

"بہت سے دوست جو باتیں مجھ سے کہتے ہیں اور لکھتے ہیں ان کا محور یہی مادی مقاصد ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی آرام دہ زندگی کی تلاش میں ہوں یا اپنے کچھ تابعدار جمع کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے وہ مجھ سے کہتے ہیں:
فلاں مقام کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے اور آپ کے والد کے دوست بھی وہاں کثرت سے ہیں[1]۔"

"میرے رنج و فکر کا اصل سبب اسلام کے عام حالات ہیں۔ اگر میں بہترین آب و ہوا رکھنے والے اچھے علاقوں میں رہوں اور آرام و راحت کی زندگی گزاروں پھر بھی میں بے چین و بے آرام ہی رہوں گا۔

---

۱ ابن عباس کے نزدیک یمن اس لیے موزوں تھا کہ وہ زیادہ محفوظ جگہ ہے اور وہاں حمایت کرنے والے لوگ بھی ہیں۔ محمد بن حنفیہ مکہ کو ترجیح دیتے تھے۔

"میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ یزید اپنے باپ کی حکومت کی طرح اسلام اور مقدسات اسلامی کا مذاق اُڑائے ______!"

"میں خاموش بیٹھے ہوئے یہ نہیں دیکھ سکتا کہ مسلمان گمراہ ہو کر گروہ در گروہ جہنم کی طرف بڑھیں۔"

"میرا کچھ فرض ہے، میری کوئی ذمہ داری ہے، اگر معاویہ کے زمانے میں میں نے خاموشی اختیار کی تھی تو اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ جدوجہد کا کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔"

"مقصد لوگوں کو بیدار کرنا ہے اور معاشرہ کو جھنجھوڑ کر اٹھانا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو ظالموں اور استبداد کے علمبرداروں کے چنگل سے آزاد کرانا ہے۔"

ظلم اور ستمگری کے محل کو ڈھانے کے لیے میں گھر سے بے گھر ہوا ہوں۔"

"عدل و آزادی کا نظام قائم کرنے کے لیے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔"

"اسلام اور اسلامی اصولوں کو زندہ کرنے کے لیے میں اس شہر میں آیا ہوں۔"

"میں یہاں آیا ہوں تاکہ عالم اسلام سے کہہ سکوں جوا اسلام میں حرام ہے، شراب اسلام میں حرام ہے، جنسی بے راہ روی اسلام میں جائز نہیں ہے، بیت المال میں خورد برد اسلام کے منافی ہے۔"

"میں یہاں یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ قمار بازوں اور شراب خوروں کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

"میں یہاں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ جو لوگ بدکردار ہیں اور عوام کی عزت و ناموس کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں وہ قیادت و حکومت کے بھی لائق نہیں ہیں۔"

"میں عالم اسلام کو یہاں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ جو لوگ بیت المال کے وسائل کو اپنی ذاتی خواہشات کے لیے خرچ کرتے ہیں اور صرف اپنے اقربا اور حاشیہ نشینوں کو عہدے سونپتے ہیں، جب کہ

لوگ افلاس اور بیماری اور سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے مر رہے ہوں۔ حکومت کے سزاوار نہیں ہیں اور اس منصب پر انھوں نے غاصبانہ طور پر قبضہ جما لیا ہے۔"

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ ظالموں اور جابروں کے نظام کو ڈھا کر اور ان کے ظلم وستم کے محلات کو ویران کر کے انصاف اور آزادی کو زندہ کروں۔"

"میں یہاں آیا ہوں صرف اس لیے کہ لوگوں کو ظلم کے چنگل سے نجات دلا کر اسلام کو سقوط سے بچاؤں۔"

"یہ میرے مقاصد ہیں۔ میرے اطراف موجود اکثر لوگوں کو ان مقاصد کا شعور نہیں ہے۔ وہ اس مقدس ہدف کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔"

"وہ نہیں سمجھتے لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے اور میری ذمہ داری کیا ہے؟"

"میرا یہ فرض ہے کہ میں ان مقدس مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انھیں حاصل کرنے کے لیے کسی راہ کا انتخاب کروں — اور کسی نزدیک ترین راستے سے پیشقدمی

کروں، کوئی خواہ کچھ کہے مجھے اپنا یہ فرض پورا کرنا ہے لوگ جس قدر چاہیں امیدیں باندھیں اور انتظار کریں۔ میں اپنا یہ فرض ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"اب جبکہ یہ بہت سے خطوط کوفیوں نے بھیجے ہیں اور ان میں سے اکثر خطوط میں قیامت، عدل الٰہی اور میرے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر توجہ دلائی گئی ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان کو آزمایا جائے۔ اگر ان لوگوں نے اپنے خطوط میں لکھے ہوئے وعدوں کے مطابق ہماری حمایت و موافقت کی تو بہتر ہوگا کہ کوفہ جا کر ہم بساطِ عدل بچھائیں اور ظلم کے ساتھ مقابلہ شروع کریں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس پیش آیا تو پھر ہماری ذمہ داری دوسری ہوگی —"

نمائندہ کا انتخاب
ایک آزمائش

"موجودہ حالات میں کوفیوں کو آزمانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کوئی نمائندہ بھیجا جائے اور ایک خط لکھ کر کوفیوں پر واضح کر دیا جائے کہ ہمارے نمائندے کے ساتھ موافقت یا مخالفت ہمارے ساتھ موافقت و مخالفت کے مترادف ہوگی۔ اس

کے بعد دیکھیں کیا ہوتا ہے ؟

"یہ نمائندہ اور وکیل کیسا آدمی ہونا چاہیے ؟ یہ کوئی چھوٹا اور معمولی کام نہیں ہے۔ یہ حزب مخالف کی رہبری و قیادت کا مسئلہ ہے۔ البتہ دنیا کے نشیب و فراز کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔"

"اس بڑے کام کے لیے کوئی لائق، امانتدار، باایمان اور ثابت قدم آدمی ہونا چاہیے جو روحانی قوت اور کامل شخصیت کا مالک ہو اور ہمارے مکتب تربیتی کے وزن اور وقار کو گرنے نہ دے اور شکست کے مواقع پر بھی ہمارے اخلاقی فضائل کی حفاظت کرتے ہوئے ہمارے موقف کو ٹھیک ٹھیک پیش کر سکے۔"

"میری نظر میں میرے تمام ساتھیوں میں جو شخص اس کام کے لیے موزوں ہو سکتا ہے وہ مسلم ہے۔ مسلم میرا چچازاد بھائی ہے وہ میرا بہنوئی بھی ہے۔ اس کی خاندانی حیثیت پوری طرح روشن ہے۔ اس کی اخلاقی زندگی اور اس کے ایمانی درجات بہت اچھے اور قابل توجہ ہیں۔ تنہا وہی اس میدان کا مرد ثابت ہو سکتا ہے اگر اس کے ساتھ لوگوں نے موافقت کی اور اس نے حالات سازگار دیکھے تو وہ پست ترین لوگوں کے ہاتھوں پر بک کر بغاوت کی راہ اختیار نہیں کرے گا۔ اگر اسے شکست اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ آزادانہ اور مردانہ وار اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔"

ان تفصیلی تیاریوں کے ساتھ جن کا ذکر تاریخ میں درج ہے مسلم کوفہ

جانے کے لیے تیار ہوئے۔ کوفے سے خطوط بھیجنے والوں کا انتظار ختم ہوا۔ تمام خطوط کا جواب چند مختصر فقروں میں دے کر مسلم کے ہاتھ بھیج دیا گیا۔[١]

امام حسینؑ نے کوفہ والوں کو لکھا:[٢]

"خدائے یکتا کے نام سے، یہ حسین ابن علیؑ کا خط ہے عراق کے مومنین اور مسلمین کے نام۔

ہانی اور سعید آخری فرستادے تھے۔ جنھوں نے تمھارے خطوط مجھ تک پہنچائے۔ ان تمام

---

[١] مسلم بن عقیل جو امام حسینؑ کے چچازاد بھائی اور آپ کی بہن رقیہؑ کے شوہر ہیں سنہ ٦٠ھ کے رمضان کی چودھویں تاریخ کو نیابت کا پروانہ لے کر مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔

[٢] ثم کتب مع مسلم بن عقیل : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ عن الحسین بن علی الی السلام من المسلمین والمومنین۔ اما بعد فان هانیاً و سعیداً قدما علی بکتبکم و کانا آخر من قدم علی من رسلکم وقد فهمت کل الذی اقتصصتم و ذکرتم ومقالة جلکم انه لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بك علی الهدی وانا باعث الیکم اخی وابن عمی وثقتی ومن اهل بیتی۔ فان کتب الی انه قد اجمع رای احداثکم وذوی الفضل منکم علی مثل ما قدمت به و رسلکم وتواترت به کتبکم اقدم علیکم وشیکا ان شاء اللہ۔ ولعمری ما الامام الا الحاکم القائم بالقسط الدائن،

سبدین له الحابس نفسه علی ذات اللہ۔ مناقب ص ٨٩۔

حالات سے واقفیت حاصل ہوئی جو ان خطوط میں لکھے گئے۔ تمھاری تحریروں کا ماحصل یہ ہے کہ تم لوگ کوئی لائق رہبر اور امام نہیں رکھتے ہو اس لیے تم نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس قیادت کے ذریعہ ہمیں ہدایت اور اصلاح کی منزل تک پہنچائے۔ فی الحال میں اپنے چچازاد بھائی کو جو قابلِ اعتماد ہے اور میرا ایسا بھائی ہے جو میرے اقربا میں مجھ سے قریب تر ہے تمھارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر انھوں نے لکھا کہ تم لوگوں کے نظریات وہی ہیں جو کہ خطوط میں لکھے گئے ہیں تو میں تمھاری دعوت قبول کرکے تمھارے پاس آؤں گا۔"

بعد میں آپ نے یہ اضافہ بھی فرمایا:

"عراق کے باشندو! میری جان کی قسم، امام اور پیشوا صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود دین کا پابند ہو اور عدالت و انصاف قائم کرے اور خدا کی رضا کے مقابل اپنے نفس کی پیروی نہ کرے"۔[1]

---

[1] امام حسینؑ کے خط کا ترجمہ مطابق نقل کتاب مناقب ص ۸۹

نمائندۂ حسینؑ کوفہ میں

مسلم، امام حسینؑ کے اس خط کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے[1] اور سیدھے مسیب کے لڑکے سالم کے گھر گئے جو حسینؑ کے بزرگ دوستوں میں سے تھے۔ مسلم کے آنے کی خبر بڑی تیزی سے کوفہ میں پھیل گئی۔ حسینؑ کے دوستوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل امام کا خط لے کر آئے ہیں تو انھوں نے مسلم کا بے مثال استقبال کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بڑے اعزاز کے ساتھ مسجد لے گئے۔ روز بروز دوستوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

کوفہ کے گورنر کی طرف سے جو ردِ عمل ظاہر کیا گیا وہ صرف اس قدر تھا کہ اس نے مسجد میں ایک نصیحت آموز تقریر کی اور لوگوں کو حسینؑ و مسلم کی طرفداری سے روکا اور انھیں متنبہ کیا۔

کوفہ سے دو[2] خطوط

کوفہ میں یزید کے خلاف رونما ہونے والی انقلابی صورت حال کے تعلق سے دو خطوط لکھے گئے۔ ایک حسین ابن علیؑ کے نام اور دوسرا یزید ابن معاویہ کے نام۔

مسلم نے حسینؑ کے نام خط میں لکھا:

"کوفہ کے لوگ شدید جذبات و احساسات رکھتے ہیں

---

[1] مسلم بن عقیل سنہ ھ کے شوال کی پانچویں تاریخ کو کوفہ میں داخل ہوئے۔ یعنی ۱۹ روز میں یہ سفر طے ہوا۔

اوران کی بہت بڑی تعداد نے میرے ہاتھ پر بیعت
کی ہے. مناسب یہ ہے کہ آپ کوفہ کے لیے روانہ
ہو جائیں۔"

یزید کے دوستوں نے بھی اسے لکھا:

"حسینؑ کا نمائندہ یہاں آیا اور لوگوں نے اس
کا غیر معمولی استقبال کیا۔ گورنر نعمان بن بشیر ایک کمزور
آدمی ہے یا خود کو اس نے کمزور بنا لیا ہے اور
حسینؑ کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابل سستی اور لاپرواہی
اختیار کرتا ہے۔ اگر عراق پر حکومت چاہتے ہو تو کسی
لائق گورنر کو بھیجو تاکہ وہ حکومت کی باگ ڈور ہاتھ
میں لے کر اس فتنہ کا خاتمہ کر سکے۔"

یہ دو خطوط دو اقدامات کا سبب بن گئے پہلے خط نے حسینؑ کے لیے راستہ کھول دیا اور آپ کے ارادے کو قطعیت حاصل ہو گئی اور دوسرا خط موجودہ گورنر کی معزولی اور دوسرے شخص کے اس کی جگہ مقرر کیے جانے کا سبب بنا۔ پہلے خط نے حسینؑ کے مکہ سے کوچ اور کوفہ کی طرف روانگی کے اسباب فراہم کیے تو دوسرے نے نعمان بن بشیر کو گورنری سے محروم کر دیا اور عبید بن زیاد کی ترقی کے سامان فراہم کر دیے۔ بصرہ کی گورنری کے ساتھ کوفہ کو بھی اس کے دائرۂ اختیار میں دے دیا گیا۔

نمائندۂ حسینؑ کی رپورٹ کا اثر

مسلم کا خط حسین بن علیؑ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اس خط کا بغور مطالعہ کیا

جو باتیں پہلے کوفہ کے لوگوں کے خطوط میں لکھی گئی تھیں اور ان کے قاصدوں کی زبانی سنی گئی تھیں، وہ مسلم کی اس رپورٹ سے مطابقت رکھتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق میں ایک سازگار ماحول میسر آگیا ہے اور کوفہ سے حسینؑ کی تحریک کا آغاز ہو سکتا ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ جو کچھ سنا گیا تھا اور پڑھا گیا تھا اس سے یہی معلوم
ہوتا تھا کہ مبارزۂ حسینی کے لیے زمین سازگار ہے۔ لیکن آئندہ
چل کر اس کا سازگار رہنا یقینی نہیں تھا۔ اس لیے کہ حکومت
کی مشینری خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ کوفہ کے لوگ بھی بہت
زیادہ متلون ہیں اور بہت جلدی اثر قبول کر لیتے ہیں، ممکن
ہے شیطانی سیاست پروپیگنڈہ مشینری سے کام لے کر کوفہ
کے نقشہ ہی کو پلٹ دے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ
ہمیں مسلم کی طرح موافقت میسر آجائے اور ہم ظالم حکومت
سے جنگ کرنے کے قابل ہو جائیں۔

"بہر حال مختلف شہروں سے خصوصاً شام سے اور مرکز سے مجھے
جو اطلاعات مل رہی ہیں اور میرے بارے میں جو فیصلے ہو چکے ہیں
ان کے پیش نظر میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں
مکہ سے روانہ ہو جاؤں۔"

"مجھے یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ حکومت نے دہشت پسندی
کی راہ اختیار کی ہے اور اس نے مقدس ترین مقام پر مجھے قتل کرانے
کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ان افراد کی خدمات حاصل

کی جا رہی ہیں، جو کسی بات کے پابند نہیں اور صرف اس بنا پر مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ انھیں تنخواہ ملتی ہے اور وہ حکومت کے ملازم ہیں۔"

"میرے مقرر کردہ افراد نے مجھے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ حکومت نے اپنے سابقہ انحرافات کے پیچھے چلتے ہوئے اور دوسرے اسلامی قوانین کو پامال کرتے ہوئے، میرے قتل ناگہانی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حکومت سے وابستہ افراد اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ احرام میں اسلحہ چھپا کر حرم میں آئیں گے اور اس بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر خانۂ خدا کی حرمت کو بھی خاک میں ملا دیں گے۔"

آخر یہ کیسی سیاست ہے؟

۔ پروردگار! یہ کون سا مکتب ہے جس میں ان حکومتوں کے رہبروں نے تربیت حاصل کی ہے؟ یہ کون سی سیاست ہے جس سے اس حکومت کے افسر اور حکام ہدایت حاصل کرتے ہیں۔ یہ کیسے اسلامی حکمراں ہیں کہ انھوں نے اسلام اور اسلامی خلافت کے نام پر مسندِ حکومت پر تو قبضہ جما لیا ہے۔ لیکن اسلامی قوانین میں سے کسی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ اسلام کے قطعی ترین احکام کو اپنی ریاست اور حکومت کی خاطر اپنے قدموں تلے روند رہے ہیں۔"

"کیا سیاست کے یہی وہ معنی ہیں جو یزید نے اپنے باپ معاویہ سے سیکھے ہیں ــــــ؟ کیا بنی امیہ کی سیاست کا یہی مطلب ہے کہ اپنی حکومت اور ریاست کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دیا جائے ــــــ پاک ہستیوں کا خون بہایا جائے ــــــ اور ــــــ قطعی قوانین کو توڑا جائے۔"

"کیا یہی وہ سیاست ہے جس کا دنیادار لوگ انتظار کرتے رہے ہیں۔ کیا ہم سب اسی سیاست کی پیروی کریں۔ خدا اس بات سے بچائے کہ ہم اپنی زندگی میں اسلامی اصولوں سے ذرہ برابر بھی انحراف کریں۔

"یہ لوگ وہ ہیں جو دنیا کی خاطر، دنیوی اقتدار کی خاطر ہر انحراف اور بغاوت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور ہر جرم و گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اور اسلامی اصولوں کے خلاف آدم کشی اور خونریزی پر اتر آتے ہیں اور حق و آزادی کے علمبرداروں کو اپنے سے اختلاف کے جرم میں اپنی دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہیں۔

"میرا خانۂ خدا میں ہلاک ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو چیز مجھے بہت زیادہ بے چین کر دیتی ہے ایک اسلامی قانون کی خلاف ورزی ہے ــــــ یہ لوگ تو قرآن اور قرآنی

احکام کو بھی پامال کرنے سے نہیں چوکتے[۱] خانۂ خدا کی حرمت بھی برقرار نہیں رکھتے۔ جو لوگ خدا کے احکام اور آسمانی قانون کا احترام نہیں کرتے۔ وہ خانۂ خدا کا احترام کیا کریں گے۔"

بے وقت روانگی

"میں جانتا ہوں، اگر میں یہیں رہوں تو حالتِ طواف میں بھی یہ مجھے قتل کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ میرے قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اصل اہمیت اس کام کے نتیجہ کی ہے"

"اگر میں یہاں قتل ہو جاؤں اور دنیائے اسلام تک اپنی مخالفت اور اس کے محرکات کی اطلاع نہ پہنچا سکوں تو مقصد فوت ہو جائے گا اور پھر حکومت کو بھی غلط پروپیگنڈا کے ذریعے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ نہ صرف میرا خون بہائے گی بلکہ مجھے فساد پھیلانے والا اور اصلاحات کا مخالف قرار دے گی۔"

"ہم کو اس فرصت سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ کرنی چاہیے اور ایک تیر سے دو نشانے کے محاورے کے مطابق کوفیوں کی دعوت قبول کرکے کوفہ کی راہ پر چل پڑیں اور اعلانِ عام اور لوگوں تک

---

[۱] ومن دخلہ کان آمنا ... الخ سورہ آل عمران - آیہ ۹۱

اپنی بات پہنچانے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کریں کہ لوگوں کی جستجو کی حس تیز ہو جائے۔ اس صورت میں اگر کوفہ کے حالات نے پلٹا بھی کھایا اور حریف کی شیطانی سیاست کوفہ کے اس بہترین موقع کو ہم سے چھیننے میں کامیاب بھی ہو گئی تو ہم اپنا اصل مقصد اور خاطر خواہ نتیجہ حاصل کر چکے ہوں گے۔"

"اب ہم کوفہ کی طرف چل پڑتے ہیں اگر موافقت حاصل ہو گئی تو کیا کہنے —— حق کے قائم کرنے کے لیے۔ ظلم اور جبر کے اقتدار کو سرنگوں کرنے کے لیے ہم ایک قریب ترین راستہ طے کر لیں گے اور اگر شکست ہمارے حصہ میں آئی تو ہم قتل ہو جائیں گے اور ہمارے ساتھ ہمارے طرفداروں کی ایک جماعت بھی قتل ہو جائے گی۔"

"اس قتل و خونریزی کو چھپایا نہیں جا سکے گا۔ کوئی ہمیشہ نیزوں کے بل پر حکومت نہیں کر سکتا۔ بالآخر ہر طرف سے شور اور آوازیں بلند ہوں گی اور لوگ پوچھنا شروع کر دیں گے کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا؟ بالآخر یہ چیز اس جابر و قاہر حکومت کو متزلزل کر دے گی اور اسے زوال و تباہی سے دوچار کر دے گی اور نتیجتاً ایک نسبتاً آزاد حکومت برسرکار آ جائے گی اور لوگ دین اور دینی اصولوں کی حمایت کرنے لگیں گے اور اس طرح ہمارا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا خواہ ہمارا راستہ کچھ درازی کیوں نہ ہو جائے۔

"موجودہ صورت حال میں ہم بے وقت کوچ کر کے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور اصل معاملہ کو ان پر واضح کر سکتے ہیں تاکہ کل ہمارے قتل ہو جانے کے بعد حکومت کو غلط فائدہ اٹھانے اور جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

"ہماری اچانک اور بے وقت روانگی ہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں ہمارے ہدف سے نزدیک تر اور بہر صورت مطلوبہ نتیجہ تک پہنچا سکتی ہے۔

"ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کو زندہ کر کے اسلامی مقدسات کو ان ظالموں کے دستبرد سے نجات دلائیں۔ جو اسلام کے نام پر اپنی زندگی کی رسی دراز کیے جا رہے ہیں۔

"ہم چاہتے ہیں جذبۂ آزادی کو بیدار کر کے ظلم کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور اسے راستے سے ہٹا دیں۔"

۔ اگر کوفہ کے لوگوں کی عملی حمایت حاصل کر کے ہم کو حکومت مل گئی تو ہم زیادہ جلدی اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں گے بصورت دیگر ہم شکست سے دوچار ہوئے اور شہید ہو گئے تو ان فراہم شدہ بنیادوں پر یقیناً آئندہ ایک انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اور اس انقلاب کا ہراول دستہ ہم ہوں گے اور ہم ہی اس کے بانی

قرار پائیں گے اور یہ انقلاب بلاشبہ ظالموں کو ملیامیٹ کر دے گا اور ظلم کی چکی میں پسنے والے عوام کی گردنیں یزید اور اس کے مددگاروں کے طوق سے آزاد ہو جائیں گی۔"

"ہم نے ہر حال میں فتح حاصل کر لی ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک راستہ کسی قدر طویل ہے اور دوسرا زیادہ نزدیک۔"

"یہ دونوں راستے ہمیں ایک ہی منزل پر پہنچاتے ہیں — فی الحال ہم قریب کے راستے کے ذریعہ پیش قدمی کرتے ہیں دیکھیں کہ مقدرات اور واقعات ہمیں کہاں پہنچاتے ہیں۔ اگر ہمارے حریف نے ہماری راہ کھوٹی نہ کی تو کیا کہنے، ورنہ اگرچہ ظاہری اندازوں کے مطابق ہماری شکست تو یقینی ہے لیکن ہر حال میں باطنی فتح ہمارا مقدر ہے۔"

ان افکار نے حسینؑ کے ارادے کو قطعیت عطا کر دی اور ۸ ذی الحجہ ۶۰ھ سنہ ہجری کو اچانک مکّہ سے کوچ کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایک ایسے وقت اور ایک ایسی جگہ سے آپ کی روانگی جبکہ لوگ طویل مسافتیں طے کر کے اس وقت کو حاصل کرنے کے لیے اور اس جگہ تک پہنچنے کے لیے قافلہ در قافلہ آ رہے ہیں، بہت ہی غیر معمولی نوعیت اختیار کر گئی۔ ایک عام آدمی کا بھی ایسے موقع پر مکّہ سے چلا جانا حیرت انگیز ہوتا ہے تو پیغمبر کے فرزند کی روانگی کس قدر لوگوں کے لیے حیرت کا سبب بنی ہوگی۔

ایسے موقع پر جب ذرا سی مدت میں مکہ لوگوں سے بھر گیا تو حسینؑ کی روانگی کا مسئلہ وقت کا ایک اہم موضوع بن گیا۔ اور جس جگہ بھی لوگ حلقہ بنا کر بیٹھتے، حسینؑ کی بے وقت روانگی کا مسئلہ گفتگو کا موضوع بن جاتا اور اس کا سبب بھی لوگوں کے سامنے آتا۔

۹۹ فی صد لوگ اس گفتگو کے نتیجہ میں یہ رائے قائم کرتے کہ حسین ابن علیؑ نے یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا ہے اور اس مقدس مقام پر بھی انھیں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور خانہ خدا کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ مکہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔

البتہ حسینؑ کی اس مسافرت کے بارے میں آرا مختلف تھیں۔ ہر شخص اپنے فہم و شعور اور دینی و سیاسی نقطہ نظر سے اس کی توجیہ کر رہا تھا۔ البتہ سب لوگ یک زبان ہو کر حکومت شام کے اس ارادے اور منصوبے کی مذمت کر رہے تھے کہ حسینؑ کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے خواہ وہ خانہ کعبہ کا طواف ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔

مسلم کے خط نے حسین ابن علیؑ کو مکہ سے روانگی پر آمادہ کر دیا۔ حسینؑ نے ان تمام پیش بینیوں، تمام شہروں کے حالات اور خصوصاً مرکز حکومت کے بارے میں ملنے والی رپورٹوں کی بنا پر مکہ سے کوچ ہی کو مناسب سمجھا۔

یزید کے نام کوفہ سے خط
گورنر کا انتخاب اور انقلاب کوفہ

یزید خلافت کی مسند پر تکیہ لگائے اقتدار کے نشے میں چور درباریوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا کہ اچانک پیغام رساں نے حاضر ہونے کے لیے اجازت طلب کی۔ اسے اجازت دے دی گئی۔

ایک بند خط اس کے مطالعہ کے لیے پیش کیا گیا،

ایک ایسی مسرت انگیز خبر کا انتظار کیا جا رہا تھا جو بڑے سازگار حالات کی اطلاع دے ——— خط کھولا گیا ——— ابتدائی سطریں تو معمول کے مطابق تھیں ——— درباریوں کی نگاہیں یزید کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں، خلاف توقع اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگے ——— اس کے ابرو پر بل آگئے اور گہری نظروں سے اس نے آخری سطر تک پورے خط کو پڑھ لیا۔

درباریوں نے یزید کے چہرے سے ہی خط کے مضمون کو بھانپ لیا، پہلے سے انھیں جو خبریں مل رہی تھیں ان کی بنا پر وہ سمجھ گئے کہ کوئی اہم اطلاع ملی ہے۔ سب انتظار کرنے لگے کہ یزید انھیں صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے خط کا مضمون بتائے گا۔

یزید نے ایک بار اور خط کا مطالعہ کیا اور چند لمحوں کے لیے فکر میں ڈوب گیا ——— مجلس پر ایک گہرا سکوت چھا گیا ——— ہر شخص خط کے مضمون کے بارے میں اندازے لگا رہا تھا۔ بالآخر یزید نے سکوت کو توڑتے ہوئے بڑے سخت اور تیز لہجے میں کہا:

"یہ نالائق آدمی کون ہے جسے کوفہ بھیجا گیا ہے ——؟
نعمان کوئی کمزور اور نااہل آدمی تو نہیں تھا ——؟ آخر
اس نے ان ساری سرگرمیوں کے خلاف ردعمل
کیوں ظاہر نہ کیا؟ اب جبکہ پانی سر سے گزر چکا ہے
ہمارے دوستوں نے لکھا ہے کہ کوفہ حسینؑ کے نائب
کے تصرف میں آچکا ہے اور ہمارے سرکاری ادارے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں!"

"فوراً اس سارے معاملہ کی تحقیق کی جائے۔ میں اس شخص کو اس کے عہدہ سے معزول کر رہا ہوں۔ وہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو بھیجا جائے تاکہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس خلفشار کا خاتمہ کر کے مخالفین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔"

پھر پرسکون ہو کر اس نے درباریوں سے دریافت کیا۔

"تمہارے خیال میں اس عہدہ کے لیے کون شخص موزوں رہے گا ——؟ یہ کسی معمولی قسم کے تقرر کا مسئلہ نہیں ہے اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ کسی پرامن علاقے کے لیے کوئی گورنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ ہماری مملکت کا تقریباً ایک حصہ ہمارے قبضہ سے نکل چکا ہے اور وہاں ہمارے سرکاری ادارے نیم جان ہو کر سقوط اور موت سے دوچار ہونے والے ہیں۔"

"اس منصب کے لیے کسی دانشمند اور باتدبیر آدمی کی ضرورت ہے۔ تاکہ وہ گزر جانے والے پانی کو دوبارہ دریا میں واپس لا سکے۔ ہمیں ایک ایسے پختہ اور مضبوط ارادے کا آدمی درکار ہے جو ہر قیمت پر کوفہ کو حسینؑ کے حلق سے نکال لے۔ عراق کو حسینؑ نے چھین لیا ہے لیکن ہم اسے اپنے مقاصد پورے کرنے نہیں دیں گے۔"

آخر حسینؑ کیوں اس قدر ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے ——؟

ہمارے ساتھ صلح و موافقت کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہے؟ کیوں وہ ہماری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ وہ کیوں تمام مسلمانوں کی طرح ہمارے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا اور ہماری خلافت کو باقاعدہ طور پر نہیں تسلیم کرتا ——؟"

"ہمیں آخر کار ایک خطرناک کام کے انجام دینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ کیا حسینؑ نہیں دیکھتا کہ کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ کیوں حسینؑ اپنے باپ اور بھائی پر جو گزری اس سے سبق حاصل نہیں کرتا ——؟ وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ ہماری طاقت کے ساتھ وہ جنگ نہیں کر سکے گا ——؟"

اس کے بعد یزید نے قاضی سے گفتگو کی[1]۔ اور حسینؑ پر اور افکار حسینی پر سخت تنقید کی۔ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ پھر اس نے اہل مجلس کی جانب رخ کر کے پوچھا:

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی نگاہوں میں کون

---

[1] بلاشبہ یزید تنہا قاضی کے پاس گیا تھا۔ اس نے جو باتیں وہاں کیں ان میں سے ہر ایک کا جواب تھا لیکن اس کے اطراف موجود لوگ اس قدر آزادی پسند اور بہادر نہیں تھے کہ اقتدار وقت سے نہ ڈریں ورنہ یزید کے سوالات کا جواب سب کو معلوم تھا اور اس کتاب کے صفحات میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

اس منصب کے لیے موزوں ہے۔ جس شخص کو بھی آپ
لوگ موزوں سمجھتے ہیں اس کا نام پیش کریں تاکہ ہم اسے
کوفہ بھیجیں اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس فتنہ کی سرکوبی
کر دیں۔"

یزید کے مقربین غور و فکر کرنے لگے۔ متعدد اشخاص کے نام زیر بحث آئے جس امیدوار کی بھی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جاتا اس میں کوئی نہ کوئی ایسی کمزوری پائی جاتی جو اسے نااہل قرار دیتی۔

جن امور کا تعلق مقدساتِ دینی و ضمیر سے ہوتا ہے وہ ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں دیے جا سکتے۔ اس طرح کے امور کے لیے صرف شجاعت و دلیری کافی نہیں ہوتی۔ محض ذہانت اور تجربہ سے کام نہیں چلتا۔ صرف دولت اور فوج کی طاقت سے ہی مقصد پورا نہیں ہوتا۔

اس طرح کے کاموں کے لیے ایسے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی بات کے پابند نہ ہوں اور دینی مقدسات سے زیادہ تعلق نہ رکھتے ہوں اور خاص حالات میں حتیٰ کہ انسانیت کو قدموں تلے روند کر اندھا دھند طریقے پر مرکز کے احکامات کو نافذ کر سکتے ہوں ——— کوفہ کے لیے تو ایک ایسے گورنر کی ضرورت ہے جو ہر چیز سے بے پرواہ اور بے حس ہو اور اندھا دھند اس طرح کے سارے کام انجام دے سکے۔

آخر کار یزید کے ایک مقرب نے عبید اللہ بن زیاد کا نام تجویز کیا۔ جیسے ہی یہ نام سامنے آیا، سب نے اس سے اتفاق کیا اور پسند کیا۔ سب نے کہا:

"یہ ایک تجربہ کار اور لائق آدمی ہے۔ اسی سے یہ توقع
کی جا سکتی ہے کہ وہ ہر صورت میں مسئلے کو حل کرنے

کی کوشش کرے گا اور مرکزی حکومت کے مفاد میں
کام کر کے ہر قیمت پر اس فتنے کو ختم کر دے گا۔ البتہ
اس سلسلے کی واحد مشکل یہ ہے کہ بصرہ کی گورنری بھی
اس کے پاس ہے۔ اب اگر ہم اسے بصرہ سے ہٹاتے
ہیں تو موجودہ خاص سیاسی اور جغرافیائی صورتحال میں
کوئی ایسا دوسرا شخص موجود نہیں جو بصرہ کو کنٹرول
کر سکے۔"[1]

یزید کے ایک درباری نے جو نفسیاتی مسائل کا تجربہ رکھتا تھا اور عبید اللہ کی کمزوری کو کسی حد تک جانتا تھا۔ فوراً مشکل حل کر دی۔ اس نے کہا:

"اس مسئلہ کا بہترین حل موجود ہے۔ اگر آپ اسے بصرہ
کا گورنر رکھتے ہوئے کوفہ کی بھی گورنری دے دیں تو
وہ اچھا کام کرے گا۔ اس صورت میں اسے خدمات
کا نقد صلہ مل جائے گا اور یہ اس کے لیے باعث
حوصلہ ہو گا کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کسی حاکم کا درجہ بلند
کیا جاتا ہے تو کیا کچھ ہوتا ہے؟ کیا آپ لوگ اس بات
سے ناواقف ہیں کہ جو لوگ مادہ پرست ہوتے ہیں اور
مادی حکومتوں کے لیے کام کرتے ہیں جب انھیں کچھ انعام

---

[1] مجموعی طور پر یزید کی حکومت کی انتظامیہ میں ایسے منتخب سیاست داں اور تجربہ کار لوگ نہیں تھے جیسے کہ عمرو بن العاص، معاویہ کے دورِ حکومت میں ایسے لوگوں نے بڑی خدمت انجام دی تھی۔

دیا جاتا ہے یا ان کے عہدہ کو بلند کیا جاتا ہے تو وہ خوشی
کے مارے پھولے نہیں سماتے اور جو کچھ انھیں حکم دیا
جاتا ہے اسے وہ آنکھ کان بند کر کے بجا لاتے ہیں۔

"اگر آپ نے ابن زیاد کے موجودہ منصب کو برقرار رکھتے
ہوئے کوفہ کی گورنری بھی اسے دے دی تو میں آپ
کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس کام کو بہتر طریقے پر انجام
دے گا۔"

سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ عبیداللہ کو بصرہ کا گورنر باقی رکھتے ہوئے اس کام کے انجام دینے کے لیے بھی اُسے مامور کیا جائے۔

عبیداللہ کا انتخاب کر لیا گیا۔ شام سے ایک خط بصرہ کے لیے لکھا گیا — درحقیقت کوفہ سے یزید کے دوستوں نے جو خط لکھا تھا اس کا رد عمل اس خط کی صورت میں ظاہر ہوا۔

عبیداللہ اپنے کمرہ میں بیٹھا کام میں مصروف تھا کہ پیغام رساں حاضر ہوا اور شام سے جو خط بھیجا گیا تھا اسے پیش کر دیا۔

یہ خط یزید کی طرف سے آیا ہے۔ اس نے بڑے اعزاز کے ساتھ ایک سنگین ذمہ داری کے ادا کرنے کے لیے ہمیں مامور کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

"اس خط کے ذریعہ تمھیں کوفہ اور اس کے تمام ماتحت
علاقوں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ یہ خط تمھاری گورنری
اور حکومت کے لیے ایک فرمان کا درجہ رکھتا ہے۔
جس طرح بھی مناسب سمجھو اس کام کے انجام دینے میں

جلدی کرو تاکہ فتنہ کا شعلہ زیادہ نہ بھڑکے اور دردِ
سر میں اضافہ نہ کرے۔ حسینؑ اور اس کی تبلیغات
کا راستہ روکو اور ہمیں فوراً اپنے اس کام کے انجام
کی اطلاع دو۔"

یزید کا یہ خط جن خصوصیات کا حامل تھا اور ان اطلاعات کی بنا پر جو کوفہ کے حالات کے بارے میں کم و بیش پہنچتی رہی تھیں ان کی وجہ سے عبیداللہ کے اپنے سارے کام درہم برہم ہو گئے۔

ابن زیاد نے اپنی اولین فرصت میں لوگوں کو مسجد میں طلب کیا۔ یزید اور اس کے آبا و اجداد کی تعریف کرنے کے بعد ایک لمبی چوڑی تقریر کی اور کہا:

"میں کچھ عرصہ کے لیے کوفہ جا رہا ہوں اور اپنی جگہ
اپنے بھائی کو مقرر کر کے ذمہ داریاں اسے سونپ
رہا ہوں۔ آپ لوگ جس طرح میری پیروی کرتے
تھے اسی طرح میرے بھائی کی پیروی کریں۔"

پھر اس نے کچھ دھمکیاں دے کر انھیں حکومت شام سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی پھر مرکز کی فوج اور اس کی فوجی طاقت کا کچھ نقشہ کھینچنے کے بعد اس نے کہا:

"ایسے لوگوں کے لیے خرابی ہے جو ہمارے ان احکام
کے خلاف سرکشی کریں گے جو مرکزی حکومت کے تحت جاری
کیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بدبختی ہے جو ہمارے
بتائے ہوئے راستے سے انحراف کریں گے اور ان لوگوں کا
بھی برا انجام ہوگا جو یزید کی طاقتور اور مقتدر حکومت

کی مخالفت کا خیال دل میں لائیں گے۔[۱]

ابن زیاد نے اس قسم کے تیز و تند جملے کہہ کر اپنی تقریر ختم کی — منبر سے اتر کر مسجد سے باہر چلا گیا اور پہلی فرصت میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

یزید کا نمائندہ کوفہ کی طرف

مسلم کے خط نے حسین ابن علیؑ کو مکہ سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اور یزید کے دوستوں کے خط نے ابن زیاد کو بصرہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

اب یہ دو مخالف سمتوں کے قطب ایک دوسرے کے قریب ہو رہے ہیں۔ یہ دو متضاد قوتیں ایک نقطہ کی جانب بڑھ رہی ہیں — ایک بار پھر حق اور باطل میدان جنگ میں اترنے والے ہیں — ایک مرتبہ پھر استعمار اور ظلم آزادی اور حریت کے خلاف جنگ چھیڑ رہے ہیں — کفر و ایمان کے درمیان دوبارہ رزم آرائی کے لیے میدان تیار ہو رہا ہے۔

"تاکہ انسانی زندگی کی تاریخ میں کئی ہزارویں
بار پھر یہ ثابت ہو جائے کہ حق و آزادی فتحمند
ہیں اور باطل و استعمار شکست خوردہ۔"

---

[۱] ابن زیاد کی اس سختی کی وجہ وہ اطلاعات تھیں جو بصرہ میں حسینؑ کے اثر و نفوذ اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اسے دی گئی تھیں۔ خصوصاً وہ خطوط جو حسین ابن علیؑ نے بصرہ میں اپنے دوستوں کو لکھے اور چند روز قبل ان میں سے ایک کو گرفتار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا ایک قاصد منذر بن جارود کے لیے خط لایا تھا انھوں نے خیال کیا کہ یہ عبیداللہ کی سازش ہے اس لیے قاصد اور خط انھوں نے اس کے حوالے کر دیا اور جو قاصد کے قتل پر منتج ہوا۔ (بحار جلد ۴۴)

ابن زیاد تمام سرکاری وسائل سے استفادہ کرتے ہوئے کوفہ کے عام حالات سے مطلع ہو گیا تھا اور منزل بمنزل کوفہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

حسین ابن علیؑ بھی مکہ سے کوچ کر کے کوفہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ حسینؑ کی یہ آہستہ روی بلاسبب نہیں تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ ایام حج گزر جائیں اور لوگ آپ سے آکر مل جائیں۔ شاید کوفہ سے کوئی تازہ اطلاع بھی ملے جو مسلم کے خط کی توثیق کر سکے۔

گورنر شیطانی منصوبوں کے ساتھ کوفہ پہنچتا ہے —!

ابن زیاد نے زیادہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ راستہ طے کیا۔ ابھی آفتاب درخشاں پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا کہ کوفہ کے نخلستان نظر آنے لگے۔ اگر ابن زیاد اس وقت کوفہ میں داخل ہو تو نہ صرف یہ کہ اس کا استقبال نہیں ہو سکے گا بلکہ کسی ناگوار صورتحال کے پیش آنے کا بھی اندیشہ ہے۔

ابن زیاد کو معلوم ہے کہ کوفہ کے لوگ حسینؑ کا انتظار کر رہے ہیں اور استقبال کے لیے آمادہ ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یزید سے وابستہ حکومت بہت کمزور ہو گئی ہے اور وہ مزاحمت کی قوت نہیں رکھتی۔

کیا اس وضع کے ساتھ اور اس موقع پر شہر میں
داخل ہونا مناسب رہے گا یا باہر ہی رک جائیں؟
یا دلیری سے کام لے کر خواہ کچھ ہو اسی وقت
شہر میں داخل ہو جائیں —؟ یا کوئی اور
منصوبہ بنائیں —؟

ابن زیاد نے کچھ غور کیا ـــــ ایک شیطانی منصوبہ اس کے ذہن میں آیا اور اسے روبعمل لانے کے لیے وہ سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور ایک دوسرا لباس پہنا ـــ اپنا حلیہ بدل لیا ـــــ نقاب پہنا اور بنی ہاشم کے معززین کی شکل اختیار کر لی۔

اس کے ساتھی سوچنے لگے کہ:

"ابن زیاد کا مقصد کیا ہے ـــــ؟ اس نے اپنی یہ شکل کیوں بنائی ہے ـــــ؟ شاید کوفہ کی گورنری کے حالات اسی بات کا تقاضہ کرتے ہوں۔ کیونکہ کوفے کے لوگ علیؑ اور ان کے بیٹوں سے لگاؤ رکھتے ہیں اور مانوس ہیں تو شاید اسی لیے گورنر بھی انہی جیسا ہونا چاہیے۔"

سورج تقریباً غروب ہو چکا تھا۔ اس کی سنہری کرنوں نے افق کو روشن کر رکھا تھا، تاریکی روشنی کے ساتھ مل کر شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ابن زیاد شہر کی طرف روانہ ہوا۔ دروازہ کے نزدیک اس نے اپنے حامیوں سے کہا:

"تم شہر کے باہر جمع ہو جاؤ اور نعرے لگا کر لوگوں کو یہ تاثر دو کہ میں حسینؑ ہوں۔ اس طرح میرا استقبال کرو۔"

اس کے ساتھیوں نے اب ابن زیاد کے منصوبے کو سمجھ لیا اور اسے روبعمل لانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہر طرف سے خوش آمدید و نعرہ ہائے تحسین کی آواز بلند کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یزید اور بنی امیہ کے خلاف بھی نعرے لگائے اور لوگوں کو پوری طرح شبہ میں ڈال دیا۔

حد و شمار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ یہ جلوس جس قدر آگے بڑھتا گیا زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ لوگ اسے حسینؑ کا استقبال سمجھ رہے تھے اور ان کے احترام کی خاطر ہر طرف سے آ کر جمع ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ پورا شہر امنڈ آیا۔

ابن زیاد رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی اور کوفہ کے لوگوں کی حالتِ انتظار سے فائدہ اٹھا کر شہر میں آ گیا اور کسی سے بات کیے بغیر اور اپنا چہرہ ظاہر کیے بغیر گلیوں اور سڑکوں پر سے ہوتا ہوا گورنر ہاؤس (دارالامارۃ) کی طرف چل پڑا۔

لوگوں نے سوچا:

"حسینؑ سیدھے گورنر کے پاس جا رہے ہیں اور حسینؑ چاہتے ہیں کہ پہلے اس وقت کے گورنر نعمان کا قصہ پاک کر دیں۔"

اسی لیے ہجوم نے ایک شورش کی صورت اختیار کر لی اور گورنر ہاؤس کا محاصرہ کر لیا ـــــ یزید سے وابستہ حکومت کے خلاف ملت کا غضب اس قدر شدید تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوگ دارالامارۃ کی عمارت کو نگل جائیں گے۔

گورنر نعمان نے قلعہ بند ہو کر حکم دے دیا تھا کہ داخلے کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔

لوگوں کے شور اور نعروں نے ایک زبردست مظاہرے کی صورت اختیار کر لی اور اس زبردست مظاہرے نے نعمان کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

ابن زیاد اپنی شیطانی سیاست پر عمل کرتے ہوئے۔ اس عوامی مظاہرے کا بھی اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا اور یہ دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ لوگ کس قدر تعلق

رکھتے ہیں اور یزید منش لوگوں سے کتنی نفرت کرتے ہیں تاکہ آئندہ اپنی سیاست کو عوام کے محبت و نفرت کے جذبات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نافذ کر سکے۔

ابن زیاد، نقاب جیسی چہرہ پر ڈالے ہوئے لوگوں کے اس ہجوم کے درمیان تھا جو یزیدؑ اور بنی امیہ کی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ ابن زیاد ایک جمعیت کے ساتھ گورنر ہاؤس کی دیوار کے قریب آگیا۔

گورنر نعمان نے دریچے سے باہر سر نکال کر اس شخص کو مخاطب کیا جو مجمع کے درمیان گھرا ہوا تھا اور کہا:

"اے پیغمبرؐ کے بیٹے حسین ابن علیؑ! ہمارا پیچھا چھوڑ
اور اپنے کام سے کام رکھ۔"

اس موقع پر ابن زیاد نے اپنی زبان کھولی اور بلند آواز سے کہا:

"نعمان! یہاں پیغمبرؐ کا فرزند کون ہے ہم ـــ یہ
میں ہوں جو یہاں آیا ہوں ـــــ حسینؑ کون
ہے ـــــ؟ میں عبیداللہ ابن زیاد ہوں،
دروازہ کھول ـــــ جلدی کر جلدی۔"

جیسے ہی نعمان نے ابن زیاد کو پہچانا، جلدی سے آدمی بھیج کر دروازہ کھلوایا۔ ابن زیاد اپنے چند حامیوں کے ساتھ گورنر ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند کر لیا گیا۔

لوگ اس عوام فریبی پر سخت ناراض ہوئے اور منتشر ہو گئے۔ اور یہ خبر پورے کوفہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

نیا گورنر کوفہ کو حسینؑ سے واپس لیتا ہے

حسینؑ کے خلاف پہلی بار باقاعدہ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کوفہ کے گورنر ہاؤس نے اس رات ایک ایسی کانفرنس کا مشاہدہ کیا کہ جس کی تاریخ کوفہ میں مثال نہیں ملتی۔ اس تاریخی کانفرنس کا مقصد حسینؑ اور مسلم جیسے ان افراد کا راستہ روکنا تھا جو آزادی و حریت اور مملکت و حکومت کے استقلال کے خلاف کام کر رہے ہیں ؟!!

عبیداللہ کی سربراہی میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں بڑے دلچسپ مذاکرات ہوئے۔ سب سے پہلے نعمان نے حسینؑ کے نمائندے مسلم کی سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ کوفہ میں حالات کس قدر خطرناک ہیں۔

اس کے بعد عبیداللہ نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میری نظر میں ماحول پر قابو پانے کا واحد راستہ ایک نہایت سخت سیاسی پالیسی پر عمل کرنا ہے۔ ہمارے لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو دھمکیاں دے کر انھیں ہراساں کریں اور فضا میں بدترین گھٹن پیدا کر دیں اور قوم کے سرداروں کو ہر ممکن ذریعہ سے قابو میں لے آئیں۔ اگر وہ موافقت اور سکوت اختیار کریں تو ان سے کام لیا جائے۔ اور وہ مخالفت پر اتر آئیں تو انھیں قید، جلاوطنی اور موت کی سزائیں دی جائیں۔ اگر قبائل کے چار سربراہوں کے ساتھ بھی ایسا کیا گیا

تو دوسروں کو عبرت حاصل ہوگی اور پھر کسی میں دم مارنے کی ہمت باقی نہیں رہے گی اور ہم بتدریج ماحول میں اپنے مفاد کے مطابق تبدیلی لے آئیں گے۔

جناب نعمان! میرے ہمراہیوں میں سے بعض کا تعلق بصرہ سے ہے، ان میں سے ایک دو شام سے آئے ہیں۔ یہ پوری طرح مستعد اور فداکار ہیں۔ یہ لوگ یزید اور بنو امیہ کی حکومت کی راہ میں جان بھی قربان کر دیں گے۔ میں ان پر پوری طرح اعتماد کرتا ہوں۔

جناب نعمان! آپ نے بڑی نرم پالیسی اختیار کر رکھی تھی آپ نے شروع ہی سے میدان مخالفوں کے لیے کھلا چھوڑ دیا تھا۔ اسی لیے مسلم کو اپنے لیے اور حسینؑ کے لیے یہاں جگہ بنانے کا موقع مل گیا۔ اگر آپ پہلے دن ہی سے سختی سے کام لیتے اور جو لوگ اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث نظر آتے انھیں گرفتار کر لیتے تو معاملہ اس حد تک نہ جا پہنچتا۔ اب میں نے حالات سے نمٹنے کے لیے جو منصوبہ پیش کیا ہے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

نظامِ جاسوسی کی تشکیل

"جناب نعمان! ہمارے منصوبے کا ایک بنیادی حصہ ایک نظام جاسوسی کی تشکیل ہے۔ جس کے تحت مامورین مختلف بہروپ

میں روپ دھار کر ہمارے ساتھ کام کریں۔ وہ ہمیں حالات کی تفصیلات سے آگاہ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ ہم اب تک جو خرابی پیدا ہوئی ہے اس کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر ہم نے اس "سیکرٹ سروس" سے کام لیا تو ہماری صد فی صد کامیابی یقینی ہے۔"

"جناب نعمان! آپ نہیں جانتے ہیں کہ تفتیش اور جاسوسی کا نظام کسی بھی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کس قدر مؤثر کردار ادا کرتا ہے! اس نظام کے ذریعہ ہم تمام جزئیات سے واقف ہو کر بروقت مؤثر اقدامات کر سکتے ہیں۔"

"جناب نعمان! ہمارے لیے بجز اس کے کوئی اور راہ نہیں ہے کہ ہم اس طرح کا ایک ادارہ قائم کریں۔ اب ہمیں اس ادارے کے لیے بہتر آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور اس کے لیے کوئی لائحہ عمل وضع کرنا چاہیے۔"

"اس کام کے لیے ایک شخص بہت موزوں ہے اور میں اس پر بہت اعتماد کرتا ہوں۔ یہ میرا غلام معقل ہے۔ آپ بھی دو تین آدمیوں کو منتخب کریں۔ بعد میں حسب ضرورت ہم مزید آدمیوں کی خدمات حاصل کریں گے۔"

اس ارادے اور انتخاب کے ساتھ کانفرنس جو نصف شب کے بعد تک جاری رہی تھی ختم ہو گئی۔

اس کانفرنس کا مقصد ایک ایسی سخت سیاسی پالیسی کو نافذ کرنا تھا جس کی بنیاد ظالمانہ استبداد پر رکھی گئی ہو اور جس کی راہ میں کوئی طاقت حائل نہ ہو سکے!

یہ تو تھا اس کانفرنس کا حال جو گورنر ہاؤس میں منعقد ہوئی تھی لیکن کوفہ کے عوام اور ان کے رہنما "مسلم" کن حالات سے دوچار تھے ؟

عوام کی یہ حالت تھی کہ جہاں بھی چند لوگ مل بیٹھتے ان کی گفتگو کا موضوع یہی نئی صورت حال ہوتی۔

ان میں سے ایک کہتا :

"اب تو اس طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم یزید اور بنی امیہ کے چنگل سے نجات حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے ہمیں دار و رسن کی پرواہ کیے بغیر حکومت کی مخالفت کرنا ہوگی۔ ان سیاہ استبدادی حکومتوں کے سائے میں ہماری یہ زندگی، زندگی نہیں بلکہ موت سے بدتر ہے حق و باطل ہمیشہ باہم جنگ کرتے رہے ہیں اور بالآخر فتح حق کے حصے میں آتی رہی ہے۔"

ایک دوسرا شخص کہتا :

"یہ صحیح ہے کہ ہمیں اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور فتح ہمیشہ حق ہی کی ہوتی ہے۔ لیکن شام کی طاقت اور بنی امیہ کے تسلط کے خلاف کیا کیا جا سکتا ہے ؟ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں۔ ایک طرف ہماری مالی، مادی اور اجتماعی حالت اس طرح کی ہے اور دوسری طرف یزید کی حکومت شیطانی منصوبوں سے لیس ہے۔ ہمارا کام بنتا نظر نہیں آتا۔ مشہور مقولہ

کے مطابق (گھونسہ اور سُوا ایک دوسرے سے آشنائی نہیں رکھتے ہے)"

یہ گفتگو جو عموماً لوگوں کے جوہر اور گوہر کو ظاہر کر دیتی ہے[1]۔ اور ہر شخص ، ان نشستوں میں اپنے باطن کو کھول کر رکھ دیتا ہے اور آئندہ حوادث لوگوں کے ان ہی افکار و جذبات کی بنا پر رونما ہوتے ہیں لوگوں کی یہ محفلیں ختم ہوئیں اور رات صبح میں بدل گئی۔

ظالمانہ سیاست

صبح کی روشنی پھیلی۔ فضا روشن ہو گئی ، آفتاب چمکنے لگا۔ منادی کی آواز مسجد سے بلند ہوئی (الصلوٰۃ جامعہ) لوگو مسجد کی طرف آؤ۔

حالات کی رفتار اور عام بے چینی نے لوگوں کو مسجد کی طرف جانے پر مجبور کر دیا اور تھوڑی دیر میں لوگ بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے۔

ابن زیاد مسجد میں داخل ہو کر منبر پر پہنچا اور حمد و ثنا کے بعد اس نے کچھ اس طرح کی باتیں کیں :

"حاضرین ! آپ کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امیر المومنین یزید نے مجھے گورنری کے منصب پر فائز کیا ہے تاکہ میں آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر نظر رکھ کر اور آپ کی اس سرزمین کی حفاظت کرتے ہوئے کسی اجنبی کو اور اجنبی طاقتوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو اس

---

[1] فی تغیر الاحوال علم جواہر الرجال (نہج البلاغہ)

علاقے میں رخنہ اندازی کی اجازت نہ دوں۔ یزید نے
مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ انصاف
کا رویہ اختیار کروں اور مظلوم لوگوں کی فریاد کو پہنچ کر
محروم لوگوں کو ان کا حق واپس دلاؤں اور جو لوگ
ہماری باتوں کو توجہ سے سنیں اور ہماری اطاعت کریں
میں پدرانہ شفقت کے ساتھ ان کی دلجوئی کروں اور
سرکشوں اور اپنے مخالفین کی تلوار سے خبر لوں۔"
"لوگو! اپنی جانوں کے بارے میں خوف کرو اور خود کو
بلا وجہ ہلاکت کے خطرے میں نہ ڈالو۔ یہ نہ سمجھو کہ میں
تمھیں صرف دھمکی دے رہا ہوں۔ اطمینان رکھو میں
نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل ہوگا۔"[1]

ابن زیاد یہ تقریر کر کے منبر سے نیچے آیا اور اسی جگہ حکم دیا کہ ایسی تمام شخصیتوں کو حاضر کیا جائے جو معاشرہ کے طبقۂ اوّل سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بھی جو حالات سے زیادہ واقف ہیں۔

پھر ان لوگوں پر بڑی ذمہ داری ڈالتے ہوئے اس نے کہا:

"جو شخص ہمارا مخالف ہے اسے ہمارے علم میں لاؤ اور
جو ہمارے موافق ہیں انھیں ہمارے اختیار میں دو۔
اور تم میں سے ہر ایک اس بات کی ضمانت دے کہ تمھارے
قبیلہ کا کوئی شخص ہماری مخالفت نہیں کرے گا اور

---

[1] ترجمہ ابن زیاد کی گفتگو مطابق نقل مفید از بحار ج ۱۰ ص ۱۸۱ طبع سابق

جو شخص بھی سرکشی کرے گا اسے اسی کے گھر میں سولی
پر لٹکا دیا جائے گا۔"

مسلم کو جیسے ہی اس تقریر کی اطلاع ملی انھوں نے اپنا پہلا ٹھکانہ تبدیل کر دیا اپنے میزبان (مختار یا سالم بن مسیب) کے گھر سے نصف شب کو نکل کر ھانی کے گھر پہنچے جو شیعوں کی ایک معزز شخصیت تھے۔ شیعہ بڑی احتیاط کے ساتھ پوشیدہ طور پر ان کے پاس جمع ہوتے اور حالات پر غور و بحث کرنے کے بعد منصوبے بناتے اور جن لوگوں پر اعتماد ہوتا ان کی بیعت لی جاتی تاکہ مناسب حالات پیدا ہونے پر ابن زیاد سے نمٹ سکیں۔ آہستہ آہستہ مسلم کے حامیوں کی تعداد ۲۵ ہزار افراد تک پہنچ گئی اور لوگوں نے خروج کرنا چاہا لیکن ھانی نے کہا:

"ابھی یہ جلدی ہوگی، صبر کرو ———؟!"

عبید اللہ نے زور و شور کے ساتھ حالات پر تقریباً قابو پا لیا تھا۔ وہ روزانہ کسی نہ کسی سردار قبیلہ کو طلب کر کے اسے کسی نہ کسی طرح سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

عبید اللہ کو اس کا احساس تھا کہ ان حالات میں مسلم کہیں معطل بیٹھے ہوئے یقیناً کوئی منصوبہ بنا رہے ہوں گے۔ وہ جانتا تھا کہ حسینؑ کے دوست جن میں اس نے کوفہ میں آمد کے وقت اس قدر جوش و جذبہ دیکھا تھا، خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے اور جنگ کی فکر کر رہے ہوں گے۔

عبید اللہ اس سکوت اور گھٹن سے ڈر رہا تھا اور یہ محسوس کر رہا تھا کہ سکوت بڑا گہرا اور دور رس ہے۔ یہ سکوت اور آرام طبعی نہیں ہے۔ یہ خاموشی جو دھمکیوں اور گھٹن کے ساتھ وجود میں لائی جاتی ہے۔ کبھی مظاہروں اور شور و پکار سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

ابن زیاد جانتا تھا، انقلابی شورشیں اور خطرناک بغاوتیں عموماً ایسے ہی سکون اور خاموش فضا میں سر اٹھاتی ہیں جو جبر و قہر کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔

ابن زیاد ان باتوں سے اچھی طرح واقف تھا اور فن مردم شناسی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے جاسوسی نظام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا جس کی داغ بیل گزشتہ کانفرنس میں ڈالی گئی تھی۔

ایک جاسوس کی کامیابی

ابن زیاد نے معقل کو طلب کیا اور اسے تین ہزار درہم دیے اور اسے ہدایت کی کہ مسلم یا اس کے کسی دوست سے رابطہ پیدا کرو اور یہ رقم اسے دے کر کہنا میں خود کو اور اس ناچیز رقم کو آپ کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ آپ اسے دشمن کے خلاف اپنی جنگ میں استعمال کریں۔

ابن زیاد نے یہ ہدایت دیتے ہوئے اسے تاکید کی کہ:

"خود کو ایک سچے درجہ اوّل کے شیعہ کی حیثیت سے پیش کرو تاکہ ان کے اداروں میں راہ بنا کر پوشیدہ طور پر ان کے حالات معلوم کرو اور پھر ہمیں ان کی اطلاع دو۔ تمھاری یہ ذمہ داری ہے کہ مسلم اور ان کے دوستوں کے حالات خفیہ طور پر معلوم کرو۔"

"جناب معقل! تمھیں یہ کام بڑی احتیاط اور توجہ کے ساتھ انجام دینا ہوگا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہوسکے کہ تمھارا ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ تمھارا کام جس قدر بڑا اور نازک ہے اسی اعتبار سے تمھارا انعام

بھی بڑا اور قیمتی ہوگا۔ کوشش کرو کہ اس ذمہ داری سے اچھی طرح عہدہ برآ ہوسکو۔"[1]

معقل رقم لینے کے بعد سیدھے بڑی مسجد میں آیا۔ ایک مقدس مآب کا روپ دھار کر عبادت میں مشغول ہوگیا۔

وہ عبادت میں مشغول ہے لیکن اصل فکر اس حکم کی تعمیل ہے جو اسے دیا گیا ہے۔ وہ نماز پڑھ رہا ہے لیکن اس کی آنکھ اور کان دوسروں کی طرف لگے ہوئے ہیں۔

معقل عبادت میں مصروف تھا اچانک اس نے سنا کہ ایک شخص مسلم بن عوسجہ کا تعارف کرا رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ حسینؑ کی بیعت لے رہا ہے یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور قریب آیا۔ اور ابن عوسجہ کے پاس بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس سے بڑی نرمی کے ساتھ بولا:

"اے خدا کے بندے! میں شام سے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کی محبت کے سلسلے میں مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں ان سے بڑا دلی تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی شخص کوفہ میں آیا ہے اور حسینؑ کی بیعت لے رہا ہے۔ اور میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور حالات اس وقت جیسے کچھ بھی میں نے دیکھے ہیں ..."

معقل یہ کہہ کر زار زار رونے لگا اور اس نے ایسی طرفداری کا مظاہرہ کیا کہ

---

[1] اصل جملہ بہت دلچسپ اور صحیح ہے لیکن شبہ اس امر میں ہے کہ وہ قبول کیا جائے۔

عوسجہ متاثر ہوگیا۔ اپنا رونا اور اپنی باتیں جاری رکھتے ہوئے اس نے تین ہزار کی رقم پیش کی اور کہا:

"میں یہ رقم تمھارے حوالے کرتا ہوں اب تم مجھے اس شخص تک پہنچا دو۔"

معقل نے اس قدر اصرار کیا کہ عوسجہ نرم پڑ گیا اور اس نے کہا:

"میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اس حیثیت سے پہچانے تم اجنبی ہو اور یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف نہیں ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ شہر ظالم حکام کے ظلم و ستم کی بنا پر کس طرح زندگی گزار رہا ہے۔ یہاں ذرا سے شبے پر لوگوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے اور بغیر تحقیق کے انھیں سزا دی جاتی ہے۔ لیکن اب کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے۔ بہت پوشیدگی کے ساتھ یہیں اپنا ہاتھ بیعت کے لیے بڑھاؤ تاکہ میں تمھیں حسینؑ کے نمائندہ مسلم کے پاس لے چلوں۔"

نظام جاسوسی کے اس کارپرداز معقل نے بڑی مہارت کے ساتھ پہلے ہی مرحلے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور اسی شب اسے مسلم بن عقیل کی مجلس میں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ اور رقم اس نے خزانچی (ابو ثمامہ) کے حوالے کی اور تنظیم سے آگاہی حاصل کی۔

اس کے بعد وہ ہر شخص سے پہلے مجلس میں حاضر ہو جاتا اور سب کے بعد وہاں سے رخصت ہوتا اور سخت احتیاط کرتا تاکہ اس پر کوئی ذرہ برابر بھی شبہ نہ کر سکے اور کبھی کبھی عبیداللہ کے پاس جا کر اسے تمام حالات سے باخبر کر دیتا۔

اتفاقاً ان دنوں شریک بن اعور جو بصرہ کے معززین میں سے تھا اور ابن زیاد کے ہمراہ کوفہ آیا تھا بیمار ہو گیا اور اس دلی تعلق کی بنا پر جو وہ ہانی کے ساتھ رکھتا تھا آرام کے لیے اس کے گھر آیا۔

شریک یزید کی جابرانہ حکومت اور ابن زیاد سے دل ہی دل میں بہت ناراض رہتا تھا اور بصرہ میں اس کے استبدادی طریقوں سے بہت رنجیدہ تھا۔ اس طرح اس کی مسلم سے ملاقات ہوئی۔ حالات سے واقفیت کے بعد اس نے مسلم سے کہا:

"ابن زیاد لازماً میری مزاج پرسی کے لیے آئے گا۔ عین اس وقت جب وہ میری احوال پرسی میں مصروف ہوگا۔ اس پر حملہ کر کے اسے ختم کر دینا اس طرح یہ بحران تمھارے مفاد میں ختم ہوگا۔"

ہانی نے جو دونوں مہمانوں کا میزبان تھا، اس منصوبے کی مخالفت کی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ واقعہ اس کے گھر میں پیش آئے اور اصولی طور پر وہ یہ کہتا تھا کہ اسلامی تربیت ایسی بزدلانہ کارروائیوں کی اجازت نہیں دیتی۔

حضرت مسلم نے اس منصوبے کو غیر مناسب سمجھا۔ جس وقت ابن زیاد، ابن اعور کی عیادت کے لیے آیا۔ بیمار کی توقع کے خلاف اس کام سے احتراز کیا۔ ابن اعور نے ایک شعر پڑھا اور ابن زیاد نے خفیہ اطلاعات کی بنا پر کسی خطرے کا احساس کیا اور فوراً اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا اور اس معاملہ کی تحقیقات شروع کرا دی اور اپنے جاسوسوں کے ذریعہ قتل کے اس منصوبے کا پتہ چلا لیا۔

آزادی کی راہ میں دو[۲] قربانیاں

مسلم اور ہانی کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے لیے ابن زیاد بری اور ننگِ انسانیت

تدابیر سوچنے لگا اور اس نے مکر و فریب کی راہ اختیار کی۔

ابن زیاد نے ھانی کے بھتیجے اور خسر (محمد بن اشعث اور عمر بن حجاج) اور ان کے چند وابستگان کو طلب کیا اور جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا،

"ہانی کہاں ہے ؟ وہ ہم سے کیوں نہیں ملتا ؟
ہماری خواہش ہے کہ ہانی جیسی برجستہ شخصیتیں ہمارے
ساتھ ہمارے مقاصد کے لیے کام کریں۔ بڑے افسوس
کی بات ہے کہ ہانی جیسا معزز و محترم آدمی ہمارا
حال نہ پوچھے۔"

ہانی کے رشتہ داروں نے کہا:

"وہ بیمار ہے۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے ورنہ
وہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔"

ابن زیاد نے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی بیماری ختم ہو گئی ہے
اور وہ گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اگر فی الواقع اس کی
حالت اچھی نہیں ہے تو میں اس کی عیادت کے لیے
حاضر ہوں۔ جاؤ میری طرف سے اس کا حال پوچھو
اور پھر مجھے خبر دو۔"

محمد بن اشعث اور عمر بن حجاج ہانی کے پاس آئے اور ابن زیاد سے اپنی ملاقات کا ذکر کر کے اس سے کہا:

"ہمارے ساتھ چلو اور ابن زیاد سے ملاقات
کرو۔"

ہانی کو یہ بات پسند نہیں آئی اور اس نے خطرہ بھی ظاہر کیا لیکن اس کے خسر اور بھتیجے نے کہا:

"یہ تم کیا باتیں کرتے ہو، ابن زیاد تو بڑے احترام و
اکرام کے ساتھ تمھارا ذکر کر رہا تھا کیا وہ تمھارے لیے
کوئی برا ارادہ رکھ سکتا ہے؟"[1]

ان لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ جاسوسوں نے ہانی کے اور اس کے گھر کے حالات کے بارے میں رپورٹیں دی تھیں۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ مکتب معاویہ کے سیاست دان کسی چیز کے پابند نہیں اور مقدسات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ابن زیاد نے معاویہ کے سیاسی مکتب میں تربیت حاصل کی تھی اور اس نے ہانی کے لیے جو چاپلوسی کے جملے استعمال کیے تھے وہ اپنے شیطانی مقصد کو پورا کرنے کے لیے تھے۔

ہانی کے وابستگان ابن زیاد کے شیطانی منصوبوں سے آگاہ ہو گئے تھے۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ انھیں احساس ہوا کہ وہ دھوکہ کھا گئے اور ہانی کا کہنا صحیح تھا۔ مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ہانی، ابن زیاد کی ملاقات کے لیے گورنر ہاؤس میں داخل ہوا لیکن یہاں صورت حال خود اس کے اندیشوں کے مطابق اور ساتھیوں کی توقعات کے بالکل برعکس پیش آئی۔

---

[1] بے شک اے سادہ لوح افراد تمھاری نظر میں ایسا ممکن نہیں ہے لیکن عوام فریبی کی سیاست میں نہ صرف یہ کہ ممکن ہے بلکہ یقیناً اس قسم کے جملوں اور الفاظ سے فریب دینے والوں کے برے ارادے جھلکتے ہیں۔ ہوشیار رہو۔

ابن زیاد نے ہانی کو دیکھتے ہی کہا:

"بہت خوب، ہانی تو اپنے گناہگار قدموں کے ساتھ
خود سزا پانے کے لیے آگیا!"

اس کے بعد ابن زیاد نے قاضی شریح کی طرف رخ کرکے جو قریب ہی بیٹھے تھے کہا:

"جناب شریح! آپ قاضی وقت ہیں اور حقوق سے
متعلق امور و مسائل سے بخوبی واقف ہیں آپ ہی
فیصلہ فرمائیں:

"ارید حیاته و یرید قتلی"
میں ان جناب کی شخصیت اور زندگی کی حفاظت
کے لیے کام کر رہا ہوں اور یہ میرے قتل کا منصوبہ
بناتے ہیں۔"

ہانی نے کہا:

"جناب گورنر! مجھے معاف فرمائیں۔ یہ آپ کیسا الزام
میرے سر تھوپ رہے ہیں۔ نہ بندہ اس طرح کے
خیالات رکھتا ہے اور نہ آدم کشی کے کسی معاملہ میں
میرا کوئی دخل ہے۔"

ابن زیاد نے ہانی کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"جناب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی خبر نہیں رکھتے۔؟
آپ کی تمام خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع ہمیں ملتی رہی ہے؟
ان خفیہ تنظیموں کا کیا مطلب ہے؟ یہ کیا کام ہیں

جو آپ کے دولت خانے میں انجام پاتے ہیں۔ یہ کون سے
منصوبے ہیں جو آپ کی سرپرستی میں تیار ہوتے ہیں۔ ہمیں آپ
کے اس کاروبار کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی علم ہے۔ آپ نے مسلم
کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔ اور آپ حسینؑ کے نام پر
لوگوں سے بیعت لیتے ہیں اور آپ نے اپنے اطراف واقع
گھروں میں اسلحہ اور لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آپ میرے قتل
کا منصوبہ بناتے ہیں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان باتوں
کو بے نقاب نہیں کر سکتے؟"

ھانی نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

"آپ جن باتوں کا ذکر فرما رہے ہیں، ان سے میں
ذرا بھی واقف نہیں ہوں۔ یقیناً لوگوں نے آپ کو
غلط باور کرایا ہے۔"

ابن زیاد نے سخت ناراض ہو کر پھر کہا:

"ہمیں پوری پوری اطلاع ہے۔ لوگوں نے ہم سے
غلط نہیں بیان کیا ہے۔ تم غلط بول رہے ہو۔"

ھانی نے پھر انکار کیا ــــ اس تکرار اور اصرار نے عبیداللہ کو غضبناک کر دیا اور اس نے پکار کر کہا:

"معقل کہاں ہے ــــــــ؟"

"یہاں آ! اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہانی کیا کہتا ہے۔"

ھانی نے جب معقل کا نام سنا تو وہ پوری بات سمجھ گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ معقل دراصل جاسوس اور ابن زیاد کے جاسوسی نظام کا ایک کارپرداز تھا۔

چند لمحوں بعد ہی معقل حاضر ہوا اور اس نے اپنی رپورٹوں کا اعادہ کیا۔
ہانی نے دل میں سوچا۔ اب انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے بہتر ہے کہ سارے معاملہ کو بلا کم و کاست بیان کر دیا جائے۔ یہ سوچ کر ہانی نے کہا:

"میں نے مسلم کو دعوت نہیں دی تھی۔ وہ خود میرے گھر آئے تھے لیکن اُن کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پر میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان خطرناک حالات میں انھیں واپس بھیج دوں اور اُن کی سرگرمیاں جیسی کچھ ہیں ان سے آپ بخوبی واقف ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خود میرے دل میں کوئی بُرا ارادہ نہیں رہا ہے۔ میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ ابھی جا کر انھیں اپنی ذمہ داری سے باہر کر دوں اور ان سے درخواست کروں کہ وہ میرے گھر سے چلے جائیں۔"

ابن زیاد نے کہا:

"کیا خوب! اب تم اعتراف کر رہے ہو اور پھر میرے خلاف کوئی نیا پلان بنا رہے ہو؟ میرے لیے اس وقت تک تمھیں آزاد کرنا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ تم مسلم کو میرے حوالے نہ کر ڈالو۔"

ہانی نے جواب دیا:

"یہ بات ممکن نہیں ہے۔ کیا میں اپنے مہمان کو تمھارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر ڈالو۔؟!"

ابن زیاد نے کہا:

"خدا کی قسم اسے تم میرے حوالے کر دو گے۔"

ہانی نے کہا:

"خدا کی قسم میں اُسے ہرگز تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔"

گورنر شیطان کے روپ میں

یہ بحث طویل ہو گئی اس موقع پر ابن عمر باہلی نے کہا:

"امیر! مجھے اجازت دیجیے میں ہانی سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔"

یہ شخص معاویہ کے مکتبِ سیاست کا تربیت یافتہ تھا اور اسے عوام فریبی میں مہارت حاصل تھی۔

اسے اجازت مل گئی اور وہ ہانی کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنے مکتبِ سیاست کی عوام فریبانہ باتیں شروع کر دیں:

"جنابِ ہانی! ابن زیاد، مسلم کے لیے کوئی برا ارادہ نہیں رکھتے۔ مسلم کے تو ان سے خاندانی روابط ہیں۔ انھیں اذیت دینا یا ان کی شان میں کوئی جسارت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اصل مقصد صرف یہ ہے کہ آتشِ جنگ و خونریزی کو خاموش کر دیا جائے۔ آپ بھی اس بات کو پسند نہ فرمائیں گے کہ ایک معمولی بات کے لیے خون خرابہ ہو۔
جنابِ ہانی! آپ کا ضد کرنا خود آپ کے مرتبہ کے

لیے اور آپ کے خاندان کے لیے نقصان دہ ہے۔
عین ممکن ہے کہ آپ کی زندگی کے لیے خطرہ پیدا ہو
جائے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ آپ مسلم کو حوالے
کر دیں، فتنہ ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ مسلم کی شان میں ذرا سی بھی جسارت نہیں
کی جائے گی، کجا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ مسلم کے
حوالے کرنے سے نہ آپ کی دنیا کو کوئی نقصان پہنچے
گا اور نہ آخرت کو۔ دنیوی نقطۂ نظر سے تو یہ بات
ہو گی کہ آپ نے اسے حکومت کی تحویل میں دیا ہے
اور آخرت کے نقطۂ نظر سے یہ بات آپ کے لیے
اطمینان بخش ہو گی کہ وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس
لیے آپ کی کوئی ذمہ داری و جوابدہی نہیں ہو گی۔"

ابن عمر باہلی کی عوام فریبانہ باتیں جب یہاں تک پہنچیں تو ہانی کو غصہ آیا۔
ہانی ایک روشن ضمیر انسان تھا، وہ بیدار مغز تھا اور وہ یزید کی حکومت کے مکر و
فریب سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے پوری سختی کے ساتھ بآواز بلند کہا:

"یہ تو کیسی باتیں کرتا ہے۔ مسلم کے حوالے کرنے سے تو
میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں گے۔
یہ کام تو دونوں جہان میں میری صلاح و فلاح کے
خلاف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مسلم کو تمھارے
ہاتھ میں دے دوں اور تمھارے ہاتھوں اسے قتل
کروا دوں اور خود زندہ رہ جاؤں۔ میرا قبیلہ اور

میرے دوست بہت ہیں، اگر میرا کوئی ساتھی بھی باقی
نہ رہے تب بھی میں اسے تمھارے حوالے نہیں
کروں گا بجز اس کے کہ میں خود اس کی راہ میں مارا
جاؤں ـ!"

جب بحث اس حد تک پہنچ گئی تو ابن زیاد نے بڑی بے شرمی کے ساتھ مداخلت
کرتے ہوئے کہا:

"جناب ہانی! خدا کی قسم! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں
کہ آپ مسلم کو میرے حوالے کر دیں یا پھر میں آپ
کا سر قلم کر دوں۔"

ہانی نے جواب دیا:

"میں مسلم کو تو تیرے حوالے نہیں کروں گا۔ لیکن میرا
قتل کرنا تجھے بہت مہنگا پڑے گا۔"

ابن زیاد نے غصے سے کہا:

"تو مجھے دھمکی دیتا ہے ــــــــ؟"

اور پھر مغلوب الغضب ہو کر اس نے اپنی چھڑی سے ہانی کے سر اور چہرہ
پر ضربیں لگانی شروع کر دیں اور اس قدر آپے سے باہر ہو گیا کہ ایک شخص سے تلوار
لے کر اسی جگہ ہانی کو قتل کرنے کے لیے بڑھا۔[1]

اس موقع پر دوسروں نے مداخلت کر کے تلوار اس کے ہاتھ سے لے لی اور ہانی
کو خون آلود چہرے کے ساتھ ایک دوسرے کمرے میں بٹھا دیا اور ایک سپاہی کو اس

---

[1] ایک ظالم حکومت کے گورنر کا سلوک ملاحظہ کریں اور اس پر غور کریں۔

کی نگرانی کے لیے مقرر کر دیا۔

جب بات اس انتہا تک پہنچ گئی تو ہانی کے بھتیجے (اسما بن خارجہ) نے سخت ناراض ہو کر کہا :

"گورنر صاحب! ان مکاریوں کا کیا مطلب ہے ؟
آپ نے تو یہ کہا تھا کہ ہم ہانی کو آپ سے ملاقات
کے لیے لائیں اور آپ نے اس کا بڑے احترام کے
ساتھ ذکر کیا تھا لیکن اب آپ نے اس کے برعکس
معاملہ کو اس حد تک خراب کر دیا ہے۔"

ابن زیاد نے برہم ہو کر کہا :

"فضول باتیں نہ کرو —— خاموش رہو۔ ہم
ہر شخص کو پہلی فرصت میں اس کے کیے کی سزا دے
دیتے ہیں۔"

زیادہ دیر نہ گزری کہ ہانی کے خسر (عمر بن حجاج) نے اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی بڑی جمعیت کے ساتھ مسلح ہو کر گورنر ہاؤس کا محاصرہ کر لیا اور سب شور کرنے لگے :

"ہمارے بزرگ رہبر اور سردار کو تم قتل کرتے ہو۔ ہم
تمھارے ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ——
یہاں تم حکومتِ معاویہ کی حیلہ گری کو رائج کرنا چاہتے
ہو —— !"

ان نعروں نے ابن زیاد کو سخت مضطرب کر دیا اور اس نے قاضی شریح کی طرف رخ کر کے کہا :

"آپ کی بات زیادہ اثر رکھتی ہے۔ آپ جائیں، پہلے

ہانی کو دیکھیں اور پھر لوگوں کو بتائیں کہ وہ زندہ ہے
کسی نے اس کی شان میں کوئی جسارت نہیں کی ہے
اور وہ پورے احترام کے ساتھ ہماری نگرانی میں ہے
اس طرح آپ اس ہجوم کو منتشر کر دیں۔"

قاضی شریح نے بڑی عجلت کے ساتھ ہانی سے ملاقات کی ہانی کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کے چہرے اور ناک سے بہت زیادہ خون بہہ گیا تھا اور اس نے کمزوری کی حالت میں کہا :

"کیا میرا قبیلہ مر گیا ہے۔ کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے
اور کیا کوئی بے خبر ہیں کہ اس ظالم آدمی نے میرے
ساتھ کیا کیا ہے۔ اگر ان میں سے دس آدمی بھی یہاں
آجائیں تو وہ مجھے رہا کرا سکتے ہیں۔"

شریح نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور باہر آ کر اس نے لوگوں سے کہا :

"آپ لوگ اس قدر شور اور ہنگامہ کیوں کر رہے ہیں؟
یہاں کیوں جمع ہو گئے ہیں ؟ آپ کی بات امیر تک
پہنچائی گئی، انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ہانی سے ملاقات
کروں اور اس کے حال سے آپ لوگوں کو آگاہ کروں
آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہانی زندہ ہے۔ بلاوجہ آپ
تک غلط باتیں پہنچائی گئیں۔ ہانی امیر کے نزدیک
قابلِ احترام ہے۔ اس کا تعلق بزرگ شخصیتوں سے ہے
آپ لوگ منتشر ہو جائیں اور اپنے اپنے کام میں
مصروف ہو جائیں۔"

ھانی کے حشر نے جب یہ سُنا کہ ھانی زندہ ہے تو اس نے لوگوں کو منتشر ہونے کی ہدایت کی اور اس سے زیادہ دباؤ ڈالنے کو اس نے مناسب نہ جانا[1] لوگ منتشر ہو گئے۔ ابن زیاد نے جب یہ دیکھا کہ ہنگامہ ختم ہو گیا ہے تو وہ دوبارہ اپنی سخت سیاست کے پیچھے چل پڑا اور ایک حفاظتی دستے کے ساتھ مسجد میں آیا اور منبر پر پہنچ کر اپنی پچھلی باتوں کی تکرار کرنے لگا۔

اس نے کہا:

"لوگو! خوف کرو اور امیر کے فرمان کی مخالفت نہ کرو اور خود کو ہلاکت و ذلت سے دوچار نہ کرو۔ مخالفین کی سزا لازماً قتل ہے۔ جو لوگ یہاں آکر سر تسلیم خم کریں گے ان کا عذر قبول کر لیا جائے گا۔ ورنہ ان کا تعاقب کیا جائے گا۔"

ابن زیاد کی باتیں ختم ہو گئیں ابھی وہ منبر سے نہیں اترا تھا کہ لوگوں نے بتایا مسلم بن عقیل مسجد کی طرف آ رہے ہیں۔ ابن زیاد تیزی سے گورنر ہاؤس کی طرف روانہ ہو گیا اور اپنے معززین اور طرفداروں کی بڑی تعداد کو جمع کر لیا اور دارالامارۃ کے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

---

[1] افسوس ہے اس جماعت پر جس کے مشیر ایسے بزدل اور ڈرپوک لوگ ہوں کہ وہ چھوٹے خطرہ کا راستہ نہیں روکتے یہاں تک کہ کام زیادہ نازک اور بے قابو ہو جاتا ہے۔

انقلاب کوفہ کی آخری موج

مسلم بن عقیل کو جب ھانی کے حالات کا علم ہوا تو انھوں نے منادی کو حکم دیا کہ وہ عام اعلان کر دے تاکہ تمام طرفدار جمع ہو جائیں۔

پہلی اور دوسری آواز ہی میں چار ہزار افراد جو اطراف کے گھروں میں آمادہ و تیار تھے جمع ہو گئے اور جلد ہی مسجد اور اطراف کی گلیاں ان لوگوں سے بھر گئیں۔ مسلم نے ہر قبیلہ کے لیے ایک سربراہ مقرر کر دیا اور منظم طریقہ پر وہ گورنر ہاؤس کی طرف چل پڑے اور ابن زیاد کے لیے سخت مشکل پیدا کر دی[1] اس موقع پر ابن زیاد نے

---

[1] یہاں بنیادی خرابی یہ تھی کہ دوسروں کی مداخلت کا اثر قبول کر کے اور اصل ہدف سے نظر ہٹا کر اور معاملہ کو معمولی ظاہر کر کے ہانی کی حمایت میں نعرے بلند کیے گئے (باقی اگلے صفحہ پر)

اپنے ترکش کا آخری تیر چلا دیا اور سیاست سے یعنی لڑاؤ اور حکومت کرو کی پالیسی سے استفادہ کر کے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔

اس نے ان معززین کو جو وہاں موجود تھے طلب کیا اور قوم و قبیلے کی مناسبت سے ان میں سے ایک ایک کو گورنر ہاؤس سے باہر بھیجا تاکہ وہ اپنے گندے پروپیگنڈہ سے کام لے کر اور جیسی بھی باتیں مناسب سمجھیں بنا کر لوگوں کو منتشر کر دیں البتہ ان سب کو ابن زیاد نے یہ ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو شام کے لشکر اور حکومت معاویہ و یزید کی فوجی طاقت سے ضرور ڈرائیں۔

ان خوشامدی اور چاپلوس طرفداروں نے جو چند لقموں کے عوض ہر ذلت و خواری کے لیے آمادہ رہتے ہیں اور ہر غلط کام انجام دینے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ گورنر ہاؤس سے باہر آ کر لوگوں کو طرح طرح کی باتیں بنا کر متفرق کرنا شروع کر دیا۔

ان میں سے ایک کہتا:

"کیا تمھارے اہل و عیال نہیں ہیں ——؟ کیا تمھیں اپنی جان پیاری نہیں ——؟ ان مظاہروں سے باز آجاؤ۔ کیا تمھیں لشکر یزید اور حکومت شام کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے ——؟ امیر کی طاقت کے سامنے تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے تمھارا مفاد اسی میں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اسی لیے ابن زیاد کے منصوبوں کے مقابل شکست کھانی پڑی حالانکہ یہاں کسی ایک شخص کا مسئلہ نہیں تھا۔ انھیں تو گورنر ہاؤس پر قبضہ کر کے ابن زیاد کو باہر نکال کر حکومت پر قابض ہو جانا چاہیے تھا تاکہ یزید اور ابن زیاد کے استعماری و استبدادی چنگل سے نجات حاصل کرنے کا ہدف پورا ہو سکے۔

ہے کہ تم اس قسم کے کاموں سے کوئی تعلق نہ رکھو تمھیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ ابن زیاد کی حکومت ہو یا کسی اور کی۔"

ایک دوسرے نے کہنا شروع کیا:

"لوگو! آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ اب اس طرح کے کام کے لیے وقت باقی نہیں رہا ہے۔ اپنے گھروں کا رخ کرو اور بیوی بچوں کے پاس جاؤ۔ اور لشکر شام سے ڈرو۔ امیر کو ہر طرح کے اختیارات دیے گئے ہیں وہ موافقین کو زیادہ سے زیادہ انعام اور مخالفین کو سخت سزا دے گا۔"

ایک تیسرے شخص نے پرچم بلند کر کے آواز دی:

"میرے قبیلے کا جو بھی شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اس کے لیے امان ہے۔ ورنہ اسے باغی قرار دے کر قتل کر دیا جائے گا۔"

آخر اس عوام فریبی کے ذریعہ لوگوں کو منتشر اور مسلم کی کوششوں کو بے نتیجہ بنا دیا گیا۔ مسلم جب نماز مغرب ادا کرنے کے لیے مسجد میں آئے تو ان کے ساتھ صرف تیس[1] آدمی رہ گئے تھے اور وہ بھی نماز کے بعد متفرق ہو گئے۔ مسلم جب مسجد سے باہر نکلے تو کوئی ایک شخص بھی ان کی خدمت میں موجود نہیں تھا۔

مسلم موجودہ صورت حال اور عالم اسلام کے مستقبل پر غور کرتے ہوئے بغیر کسی منزل اور ہدف کے کوفہ کی گلیوں میں چلے جا رہے تھے کہ انھوں نے ایک خاتون کو مکان کے دروازے پر کھڑے ہوئے دیکھا جو اپنے بیٹے کی واپسی کی منتظر تھی۔

مسلم نے خاتون سے تھوڑا سا پانی پینے کے لیے مانگا۔ اس خاتون نے بڑے ادب سے جواب دیا اور گھر کے اندر جاکر پانی لے آئی اور مسلم کو پیش کیا۔ مسلم نے پانی پینے کے بعد برتن واپس کر دیا۔

خاتون گھر میں گئی اور برتن رکھ کر دوبارہ دروازے پر آئی اور دیکھا کہ یہ اجنبی شخص دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ خاتون نے کہا:

"جناب آپ کیوں اپنے گھر نہیں جاتے، کیا آپ کو شہر کے حالات کی خبر نہیں، یہاں بیٹھنا آپ کے لیے سود مند نہیں ہے اور اصولاً میں اس کو پسند نہیں کرتی کہ آپ میرے گھر کے دروازے پر بیٹھیں ـــ"

مسلم فوراً اپنی جگہ سے یہ کہتے ہوئے اٹھے:

"یہاں میرا نہ کوئی گھر ہے نہ ٹھکانہ ـــ"

محترم خاتون جس کا نام "طوعہ" تھا ان کے منہ سے بات لیتے ہوئے بولی:

"کیا آپ کوفہ کے شہری نہیں ہیں ـــــ؟"

جواب ملا:

"نہیں ـــــ میں مسلم بن عقیل ہوں۔"

"حیرت ہے، آپ مسلم بن عقیل ہیں؟ تشریف لائیے! تشریف لائیے! ہمارا یہ گھر آپ ہی کا گھر ہے۔ ہمارا یہ گھر آپ کے لائق تو نہیں ہے۔"

یہ کلمات کہتے ہوئے محترم خاتون نے مسلم بن عقیل کی گھر کے اندر رہنمائی

کی اور انھیں ایک حجرہ میں پہنچا دیا جو اہل خانہ کی رہائش کے کمرہ سے دور تھا۔ کمرہ میں ایک مختصر سا فرش بچھا ہوا تھا۔ طوعہ آپ کے لیے کھانا لے آئی اور ضرورت و آرام کا سامان فراہم کر دیا۔ لیکن طوعہ نے دیکھا کہ مسلم سخت بے چین و مضطرب ہیں اور کھانا کھانے اور آرام کرنے کی بجائے وہ عبادت میں مصروف ہیں اور کسی خاص فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس خاتون کا فرزند بھی آ گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ کوئی مہمان گھر میں آیا ہوا ہے۔ ماں نے بیٹے کے سخت اصرار پر قسم دے کر بتایا:

"مسلم آج رات ہمارے مہمان ہیں۔"

اس حال میں مسلم نے اپنی زندگی کی آخری رات بسر کی اور اس صبح سعادت کا استقبال کیا جو ۹ر ذی الحجہ ۶۰ھ کی آمد کا پتہ دے رہی تھی۔

"لوگوں کے منتشر ہو جانے اور نماز مغرب کا وقت گزرنے کے بعد ابن زیاد نے دیکھا کہ مسلم کے طرفداروں کی کوئی آواز اس کے کانوں میں نہیں پہنچ رہی ہے۔ اس نے حکم دیا کہ:

"تحقیق کرو کہیں وہ لوگ مسجد میں نہ موجود ہوں۔ یا گورنر ہاؤس کے اطراف مورچہ جما کر نہ بیٹھے ہوں۔"

اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ابن زیاد مخصوص دروازے سے محافظوں اور طرفداروں کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں آیا اور منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پکارے اور بتائے کہ:

"جو بھی نماز عشاء کے لیے مسجد میں آئے گا اسے امان حاصل ہوگی۔"

زیادہ دیر نہیں گزری کہ مسجد لوگوں سے بھر گئی۔ ابن زیاد نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ پہلی صف اس کے محافظوں اور طرفداروں پر مشتمل تھی اور ان ہی لوگوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

نماز کے بعد وہ منبر پر گیا۔ اور ان ہی باتوں کی تکرار کی جو وہ پہلے کئی بار کہہ چکا تھا پھر وہ اس نکتہ پر پہنچا اور کہنے لگا:

"حضرات! آپ نے دیکھا کہ مسلم یہاں آیا اور پھر اس
نے کیسا اختلاف اور فتنہ برپا کیا۔ الحمدللہ! اب یہ
فتنہ خاموش ہو گیا ہے۔"

پھر اس نے شہر کے کوتوال (حصین بن نمیر) کی جانب رخ کیا اور کہا:

"افسوس اس حالت پر اگر مسلم کوفہ سے نکلنے میں کامیاب
ہو جائے۔ تم شہر کے تمام دروازوں کو کنٹرول کرو۔
جناب حصین! میں نے تمھیں شہر کے تمام لوگوں کی
زندگی اور ان کے گھروں پر اختیار دیا ہے۔ تمھارا کام
یہ ہے کہ مسلم کو تلاش کرکے اسے ہمارے حوالے کرو۔"

اور پھر اس نے مزید تنبیہ کی:

"افسوس ہے اس شخص پر جس کے گھر میں مسلم ہو اور
وہ ہمیں اطلاع نہ دے۔"

"اگر کسی نے ہمیں مسلم کی اطلاع دی تو اسے پورا پورا
انعام دیا جائے گا۔" (نفلہ دیتہ)

ابن زیاد نے بات یہاں ختم کر دی اور منبر سے اتر کر گورنر ہاؤس کی طرف چلا گیا اس کے جانے کے ساتھ ہی اس کی ان باتوں کا سارے شہر میں چرچا ہونے لگا۔

وہ رات ــــ یعنی انقلابِ کوفہ کی آخری رات ــــ مسلم کی زندگی کی آخری رات ــــ کوفہ کی تاریخ کی سیاہ ترین رات ختم ہوئی اور صبح طلوع ہو گئی۔

صبح ہوتے ہی اس خاتون کے بیٹے کو انعام حاصل کرنے کی خواہش نے بے چین کر دیا۔ اور اس نے حکومت سے وابستہ ایک شخص سے رابطہ قائم کیا اور اس طرح راز فاش ہو گیا۔ اور معلوم ہو گیا کہ مسلم کی پناہ گاہ کہاں ہے؟

ابن زیاد نے بڑی تیزی کے ساتھ ستر افراد پر مشتمل سپاہیوں کا ایک دستہ تشکیل دیا اور ایک سخت گیر آدمی عبیداللہ سلمی کو اس کا افسر مقرر کر دیا تاکہ وہ مسلم کو گرفتار کرکے لے آئے۔

ابھی آفتاب نے کوفہ کے گلی کوچوں کو پوری طرح روشن نہیں کیا تھا کہ گھوڑے کے سموں کی آواز نے مسلم کو خطرے سے آگاہ کر دیا اور انھیں جلدی سے تیار ہو کر باہر آنے اور جنگ کرنے کا اشارہ مل گیا۔

مسلم نے سوچا:

"اس گھر میں بیٹھے رہنا اور اس محترم خاتون کے
لیے مزید مشکلات پیدا کرنا مناسب نہیں۔ خاموشی
سے بیٹھے رہنا اور دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا
بھی مناسب نہیں۔ مجھے اپنی طاقت کے مطابق
اپنا اور اپنے مقدس ہدف کا دفاع کرنا چاہیے۔"

ابھی مسلم نے اپنے حجرے سے قدم باہر نہیں رکھے تھے کہ ستر افراد کی یہ فوج طوعہ کے گھر میں گھس آئی۔ مسلم نے تلوار سونت کر ان پر حملے شروع کر دیے اور انھیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ اور اس کوچہ کو میدان کارزار

میں تبدیل کردیا۔ جنگ شروع ہوگئی۔ ابن زیاد کے بہت زیادہ آدمی قتل ہوگئے
آخر پھر اسی مکر و فریب سے کام لیا گیا۔ یعنی مسلم سے امان دینے کے وعدے
کرکے انھیں گرفتار کرلیا گیا۔ اور قیدی کی حیثیت سے گورنر ہاؤس لایا گیا۔

ابن اشعث نے مسلم کی گرفتاری کے واقعہ اور اس کی تفصیلات سے
ابن زیاد کو آگاہ کیا اور اس نے بتایا کہ کس طرح امان دینے کی تدبیر کامیابی کا
سبب بنی۔

ابن زیاد نے کہا:

"میں نے تمھیں اس کی گرفتاری کے لیے مقرر کیا تھا
لیکن تم نے بلاوجہ اسے امان دے دی وہ یقیناً
قتل کیا جائے گا۔"

پھر اس نے مسلم کی طرف متوجہ ہوکر کچھ بے ربط باتیں کیں اور مسلم
سے پوچھا:

"مسلم! تم یہ کیسی کارروائیاں کر رہے ہو۔ تم نے
اختلاف پیدا کیا ہے۔ مسلمانوں کے عصائے
قوت کو توڑنے کا سبب بن رہے ہو۔ تم نے
مسلمانوں کے اندر ایک فتنہ برپا کردیا ہے۔"

مسلم نے اس کی ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہم فتنہ اور اختلاف پیدا کرنے والے لوگ نہیں
ہیں۔ وہ معاویہ اور تیرا باپ تھا جو ان باتوں
اور کاموں کے اہل تھے۔"

یہ گفتگو ہوتی رہی آخر مسلم نے کہا:

"اب جبکہ تو نے میرے قتل کا فیصلہ کرلیا ہے مجھے اجازت
دے کہ میں وصیت کروں۔"

عمر سعد کو اپنے لین دین اور کفن و دفن کے بارے میں وصیت کرنے کے
بعد کہا:

"عمر! سب سے زیادہ جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ
یہ ہے کہ لازماً تو ایک خط حسینؑ کو لکھ۔ اور انھیں
اس ساری صورت حال سے آگاہ کر۔ حسینؑ کو کوفہ
آنے سے منع کردے کیونکہ میں نے حسینؑ کو لکھا تھا
کوفہ کے لوگ اپنے عہد پر قائم ہیں۔ ممکن ہے حسینؑ
اپنے اہل و عیال کے ساتھ آکر خطرناک حالات سے
دوچار ہوجائیں۔"

مسلم نے یہ بات عمر سعد کو بڑی آہستگی اور اخفا کے ساتھ کہی تھی اس
کے باوجود جب مسلم کی بات ختم ہوئی تو اس نے ابن زیاد کی طرف رخ کرکے
مسلم کی کہی ہوئی تمام باتیں آشکار کردیں۔

ابن زیاد نے بلند آواز سے کہا:

"امین آدمی خیانت نہیں کرتا۔ لیکن کبھی خیانت کار کا
امین کی جگہ انتخاب کیا جاتا ہے۔ مسلم کے قتل کرنے
کے بعد تجھ سے اور مسلم کی ان وصیتوں سے ہمیں
کوئی سروکار نہ ہوگا۔ البتہ حسینؑ ہم سے نہ الجھیں
تو ہم بھی ان کے راستے میں نہیں آئیں گے۔"

مسلم کی وصیتیں تمام ہوئیں۔ ان کے قتل کا فرمان صادر ہوگیا انھیں اوپر

کی منزل پر لے گئے اور قتل کرنے کے بعد ان کے مقدس جسم کو نیچے پھینک دیا۔

ابن زیاد مسلم کے قتل سے فارغ ہوا اور لوگوں کو اس طرح کے انجام کی دہشت دلا دی گئی تو ہانی کے قتل کا فرمان صادر ہوا۔ فوراً ہی مسلم اور ہانی کے مقدس سر دو آدمیوں کو دے کر شام بھیجے گئے اور مرکز کو ایک خط بھی لکھا گیا جس میں ان دونوں کی گرفتاری اور قتل کی ساری تفصیل درج تھی۔

یزید نے خط لانے والوں سے سوالات کر کے حالات کی پوری تفصیل معلوم کی اور بہت مغرور اور خوش نظر آنے لگا اور ابن زیاد کو ایک بڑا حوصلہ دلانے والا خط لکھا، جس میں حسینؑ کے بارے میں بھی احکام و ہدایات دی گئی تھیں۔

یزید نے اپنے خط میں لکھا تھا:

"ابن زیاد! تو نے میری توقع کے عین مطابق بڑی احتیاط اور سیاست کے ساتھ اور شجاعت کے ساتھ یہ عظیم کام انجام دیا۔ میری نگاہیں تیری طرف لگی ہوئی ہیں اور تو میرے تعلق خاطر کا پوری طرح مستحق ہے۔ امید ہے کہ تو اس کام کو آخر تک اچھی طرح انجام دے گا۔ میں نے سنا ہے کہ حسین ابن علیؑ نے عراق کی جانب سفر شروع کر دیا ہے۔ پوری توجہ کے

---

[1] عرب کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔ اگر تو موت کے معنی نہیں جانتا تو کوفہ آ اور مسلم کو بالائے بام دیکھ اور ہانی کو میدان میں سولی پر دیکھ۔ انھوں نے کس طرح آزادانہ وار آزادی کے لیے اپنی جان دی ہے۔ اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ساتھ راستوں کو اپنے کنٹرول میں رکھ۔ اور آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھی جانی چاہیے اور ذرا سے بھی شبہ پر لوگوں کو گرفتار کرنے اور انھیں تہمت دے کر قتل کرنے میں دریغ نہ کر اور اپنی کارروائیوں سے متعلق روزنامچہ مجھے بھیجتا رہ۔" والسلام

اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد نے سرزمین عراق کے تمام راستوں پر نظر رکھ کر ممکنہ خطرات کا سد باب کر لیا تھا اور ایک ایسی وسیع فوجی حکومت قائم کر دی تھی جس کی نگرانی اور کنٹرول سے کوئی شہر، گاؤں اور علاقہ باہر نہیں تھا۔

یزید کے خط اور اس کے احکام نے ابن زیاد کی اس کارروائی کی مزید توثیق کر دی۔ چنانچہ حسینؑ اور دوستانِ حسینؑ کا راستہ روکنے کے لیے پورے عراق میں فوجی حکومت کے کنٹرول کو اور سخت کر دیا گیا۔

تیسرا فدائی

کوفہ اب پوری طرح پرسکون تھا۔ ابن زیاد کو حالات پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔ کوچہ و بازار میں حسب معمول لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ لوگ حکومت وقت کے مطیع و فرمانبردار بن گئے۔ البتہ لوگوں کے چہروں سے ایک خوف و دہشت کا اظہار ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ حکومت کی سنگدلی اور خونریزی سے ڈرے ہوئے ہیں۔

ان ہی پرسکون حالات میں محکمہ جاسوسی نے جو ان تمام واقعات کے دوران پولیس اور انتظامیہ کے عملے سے تعاون کرتا رہا تھا ایک شخص کو گرفتار کر لیا۔ اور اس سے پوچھ گچھ کچھ اس طرح شروع ہوئی۔

"تمہارا نام کیا ہے ——؟"

"عبداللہ۔"

"تمہارے باپ کا نام؟"

"یقطر۔"

"شناخت نامہ، اس کے جاری ہونے کی جگہ تاریخ پیدائش وغیرہ۔"

"جناب میں حسینؑ کے دوستوں میں سے ہوں۔"

"کیا کوئی خط تمہیں دیا گیا تھا ——؟"

"ہاں! صحیح ہے۔"

"کہاں ہے؟ ہم اسے دیکھیں گے۔"

"میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔"

"کیوں ——؟"

"تاکہ تم لوگ اس کے مضامین سے واقف نہ ہو سکو۔"

"لازماً یہ حسینؑ کا خط ہوگا اور کوفہ والوں کے نام۔"

"ہاں۔ درست ہے۔"

"تم ان لوگوں کا نام بتاؤ جنھیں حسین نے یہ خط لکھا تھا۔ بتاؤ۔ ورنہ قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں نہ ان لوگوں کا نام جانتا ہوں اور نہ تمہیں بتاؤں گا۔"

"تمہیں منبر پر کھڑے ہو کر حسینؑ اور اس کے ہم فکر ساتھیوں پر تنقید کرنا ہوگی۔"

"اچھا! مجھے منظور ہے۔"

نماز ظہر کے بعد وہ شخص منبر پر گیا اور حکام کی توقع کے خلاف علیؑ اور ان کے خاندان کی تعریف کی اور بنی امیہ کی حکومت پر لعن طعن کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"کوفہ کے باشندے اور حسینؑ کے دوست آگاہ ہوں کہ فرزندِ علیؑ کوفہ کی طرف آرہے ہیں اور ان کے بارے میں تم لوگ کوئی کوتاہی نہ کرنا۔ میں امامؑ کا ایک خط لے کر آیا تھا چونکہ یہ خط میں تم لوگوں تک نہیں پہنچا سکا۔ اپنی جان کی بازی لگا کر یہ پیغام سب تک پہنچا رہا ہوں اور اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

عبداللہ کی بات ابھی ختم نہیں ہونے پائی تھی کہ اسے منبر سے کھینچ کر اتار لیا گیا اور اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔

یہ اس جدوجہد کی راہ کا تیسرا فدائی تھا۔

معزز قارئین!

ان چند صفحات پر آپ دوبارہ نظر ڈالیں۔ ابن زیاد کے طریقۂ کار اور سیاست کا ذرا دقتِ نظر سے مطالعہ فرمائیں! جابروں کے ادارے کس طرح دین اور دلسوزی کا نقاب پہن لیتے ہیں۔ اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے وہ کس طرح حق کے طرفدار بن کر تمام مقدسات کو اپنے گھٹیا مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آپ ذرا ان استعماری حکمرانوں کو دیکھیے کہ وہ کس طرح دین اور مقدساتِ دینی کے نام پر معاشرہ کے سر پر مسلط ہو جاتے ہیں اور ہر حیلہ و مکر سے کام لے کر روشن ترین الٰہی قوانین کو پامال کرتے ہیں ——! ان چند صفحوں کا آپ دوبارہ مطالعہ فرمایئے اور اپنے اجتماعی معاملات میں بیدار رہنے کی کوشش کیجیے اور تدبر کے ساتھ ہدایت کی راہ پر چلیے۔!

استبداد کے خلاف سب سے بڑی جد وجہد

ہم نے جیسا کہ پہلے لکھا ہے حسین بن علیؑ نے شام و دمشق سے ملنے والی اطلاعات کی بنا پر اور اپنے نمائندہ مسلم کے خط اور اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے بے وقت مکہ سے کوچ کیا تھا۔ البتہ مکہ کے گورنر نے ایک جماعت کو روانہ کیا تھا کہ وہ حسینؑ کو واپس لے آئے۔

اس جماعت نے حسینؑ کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور ایک مختصر سی جھڑپ بھی ہوئی۔ آخر وہ جماعت واپس ہو گئی اور بتایا:

"حسینؑ کسی قیمت پر اپنا ہدف ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

حسینؑ کوفہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ لیکن دراصل ان کا یہ سفر اپنے ہدف کی جانب ہے جو صرف عراق میں ہی نہیں ہے۔ حسینؑ نے کوفہ والوں کی دعوت قبول کر کے اور ان کی خواہش پر یہ سفر اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کا مقصد اور مقصود صرف کوفہ میں نہیں ہے۔ حسینؑ کے پیش نظر ایک بڑا ہدف اور عظیم مقصد ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا حسینؑ کا اصل ہدف اسلام اور مسلمانوں کو خاندانِ بنی امیہ کے استعمار و استبداد کے جوئے سے آزاد کرانا ہے۔

اصل مقصد دنیائے اسلام کو بیدار کرنا ہے تاکہ سب جان جائیں کہ بنی امیہ کی ظالم حکومت اسلام اور مسلمانوں کو تباہی کی طرف کھینچ رہی ہے۔

حسینؑ کا نصب العین اسلام کے ان قوانین اور ضوابط کو زندہ کرنا ہے جنھیں معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے اسلامی حکومت کی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پامال کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ہدف بڑے ابتلا و آزمائش کا حامل ہے لیکن حسینؑ کی ہمت بھی بلند اور ان کا ارادہ آہنی ہے۔

اگر دوسروں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں یا وہ نہیں دیکھنا چاہتیں تو کیا کیا جائے۔ حسینؑ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام بنی امیہ کی حکومت کے سائے میں تباہی کی راہ پر بڑھ رہا ہے۔

حسینؑ اس کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ اس تباہی کا راستہ روکا جائے خواہ یہ کوشش خود ان کے سقوط پر کیوں نہ ختم ہو۔

پرپیچ فلسفے اور دوستوں کی تقدس مآبانہ منطقیں اس روشن مسئلے کو حسینؑ کی نگاہوں سے نہیں چھپا سکتی تھیں۔ حسینؑ نے اسلام کی نجات کے

لیے آخری مہم کا آغاز کر دیا ہے جسے بہر قیمت انجام پر پہنچنا ہے۔

مختلف جوابات

یہاں ہم حسین کے دوستوں کی چند باتیں اور جو جواب انھیں دیا گیا اسے نقل کرتے ہیں۔ اس پر غور و مطالعہ آپ کا کام ہے۔

سب سے پہلے حسین کے بھائی محمد بن حنفیہ آئے اور عرض کی:

"بھائی! کیا آپ کوفے کے لوگوں کو نہیں پہچانتے؟ انھوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا! جان من حسین! میں ان دعوت ناموں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ تم اپنے اس سفر کو ملتوی کر دو۔"

امام نے فرمایا:

"میں اگر یہاں رہوں گا تو اس اطلاع کے مطابق جو مجھے ملی ہے میں حرم خدا میں قتل کر دیا جاؤں گا اس طرح خدا کے گھر کی حرمت پامال ہوگی۔"

محمد نے کہا:

"اگر ایسا ہی ہے تو آپ یمن یا اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں چلے جائیے تاکہ کسی کو آپ سے کوئی سروکار نہ رہے۔"

حسین ؑ نے فرمایا:

"اس میں کوئی حرج نہیں میں اس بارے میں

غور کروں گا۔"

دوسرے دن صبح انھوں نے اپنی توقع کے خلاف سنا کہ حسین ؑ نے کوفے کیلیے کوچ کا ارادہ کیا ہے۔ محمد جلدی سے بھائی کے پاس پہنچے اور عرض کی۔

"میرے عزیز حسین ؑ! کیا آپ نے مجھ سے یہ نہیں کہا تھا کہ میری تجویز پر غور فرمائیں گے؟"

"ہاں ——!"

"پھر کس لیے کوفہ کی طرف جا رہے ہیں؟"

"میرے بھائی محمد! اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا ہے، مجھے آپ نے عراق جانے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے شہید دیکھنا چاہتا ہے۔"

"اچھا تو آپ بیوی بچوں کو اپنے ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟!"

کہا کہ:

"اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔"

محمد نے کہا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

اور واپس ہو گئے۔

ابا عبداللہ نے دیکھا کہ محمد کی ساری گفتگو کا محور حسین ؑ کا زندہ اور باقی رہنا تھا۔ اسلام کی سلامتی اور اصل مقصد ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ یمن کی تجویز بھی انھوں نے اس لیے پیش کی تھی کہ وہاں حسین ؑ سے کسی کو کوئی غرض نہ ہوگی۔

مجبوراً حسینؑ کو یہ کہنا پڑا تھا کہ اچھا میں اس پر غور کروں گا۔ اب دوسری بار پھر حسینؑ کو یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے اصل ہدف کو وضاحت کے ساتھ نہیں بتا سکتے ہیں۔ اور محمد کا طرزِ فکر اصل ہدف سے ہم آہنگ بھی نظر نہیں آتا مجبوراً حسین کو اپنا خواب بیان کرنا پڑا۔

کیا فی الواقع اللہ تعالیٰ یہ چاہتا تھا کہ حسین قتل ہوں اور ان کے بیوی بچے قید ہو جائیں۔ وہ مہربان خدا جو کسی پر چھوٹے سے چھوٹا ظلم بھی ہوتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا وہ کس طرح اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اس کے رسولؐ کا فرزند قتل ہو اور خاندانِ نبوت قید و بند سے دوچار ہو جائے۔

کیا خواب کی بنیاد پر جو فقہی اعتبار سے ذرا سی بھی اہمیت نہیں رکھتا ایک ایسے خطرناک کام میں ہاتھ ڈالنا درست ہے!

کیا خواب پر بھروسہ کر کے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کو خطرے میں ڈالا جا سکتا ہے اور خاندانِ نبوت کو قید و بند کے خطرے میں جھونکا جا سکتا ہے؟!

کیا خدا نے فی الواقع یہ چاہا تھا اور خواب اسی کے مطابق تھا؟ خدا نے کس طرح یہ چاہا اور حسینؑ نے کس طرح یہ خواب دیکھا! اللہ نے ایسا کیوں چاہا اور حسینؑ نے یہ خواب کیوں دیکھا؟! ان تمام پہلوؤں پر مناسب مقام پر بحث کی گئی ہے [1]

---

[1] جہاں تک بندوں کے کام اور خدا کے ساتھ اس کے ارتباط کا تعلق ہے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انسانی افعال خاص طور پر گناہوں اور انحرافات کو اللہ تعالیٰ سے نسبت نہیں دی جا سکتی باوجود اس کے کہ کائنات کے کلی نظام کی رو سے اور اس دلیل کی بنا پر کہ ہر محرک اور عامل اللہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اس طرح کی نسبت دینا صحیح ہے۔ بحیثیت مجموعی جو کام افراد اپنے ارادہ و اختیار سے انجام دیتے ہیں خواہ فلسفہ (باقی اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر آئے اور اپنے مخصوص طرزِ بیان و استدلال کے ساتھ حالات کی خرابی سے آگاہ کیا اور درخواست کی۔

"امامؑ اس سفر کے ارادے کو ترک فرما دیں۔"

حسین ابن علیؑ نے اس سارے اصرار کے جواب میں مختصراً فرمایا:

"ایک حکم ہے جس کی مجھے تعمیل کرنی ہے۔"

(آپ ذرا سوچیں! کیا خدا کے دین کی حفاظت سے بالاتر کوئی ہدایت موجود رہی ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم کوئی ذمہ داری عاید ہوتی ہے؟ نہیں ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ البتہ اس راہ میں مشکلات و خطرات موجود ہیں۔ انھیں حل کرنا چاہیے اور صبر سے کام لینا چاہیے تاکہ کوئی نتیجہ حاصل ہو)

زیادہ دیر نہیں گزری کہ عبداللہ جعفر کا خط پہنچا جو ان کے بیٹے محمد اور عون لے کر

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کے اعتبار سے ان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیوں نہ ہو وہ ان کاموں کے مختار فاعل اور عامل ہی سے منسوب ہوتے ہیں۔ لیکن بہشت و دوزخ اور ثواب و عقاب کا نہیا ہونا ایک دوسرا پہلو ہے۔ اگرچہ کہ خدا جانِ جہان ہے اور کوئی ارادہ اس کے ارادے کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا لیکن ارادہ و اختیار کی صلاحیت کا حامل ہونا خود انسان کو ذمہ دار بناتا ہے۔ علمِ الٰہی جو عین اس کی خواہش و قدرت ہی ہے نظامِ کل سے تعلق رکھتے ہوئے جبر کی دلیل نہیں ہے باوجود یکہ یہ کہا جا سکتا ہے وہ اس نے چاہا ہے۔ یہ وہی جاہلانہ منطق ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ اگر میں شراب نہ نوش کروں تو علمِ خدا جہل قرار پاتا ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر اپنی کتاب "گم شدہ شما" میں مفصل جبر و تفویض میں بحث کی ہے۔

آئے تھے۔ اس خط میں کوفہ کے لیے ہونے والے اس سفر پر سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا گیا تھا:

"حسینؑ! تمھاری زندگی ہدایت کا چراغ اور مومنین کی پناہ گاہ ہے۔ اگر تم قتل کر دیے جاؤ گے تو یہ چراغ بجھ جائے گا اور مومنین کے لیے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہے گی۔ اسلام، مسلمانوں کی اور تمھاری صلاح اسی میں ہے کہ تم اپنے اس سفر کے ارادے کو ترک کر دو۔"

چند روز بعد خود عبداللہ، یحییٰ بن سعید کے ہمراہ آئے۔ وہ عمر بن سعید کا خط اپنے ساتھ لائے تھے۔ وہ حسینؑ سے ملے اور آپ کو اس سفر سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

گفتگو کے بعد ابا عبداللہ الحسینؑ نے فرمایا:

"میں نے خواب دیکھا ہے، میرے نانا نے مجھے حکم دیا ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ اس کی اطاعت کروں"

دونوں نے پوچھا:

"وہ خواب کیا ہے؟ آپ بتائیں تاکہ ہمیں اطمینان حاصل ہو"

حسینؑ نے فرمایا:

"میں نے یہ خواب کسی سے نہیں بیان کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں کسی سے نہیں بیان کروں۔"

محترم قارئین! آپ خود سوچیں! کیا یہ ممکن ہے کہ یہ وہی خواب ہو جس کا ذکر آپ نے محمد بن حنفیہ سے کیا تھا۔ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ پس وہ خواب کون سا تھا جو کسی سے بیان نہیں کیا گیا اور اس بڑے اقدام کی بھی بنیاد بنا؟

جو لوگ کسی منطقی استدلال سے مطمئن نہیں ہوتے یا استدلال کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان سے ان خوابوں کے حوالے سے بحث کی جاسکتی ہے جن کا تعلق روزانہ کے واقعات اور خیالات سے ہوتا ہے۔

حسینؑ نے سوچا:

"عبداللہ جعفر یا یحییٰ بن سعید اس بات کو قبول نہیں کریں گے کہ اسلام اور مسلمانوں کی آزادی کے لیے حسینؑ کا ہلاک ہونا اور ان کے بیوی بچوں کا اسیر ہونا، کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے یا وہ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ اگر حسینؑ نے اپنی جدوجہد کو جاری نہ رکھا تو اسلام اور مسلمان سقوط سے دوچار ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ انھیں یہ مختصر جواب دے دیا جائے۔"

"میں نے خواب دیکھا ہے اور اس کو میں کسی سے نہیں بیان کر سکتا۔"[1]

---

[1] غلط فہمی نہ ہو۔ ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ سرے سے کوئی خواب نہیں تھا۔ یا امامؑ نے کوئی خواب دیکھے بغیر ہی یہ کہہ دیا تھا۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسینؑ کے قیام کی دلیل خواب نہیں تھا۔ وہ صرف خواب دیکھ کر عراق کی طرف نہیں جا رہے تھے (باقی اگلے صفحہ پر)

ایک منطقی جواب

اب ایک سمجھ دار انسان کے لیے ایک منطقی جواب حاضر ہے۔

فرزدق اپنی ماں کو لے کر مکہ جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی ملاقات حسین ؑ بن علی ؑ سے ہو گئی۔ دونوں میں بات چیت ہوئی یہاں تک کہ فرزدق نے کہا:

"حسین ؑ عزیز! میں مختصراً یہ کہوں گا کہ لوگوں کے دل تمہارے ساتھ ہیں لیکن تلواریں تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ لوگ تم کو دوست رکھتے ہیں لیکن طاقت اور ہتھیار تمہارے خلاف ہیں۔ اس کے باوجود قضائے الٰہی آسمان سے نازل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ فعال مایشاء ہے۔

امام ؑ نے فرمایا:

"تم درست کہتے ہو۔ ہر چیز خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر روز ایک ارادہ ہوتا ہے۔ اگر خدا کا حکم بھی ہمارے منصوبے کے مطابق ہو جائے تو ہم اس کے شکر گزار اور سپاس گزار ہوں گے اور اگر قضائے

---

[1] بلا آپ عالم بیداری میں یہ دیکھ رہے تھے کہ اسلام کو ایک بڑا خطرہ درپیش ہے اور آپ پر اس خطرے کو دور کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور اس مقصد کے لیے آگے بڑھنے کے سوا کوئی راہ نہیں ہے۔

الٰہی ہمارے اور ہمارے افکار و عزائم کے درمیان حائل ہو گئی تو اس لیے کہ ہمارا مقصد حق ہے اور ہمارا باطن تقویٰ ہے اللہ تعالیٰ سے ہم دور نہیں ہوں گے۔"[1]

فرزدق نے کہا:

"امید ہے آپ کامیاب ہوں اور اس بلند ہدف کو حاصل کر لیں۔"

اس کے بعد اس نے بعض مسائل حج کے بارے میں پوچھے اور رخصت کی اجازت حاصل کی۔

اسی طرح کا جواب امام ؑ نے "طرماح" کو دیتے ہوئے فرمایا:

"میں جاتا ہوں۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا لطف دیرینہ ہے، اگر شہید ہو جاتا ہوں تو میری شہادت راہِ حق میں ہو گی۔"[2]

معزز قارئین! آپ خود فیصلہ کریں جو جواب کہ حسین ؑ نے فرزدق کو دیا کیا وہ

---

[1] قال صدقت لله الامر من قبل ومن بعد وکل یوم ربنا هو فی شأن ان نزل القضاء بما نحب فنحمد الله علی نعمائه وهو المستعان علی اداء الشکر وان حال القضاء دون الرجاء فلم یبعد من کان الحق نیته والتقوی سریرته فقلت له اجل بلغك الله ما تحب وکفاك ما تحذر، قال صاحب البحار قال المفید رحمهما الله.....

[2] فان یدفع الله عنا فقدیماً ما انعم علینا وان یکن ما لا بد منه ففوز وشهادة ان شاء الله۔ بحار ج ۱۰۵ ص ۱۸۵

اس جواب کے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے جو آپ نے محمد، یحییٰ یا عبداللہ کو دیا تھا؟ جب کہ ان تمام جوابوں کا تعلق اسی ایک موضوع سے تھا۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے طرز فکر اور ان کے درجۂ معلومات کو پیش نظر رکھتے تھے اور اسی کے مطابق جواب ارشاد فرماتے تھے۔

لیکن جب ہم آپ کے جوابات میں ایک منطقی جواب پاتے ہیں تو ہم ان جوابات کو آپ کے اقدام کی حقیقی دلیل قرار نہیں دے سکتے۔ جو آپ نے بعض لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے دیے ہیں۔ اگر مسئلہ خواب ہی کا مسئلہ ہوتا تو آپ نے اسے فرزدق سے کیوں نہیں بیان کیا، اگر موضوع کا تعلق صرف خواب سے تھا تو آپ نے فرزدق سے لوگوں کے حالات کے بارے میں کیوں استفسار فرمایا۔

اگر آپ خواب ہی کی بنا پر شہید ہونے کے لیے جا رہے تھے تو آپ نے بصرہ کے دوستوں کو کیوں خط لکھ کر انھیں حکومت یزید کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دی ـــــــ؟

بصرہ کے دوستوں کو حسینؑ کی دعوت

ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے بصرہ کے دوستوں کے نام آپ کے خط اور ان کے مثبت جواب کا خلاصہ پیش کریں گے اور پھر دوسرے واقعات کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

اباعبداللہ الحسینؑ نے بصرہ کے بعض معززین کو جو آپ کے دوستوں میں سے تھے خط لکھا اور انھیں اس جد و جہد کی جانب متوجہ فرما کر بنی امیہ کی جابرانہ حکومت اور استبداد کے خلاف مدد چاہی۔ ان میں سے دو اشخاص یزید بن مسعود اور منذر بن جارود تھے باوجود اس کے کہ منذر، حسینؑ کے دوستوں میں سے تھے انھوں نے گمان کیا کہ ابن زیاد نے یہ

خط بھیج کر انھیں آزمایا ہے اور پیغام رساں کو خط سمیت ابن زیاد کے حوالے کر دیا۔ اور اس نے بھی فوراً پیغام رساں کو قتل کر دیا[1]

لیکن ابن مسعود نے اس وقت کی صورتحال کے پیش نظر تین قبیلوں تمیم، حنظلہ اور سعد کی خفیہ میٹنگ کی اور اس میٹنگ میں تفصیلی طور پر حالات بیان کر کے یزید کے استبداد کے خلاف اور حکومت معاویہ کے ظلم کے خلاف حسینؑ کا ساتھ دینے کو ضروری قرار دیا۔ سب نے اثبات میں جواب دیتے ہوئے حمایت ظاہر کی ابن مسعود نے بھی حسین کے خط کا جواب لکھ کر اپنی اور ان قبائل کی آمادگی کا اعلان کیا۔

لیکن افسوس کہ جب یہ لوگ تیار ہو کر باہر آئے تو انھیں حسینؑ کی شہادت کی خبر دی گئی۔

اگر حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ تنہا جا کر شہید ہو جائیں تو اس خط اور اس جیسی دوسری باتوں کی کیا ضرورت تھی؟

امام حسینؑ ایک واضح ہدف کی خاطر کوفہ جا رہے تھے۔ اس راہ میں قربان ہونا ان کے نزدیک ایک ناچیز قربانی تھی اور وہ کامیابی کی امید رکھتے تھے اور شکست و شہادت کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار تھے حسینؑ کا ایک ہدف تھا کہ اگر وہ انھیں بھاری سے بھاری قیمت دے کر حاصل ہو جاتا تو پھر بھی ارزاں تھا۔

اباعبداللہ حسینؑ، مکہ سے کوچ کر کے اس ہدف کی جانب رواں دواں

---

[1] دیکھیے استبداد اور ستمگری کس انتہا تک پہنچ گئی؟ ایک اسلامی حکومت کا گورنر اپنا یہ حق سمجھتا ہے کہ وہ پیغام رساں کو بغیر مقدمہ چلائے قتل کر دے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ خط تمھاری حکومت کے مفاد کے خلاف تھا۔ لیکن اس کی سزا قتل کیوں؟ اسلام کہاں گیا۔ کون سا قانون قانون شکنیوں کی اجازت دیتا ہے؟

ہیں۔ ہدف کی جانب جانے والے راستے کو انھوں نے اس طرح طے کیا کہ کوئی طاقت نہ انھیں اس راستے سے واپس لاسکتی تھی اور نہ ان کے قدموں میں لغزش پیدا کرسکتی تھی۔

ایک ناگوار خبر

آفتاب نے مغرب کے پردے کے پیچھے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا۔ اس کی سنہری شعاعیں آہستہ آہستہ حسینؑ کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔ اس صحرا کی پرسکون اور وسیع فضا پر ایک خوف و وحشت کی کیفیت طاری تھی۔ امام حسینؑ اپنی راہ پر بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ اور ان کا ذہن روشن اور انسانی افکار سے پُر تھا اچانک آپ اس سوار کی جانب متوجہ ہوئے جو کچھ فاصلے سے گزر رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ کی طرف سے آرہا ہے، اگر اس سے کوفہ کے حالات معلوم کیے جائیں تو یہ کچھ برا نہ ہوگا۔

اسی خیال سے آپ نے کچھ توقف کیا لیکن پھر اس طرف سے اپنی توجہ ہٹالی سوار اپنے راستے پر آگے چلا گیا اور حسینؑ اپنے راستے پر آگے بڑھتے رہے۔

راوی کہتا ہے، میں اور میرا ایک رفیق مکہ سے واپس آرہے تھے۔ ہم عجلت کے ساتھ سارا راستہ طے کرکے یہاں پہنچے تاکہ معلوم کریں حسینؑ کا کام کہاں تک آگے بڑھا ہے ہم جس وقت پہنچے حسینؑ کا قافلہ بھی اسی جگہ کچھ دیر کے لیے رُکا۔

ہم نے جب حسینؑ کے توقف اور اس سوار کی جانب ان کی توجہ کو دیکھا تو ہم سمجھ گئے کہ حسینؑ کوفہ کے حالات سے باخبر ہونا چاہتے ہیں۔

میں نے اپنے رفیق سے کہا

"آؤ! اس عرب سوار سے ملتے ہیں جو راستے سے ہٹ کر

سفر کر رہا ہے۔"

پھر میں نے پہل کرتے ہوئے اس عرب سے پوچھا:

"تم کون ہو اور کہاں سے آرہے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"میں بکر ہوں، میرا تعلق قبیلہ اسد سے ہے اور میں کوفہ سے آرہا ہوں۔"

فوراً اسے پہچان کر میں نے کہا:

"ہم بھی قبیلہ اسد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں عبداللہ بن سلیمان ہوں اور میرا رفیق منذر ہے اب جبکہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہو گئے ہیں بتاؤ کوفہ کا کیا حال ہے؟"

اس سوال پر وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بڑے دکھ کے ساتھ اس نے کہا:

"میں کوفہ سے آرہا ہوں۔ ابن زیاد کی ظالم حکومت نے مسلم اور ہانی کو قتل کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہیں۔"

یہ خبر سن کر ہم بہت رنجیدہ ہوئے۔ پھر اس سوار کو خدا حافظ کہنے کے بعد حسینؑ سے آملے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خبرِ بد انھیں سنا دیں۔

میں نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا، چونکہ حسینؑ مجھے جانتے تھے، میں نے کہا:

"جانِ من حسینؑ! کیا آپ نے اس سوار کو دیکھا تھا جو

کچھ فاصلے سے گزر رہا تھا۔"

حسینؑ نے فرمایا:

"ہاں! میں نے اسے دیکھا تھا اور اس سے مل کر کوئی خبر بھی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ کچھ دور تھا اور پھر ایک خاص راستے پر جانا چاہتا تھا اس لیے میں نے اپنا خیال بدل لیا تھا۔"

میں نے عرض کیا:

"اے فرزند رسولؐ! ہم نے اس سے خبر حاصل کی ہے ہم اسے جانتے ہیں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ہم یہ خبر آپ کو سب کے سامنے بتا دیں یا تنہائی میں عرض کریں ـــ"

ابا عبداللہؑ اس سوال پر اصل مطلب کو بھانپ گئے اور آپ کے چہرہ پر رنج و غم کے آثار ظاہر ہونے لگے پھر اپنے اصحاب اور ساتھیوں پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"میں اپنے ان اصحاب سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا اور اصولاً ہمارا کوئی خفیہ منصوبہ نہیں ہے۔ میری زندگی ہمیشہ ایک کھلی کتاب کی طرح رہی ہے۔"

جب ہم نے مسلم کی شہادت کی خبر سنائی تو امام سخت متاثر ہوئے اور اس حال میں کہ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں "انا للہ وانا الیہ راجعون" کی تکرار کرتے رہے:

"خدا رحمت فرمائے مسلم اور ہانی پر وہ بہشت سعادت

کی طرف چلے گئے جو کچھ ان کی ذمہ داری تھی وہ انھوں نے ادا کی۔ اب بس ہماری ذمہ داری باقی رہ گئی ہے۔"

"حسین جان! اب جبکہ کوفہ اور کوفیوں سے کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ کیا انھوں نے آپ کے نمائندہ مسلم کو گرفتار کر کے اور شہید کر کے وعدہ خلافی نہیں کی ہے ـــــ!؟[1] اب آپ کے لیے وہاں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ یزید کی مخالفت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ یہ سفر یقیناً آپ کی شہادت پر ختم ہوگا۔ ان حالات میں آپ کا کوفہ جانا آپ کے مفاد میں نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ واپس ہو جائیں ـــ"

"حیرت ہے؟ ہم اس ہدف مقدس سے جس کے لیے ہم پیش قدمی کر رہے ہیں کس طرح منہ موڑ سکتے ہیں ہم کسی قیمت پر اس سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہم استبداد و استعمار سے کبھی موافقت نہیں کریں گے۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بیٹھے ہوئے ان نام نہاد رہبروں کو دیکھتے رہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو سقوط اور تباہی کے راستے پر لے جا رہے ہیں۔ ہم اپنے ہدف کے لیے اس وقت تک جد وجہد کرتے رہیں گے جب تک کہ ہمیں

---

[1] حسین ابن علیؑ نے طرماحؓ کے جواب میں فرمایا: جس نے آپ کو اپنے قبیلہ میں آنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے اس قوم سے وعدہ کیا ہے اور میں اس کی خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا۔

اس راہ میں شہید نہ کر دیا جائے۔ ہم جلتے رہیں گے تاکہ دنیا کو روشن کریں۔"

"اب کہ راہزنوں نے راستے کو دور کر دیا ہے اور حکومتِ کوفہ کو ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر کر چلے گئے ہیں اور ہمارے نمائندے کو انھوں نے قتل کر دیا ہے۔ ہمارا ہدف گم نہیں ہوا ہے اور ہماری روح اور ہمارا جذبہ باقی ہے اور ہم نے اس ہدف کے لیے ایک بڑے فدائی کی قربانی دی ہے ہم اس سے منہ نہیں موڑیں گے اور اصل مقصد کی طرف بڑھتے رہیں گے۔ بس یہ کہ اب ہمارا راستہ کچھ دور ہو گیا ہے اور قتل ہو کر اور شہید ہو کر ہم اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔ میں نے اس قوم کے ساتھ موافقت نہیں کی ہے اور یہ لوگ اس وقت تک مجھ سے دست بردار نہیں ہوں گے جب تک وہ میرے سینے سے میرا دل نہ نکال لیں۔ جب معاملہ اس انتہا کو پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو ان پر مسلط کر کے ان کے ظلم و ستم کی بنیاد کو ڈھا دے گا۔"

"بنو عقیل۔ یہ ہے میرا نقطۂ نظر مسلم کی شہادت کے

بعد اب تمہارا کیا خیال ہے؟"

سب نے کہا:

"ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ ہم اپنے مقصد کے لیے پیش قدمی کریں گے۔ یا تو کامیاب ہوں گے یا پھر ہم بھی اس نیک انجام کو پہنچیں گے جس سے مسلم بہرہ مند ہوئے۔"

آخری منزل

ابا عبداللہ الحسینؑ اپنے ہدفِ مقدس پر نظریں جمائے برابر پیش قدمی کرتے رہے اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے رہے اور جہاں بھی ضروری ہوا آپ نے لوگوں کو مخاطب کیا بعض آپ سے آکر مل گئے اور بعض آپ سے راستہ میں الگ ہو گئے۔

قافلۂ حسینی پوری سرگرمی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ ایک خاص خاموشی ہر فرد پر طاری تھی۔ ہر شخص آنے والے نادیدہ مستقبل کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کہ اچانک تکبیر کی صدا بلند ہوتی ہے۔ حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک نے باصدائے بلند اللہ اکبر کہا تھا۔ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور پوچھا:

"کیوں تکبیر کہتے ہو؟ یہ تکبیر کا کونسا وقت ہے؟"

اس نے کہا:

"مجھے کوفہ کے نخلستان نظر آ رہے ہیں۔"

جو لوگ کہ راستے سے واقف تھے ہنسنے لگے اور انھوں نے کہا:

"یہ مقام کہاں اور کوفہ کہاں؟"

غور سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا ایک مسلح لشکر چلا آ رہا ہے اور دور سے ان کے نیزوں کی انیاں نظر آ رہی ہیں جو بظاہر کوفہ کے آثار نظر آ رہی تھیں۔

فاصلہ طے ہونے لگا۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے قریب ہونے لگیں۔ یہ ایک ہزار افراد کا دستہ تھا جو حُرّ بن یزید کی کمان میں اس جگہ پہنچا — پیاس اور تکلیف کے شدید آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہے تھے۔

حسین ابن علیؑ نے حکم دیا:

"ان تمام لوگوں کو پوری طرح سیراب اور ان کے جانوروں کو نیم سیر کیا جائے۔"

یہاں تک کہ اس لشکر کے آخری آدمی تک کو پانی پلا کر جان فرسا پیاس سے نجات دلائی گئی۔

اس خاطر و مدارات نے بات چیت کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ نمازِ ظہر کا وقت قریب آ گیا۔ حسینؑ نے حکم دیا:

"مؤذن اذان کہے۔"

اذان کی آواز بلند ہوئی۔ سب نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ فرزندِ رسولؐ نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"کوفہ کے لوگو! تم نے مجھے دعوت دی تھی تاکہ حق و عدالت کے راستے میں ہم ایک دوسرے کی مدد کریں۔ اگر تم ابھی تک اپنی اس دعوت پر قائم ہو تو ابھی دستِ حمایت بڑھا کر بیعت کرو۔ ورنہ بتا دو تاکہ ذمہ داری واضح ہو جائے اور میں کسی اور طرف کا رُخ کروں۔"

سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہ کہا۔

امامؑ نے فرمایا:

"جنابِ حُر! آپ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کریں اور میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔"

حُر نے کہا:

"نہیں فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ آگے آئیں اور نماز پڑھائیں۔ ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔"

نماز ختم ہو گئی۔ حُر کے نصف لشکر کے بیشتر سپاہی اس سے الگ رہے اور باقی پراگندہ صورت میں اپنی سواریوں کی مہار پکڑے ہوئے فکر و تردّد کی حالت میں سائے میں بیٹھے رہے۔

عصر کی نماز کا بھی وقت قریب آ گیا۔ سب نے نماز ادا کی۔ حُر نے کہا:

"حسینؑ! میں ان خطوط اور پیغام رسانوں کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں رکھتا جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔"

امامؑ نے حکم دیا اور خطوط کی بڑی تعداد حُر کے سامنے ڈال دی گئی۔

حُر اتنے سارے خطوط دیکھ کر حیران ہوا اور کہا:

"میں نے آپ کے نام کوئی خط نہیں بھیجا۔ اس لیے میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ میری ذمہ داری تو بس یہ ہے کہ جہاں بھی آپ سے ملوں آپ کو اپنی نگرانی میں ساتھ لے کر کوفہ پہنچوں اور ابن زیاد کے حوالے کر دوں۔"

امامؑ نے فرمایا:

"تو ہرگز یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔"

اس نے کہا:

"میں کیوں یہ کام انجام نہیں دے سکتا؟"

بحث طول پکڑ گئی۔ یہاں تک کہ حسینؑ نے کہا:

"حُر! تیری ماں تیرا ماتم کرے۔ تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

یہ فقرہ عربوں میں بہت معروف ہے:

"ثکلتک امک ما ترید"

یہ سُن کر حر بہت غضبناک ہوا لیکن کسی قدر تامل اور غصہ پینے کے بعد بولا:

"اگر تمھارے علاوہ کوئی عربوں میں سے بڑا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اسی طرح اس کی ماں کا نام لیتا۔ لیکن میں نے جس قدر سوچا اسی نتیجہ پر پہنچا کہ میں تمھاری ماں کا نام سوائے بہتر طریقے کے نہیں لے سکتا۔ کیونکہ فاطمہؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں۔"

حسینؑ نے فرمایا:

"اچھا بتاؤ تمھارا مقصد کیا ہے؟"

اس نے کہا:

"چلو ہم دونوں امیر عبیداللہ کے پاس ساتھ چلتے ہیں۔"

حسینؑ نے کہا:

"الموت ادنی الیک من ذلک۔"

"تیری موت اس حکم پر عمل کرنے سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہے۔"

جب گفتگو طویل ہوگئی تو حُر نے خود پیش کش کرتے ہوئے کہا:

"حسینؑ! اب جبکہ آپ میرے ساتھ کوفہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ ایسے راستے کا انتخاب فرمائیں جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مکہ و مدینہ۔ میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں گا اور اس صورتحال کی اطلاع میں کوفہ کو بھی دے دیتا ہوں۔ دیکھیں وہاں سے کیا حکم ملتا ہے انشاءاللہ آپ کے بارے میں مجھ سے گناہ نہ ہوگا۔"

طرفین نے موافقت کی اور ایک تیسرا راستہ منتخب کیا گیا جب کچھ راستہ طے ہوگیا تو حُر نے قریب آکر کہا:

"حسینؑ جان! آپ کو خدا کی قسم اس معاملہ پر آپ نظر ثانی کریں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہتا ہوں اگر بات جنگ اور مقاتلہ تک جا پہنچی تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔"

اباعبداللہ نے کہا:

"حُر! کیا تم مجھے شہادت اور قتل ہونے سے ڈراتے ہو؟"

اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک دو کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم شہادت اور موت کی طرف رخ کر کے آگے بڑھتے ہیں اور موت جوانمردوں کے لیے کوئی بری چیز نہیں۔ اگر آدمی کا ارادہ و مقصد حق اور حقیقت کے مطابق ہو اور اس کا ہدف اسلام کی راہ میں جہاد کرنا ہو تو پھر شہادت

کا لباس جواں مردوں کے جسم پر کس طرح سجتا ہے
خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ آسمانی نیک مردوں کے
ہمرکاب ہو کر اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دیں
اور اس جنگ سے ان کا مقصد ظالموں کے چنگل سے
آزادی حاصل کرنا ہو۔"

اس تیسرے راستے کا بڑا حصہ طرماح کی رہنمائی میں طے کیا گیا۔ عام راستے سے ہٹ کر چند منازل طے کر لی گئیں۔ متعدد قبائل کی ممتاز شخصیتوں اور سرداروں سے ملاقات ہوئی۔

ہماری اس تحریر کا موضوع زیادہ تر حسینؑ کا مقدس ہدف ہے اس لیے ہم اس سرگزشت کی جزئیات سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

یہ سرگرداں قافلہ حُر کی نگرانی میں عرب کے صحرا کو منزل بہ منزل طے کرتا نینوا سے قریب تر ہو گیا تھا کہ اچانک دور سے ایک سوار آتا ہوا نظر آیا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور رک کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ سیدھا حُر کے قریب پہنچا اور سلام کر کے ایک خط اسے پیش کر دیا۔

حُر نے خط لے کر وہیں اس مضمون کو پڑھ کر سنا دیا۔ اس خط میں لکھا تھا:

"اس فرمان کے ملتے ہی حسینؑ پر اپنی نگرانی سخت
کر دو۔ آبادی سے اور پانی سے دور انھیں پیادہ
کر کے ان پر کڑی نگاہ رکھو۔ یہاں تک کہ تمھیں
کوئی دوسرا حکم دیا جائے۔ اور یہ نامہ رسان تم
پر مامور کیا گیا ہے۔"

حسینؑ نے حُر سے اصرار کیا:

"تم میری بات مانو! نینوا کے نزدیک کسی ایک
دیہات میں ہم منزل کر لیتے ہیں۔"

حُر نے کہا:

"اس کا کوئی فائدہ نہیں (المامور معذور) یہ نامہ رسان
میرا نگراں ہے اور میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

زہیر بن قین جو ایک معزز آدمی تھا اور وہ راستے میں حسینؑ کے قافلے میں شامل ہوا تھا اور شہادت کا خواہشمند تھا امامؑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی:

"حسینؑ جان! اگر آپ اجازت دیں تو ہم ابھی اس
لشکر سے جنگ کرتے ہیں۔ یہ اس بات سے زیادہ
آسان ہے کہ ہم صبر کریں اور پھر ہمیں شدید مشکلات
کا سامنا کرنا پڑے۔"

اباعبداللہؑ نے فرمایا:

"مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ جنگ کی ابتدا کر کے
لوگوں کا خون بہاؤں۔"

مجبوراً سب پیادہ ہو گئے اور کوئی مناسب جگہ تلاش کی جانے لگی۔ آخر اباعبداللہؑ نے زمینِ کربلا کا انتخاب کر لیا۔ جغرافیائی اور فوجی حکمتِ عملی کے نقطہ نظر سے جب ایک خاص جگہ متعین کر لی گئی تو قافلہ والوں نے فروکش ہونے کے لیے اپنا سامان اتارا۔ کچھ فاصلے پر حُر کا ہزار نفری دستہ بھی اتر پڑا۔ دونوں جانب خیمے کھڑے کیے گئے۔ اور آنے والے تاریک لمحات کا انتظار کیا جانے لگا۔

قافلۂ حسینیؑ نے ۲ محرم ۶۱ھ کو ظہر سے پہلے اپنی اس آخری منزل پر پڑاؤ ڈالا۔

ایک دائمی پڑاؤ

یہ قافلہ راستے میں رک گیا تاکہ انسانیت کے قافلے کو ترقی و تکمیل کی راہ پر ڈال دے۔

یہ قافلہ انسانیت کے رہزنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ایک ایسے بیابان میں فروکش ہوا جس کے قریب نہ پانی تھا اور نہ آبادی ، تاکہ زندگی کے راستے پر گامزن انسانیت کے قافلے کو اقتدار طلب اور استعمار طلب راہ زنوں کے چنگل سے بچا سکے۔

اس قافلے نے ایک بے آب وگیاہ اور ویران سرزمین پر اپنا پڑاؤ ڈالا تاکہ انسان کی اجتماعی زندگی کی سرزمینوں کو اپنے خون سے سینچ سکے اور اسے ہمیشہ کے لیے تازہ اور سرسبز و شاداب رکھ سکے۔

یہ قافلہ ایک بیابان میں اترا تاکہ انسانی نسلوں کو آبادیوں کے عین وسط میں آزاد زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کر سکے۔

اس قافلے نے خود کو زندگی سے محروم کر لیا تاکہ انسانیت کو ظالموں کے چنگل سے نجات عطا کرے اور انھیں حقیقی زندگی اور سعادت سے بہرہ مند کر سکے۔

اس قافلے کے رہبر نے آواز بلند کی کہ میں جنگ اور خونریزی کی ابتدا نہیں کروں گا تاکہ وحشی خونخواروں کے ظالم پنجوں کو کمزور اقوام کی گردنوں سے دور رکھ سکوں۔

آخر کار یہ قافلہ تمام مراحل سے گزر گیا تاکہ انسانیت

کو اسلام کی بلند تعلیمات کے سائے میں لا کر اسے استبداد کے چنگل سے نجات دلا دے اور ہر چیز تک اس کی رسائی کو ممکن بنا دے۔

دوستوں کی وفاداری

خیمے کھڑے کر دیے گئے۔ ابا عبداللہؑ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ ایک تفصیلی خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

میرے ساتھیو! میرے دوستو! حالات جیسے کچھ ہیں آپ کے سامنے ہیں۔ دنیا دگرگوں ہو گئی ہے۔ برائیاں عام ہو گئی ہیں۔ اور اچھائیاں رخصت ہو گئی ہیں۔ زندگی کی سچائی میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ حق پر عمل ترک کر دیا گیا ہے اور باطل کو کھل کھیلنے کا موقع حاصل ہے۔ ایک ایسی دنیا میں اور ان حالات میں مومن بندوں کو اسکے سوا اور کوئی آرزو نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے خدا سے جلد جا ملیں۔ مجھے آج موت سعادت معلوم ہوتی ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا رنج اور تکلیف کے سوا اور کچھ نہیں ہے[1]۔

اس موقع پر زہیر نے اجازت حاصل کر کے کچھ تمہید کے بعد کہا:

---

[1] لا اری الموت الا السعادۃ ولا الحیوۃ مع الظالمین الا برما۔

"اگر دنیا کی زندگی ابدی بھی ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ
رہنے اور آپ کے ہمرکاب رہ کر شہادت پانے
کو ترجیح دیتے۔"

اس کے بعد ہلال نے اٹھ کر کہا:

"ہمارا ہدف خدا سے ملاقات اور شہید ہونے تک
آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔"

پھر بریر اور دوسرے اصحاب نے اٹھ کر اپنے مخصوص انداز میں یقین دلایا:

"ہم خون کا آخری قطرہ بہانے تک آپ کا ساتھ
نہیں چھوڑیں گے اور وفادار رہیں گے۔"

آخری خط اور پیغام رساں کی موت

حسین ابن علیؑ اس سرزمین پر فروکش ہوئے جو کربلا کہلاتی ہے۔ کربلا کے لفظ کے ساتھ آپ کی یادیں وابستہ ہیں اور یہ یادیں بہت رنج پہنچانے والی اور بہت حسرت پیدا کرنے والی ہیں۔ لیکن ایسی حالت میں بھی امامؑ نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

ابا عبداللہ اس امید اور ناامیدی کے درمیان سوچتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کو جو حالات درپیش ہیں ان کے بارے میں فکر کرتے ہیں:

"کوفہ کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہمارے دوستوں کے
لیے ابھی ایسے حالات موجود ہیں کہ وہ ہماری مدد
کو پہنچ سکیں۔ وہ اور ہم مل کر اس مقدس ہدف

کے لیے پیش قدمی کر سکیں۔ مجھے یہ اطلاع دی گئی
ہے کہ آمد و رفت کے راستوں پر سخت کنٹرول قائم
کیا گیا ہے۔ سرحدوں اور شہر کے دروازوں کی نگرانی
کی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود اگر ہمارے دوستوں
کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم کوفہ سے قریب ہیں تو ممکن
ہے وہ اٹھ کھڑے ہوں اور حرکت میں آجائیں۔
یہ بات مناسب ہے کہ ہم آخری بار ایک اور خط کوفہ
کے لوگوں کے نام لکھیں۔"

"قلم اور کاغذ لاؤ ——— !"

سامان ملنے کے بعد امامؑ نے لکھا:

"خدائے بزرگ کے نام کے ساتھ یہ خط حسینؑ کی طرف
سے سلیمان، مسیب، رفاعہ اور عبداللہ اور تمام
مومنوں کے نام بھیجا جا رہا ہے۔"

"میرے دوستو ——! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میرے نانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ کسی ظالم بادشاہ کو دیکھیں کہ اس نے خدا کی
حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے، وہ سنتِ
رسولؐ کے خلاف کام کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ
گناہ اور ظلم کے طریقے سے معاملہ کرتا ہے اس کے
باوجود وہ کچھ نہ کہیں اور کوئی اقدام نہ کریں —— تو

اللہ تعالیٰ انھیں اس جگہ بھیجے گا جس جگہ کے وہ مستحق
ہیں۔" (یعنی دوزخ)

"میرے ساتھیو! آپ کو معلوم ہے کہ بنی امیہ نے شیطان کے فرمان کی اطاعت کی ہے اور وہ خدا کے فرمان سے سرکشی کرتے ہیں آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے زمین پر کیسا فساد برپا کیا اور کس حد تک انھوں نے احکامِ خدا کو معطل کیا حرام کو حلال اور حلال کو حرام کیا ہے۔"

"دوستو! آپ واقف ہیں کہ میں خلافت کے لیے سب سے زیادہ اہل ہوں اور صرف عدالت اسلامی کے سایے ہی میں یہ ممکن ہے کہ استعمار اور ظلم کے دباؤ سے نجات حاصل کی جائے۔"

"کوفہ کے لوگو! یہ تم ہی تھے جنھوں نے بڑی تعداد میں خطوط لکھے اور اپنے پیغام رساں بھیجے اور تم ہی نے اپنے ان دعوت ناموں میں دل کش اور امید بخش باتیں لکھی اور کہی تھیں۔"

"میں تمھاری ہی دعوت کو قبول کر کے تمھاری جانب آیا ہوں۔ اگر تم اپنے وعدوں پر قائم ہو تو کیا کہنے۔ اس صورت میں تم نے زندگی میں اپنے حصّے کا کردار ادا کر دیا ہے اور ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے لیے سعادت کی راہ طے کر لی ہے۔"

"اس کے برعکس اگر تم ہمارا ساتھ دینے پر شرمندہ ہوئے اور تم نے عہد توڑ دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ تم ہی تھے کہ جنھوں نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ اور میرے چچازاد بھائی کے ساتھ بے وفائی کر کے زندگی اور سعادت کے ملنے والے اپنے حصّے کو پامال کیا تھا۔ اچھی طرح جان لو اللہ تعالیٰ ہمیشہ میرا یار و مددگار رہا ہے

اور مجھے تمھاری کوئی ضرورت نہیں۔ والسلام"[۱]

خط مکمل ہو گیا، اپنے ایک ساتھی کو آواز دی:

"قیس! تم یہاں آؤ، اس خط کو لو اور بڑی احتیاط کے ساتھ کوفہ جاؤ۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد سلیمان صرد کو تلاش کر لینا کچھ مشکل نہ ہو گا۔"

قیس خط لے کر فوراً روانہ ہو گیا۔ افسوس کہ اسے سرحدوں کے محافظوں نے گرفتار کر لیا اور اسے جنگل کے قانون کے تحت موت کی سزا دے دی گئی[۲]

ابا عبداللہ الحسینؑ کو جب قیس کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے گریاں آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف رخ کر کے فرمایا:

"اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے شیعوں کو اپنے مقامِ کریم کے پاس جگہ دے۔ اے خداوند! ہمارے لیے اور ہمارے دوستوں کے لیے اپنی برکتوں کی جگہ میں کوئی ٹھکانہ مقرر فرما۔ اے خدا تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

آیئے ہم کوفہ چلیں اور واپس آجائیں

جیسا کہ بتایا گیا۔ ابن زیاد نے اپنی شیطانی سیاست کے ذریعہ کوفہ کو اپنا مطیع

---

[۱] ترجمہ مناقب و بحار۔ ص ۱۸۸ ط قدیم
[۲] اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۵ کا فٹ نوٹ دیکھیے۔

بنالیا تھا۔ مسلم اور ہانی کے قتل ہونے کے بعد باقی شخصیتوں اور سرداران قبائل نے بھی سپر ڈال دی اور ایک خاص طرح کا سکوت و خاموشی کوفہ پر مسلط ہو گئی یہ خاموشی بڑی قابلِ رحم تھی۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف تھا لیکن اس کے چہرے سے ذرا سی بھی خوشی اور اطمینان کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وسیع فوجی حکومت جو سرحدوں اور دروازوں کے محافظوں کے ذریعے زندگی کے تمام شعبوں پر مسلط ہو گئی تھی۔ وہ لوگوں کے آزادی کے فطری جذبے سے متصادم تھی۔

ابن زیاد ابھی ابھی کوفہ کو رام کرکے اس کے حالات پر پوری طرح قابو پا چکا تھا کہ ایک خط یزید کی طرف سے پہنچا جس میں بڑی حوصلہ افزائی کے ساتھ حسینؑ کے بارے میں احکامات دیے گئے تھے۔

اب حسینؑ کا راستہ روک کر حکومت کے سر سے ایک بڑے خطرے کو دور کر دینا چاہیے۔

اب وقت ہے کہ بنی امیہ کے خلاف انقلاب کی اصل عامل طاقت کا راستہ روکا جائے۔

کیا حسینؑ کے ساتھ ہم اسی سختی کا سلوک کریں جو اس کے نائب کے ساتھ کیا گیا تھا ——— ؟

کیا حسینؑ کو بھی سخت سیاست کے ذریعہ کچلا جا سکتا ہے ——— ؟ یا اس کے بارے میں احتیاط اور ملائمت کا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ ؟

ابن زیاد ان ہی خیالات میں غوطہ زن اور کوئی راستہ تلاش کرنے کی فکر میں تھا کہ پیغام رساں حاضر ہوا، وہ مدینہ کے گورنر کا ایک خط لایا تھا۔

ولید نے لکھا ہے:

"جناب ابن زیاد! مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسینؑ عراق

کی طرف آئے ہیں۔ تم پوری طرح محتاط رہو، ایسا نہ ہو کہ تم اس کام میں خود کو پھنسا دو۔ آگاہ رہو ایک چھوٹی سی لغزش سے تمہاری دنیا اور آخرت تباہ ہو سکتی ہے۔ اگر حسینؑ کی شان میں کوئی جسارت کی گئی تو سمجھ لو دونوں جہان میں تمہیں برائی سے یاد کیا جائے گا۔"

یہ ایک نصیحت آموز خط ہے جو ایک محترم ساتھی نے لکھا ہے۔ اور حکومت سے وابستہ ایک عہدہ دار اور بنی امیہ کے خاندان سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی طرف سے پہنچا ہے لیکن یہ یزید کے خط کے برابر تاثیر نہیں رکھتا۔ یزید نے حوصلہ افزائی کی ہے اور اختیارات بھی دیے ہیں اور مطالبہ کیا ہے کہ ہم اس "فتنہ" کا راستہ روکیں۔

ابن زیاد ان خطوط کا موازنہ کر رہا تھا اور ان کے مضامین کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ تیسرا خط پہنچا جس میں حرؑ نے لکھا:

"حسینؑ نے کربلا میں پڑاؤ ڈال دیا ہے اور میں ان کی نگرانی کر رہا ہوں۔ ہماری ذمہ داری سے آگاہ فرمائیں۔"

ابن زیاد ہر شخص سے بہتر جانتا ہے کہ کوفہ کے لوگ اس سادگی سے ساتھ حسینؑ کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور حسینؑ کے ساتھ جنگ ایک خطرناک کام ثابت ہوگا۔

ظاہر ہے کہ حسینؑ کا راستہ روکنا جو ایک ہر دل عزیز رہنما اور سب کی محبت کا مرکز ہے آسان نہیں ہے۔

"دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ اگر سہل انگاری سے کام لیا گیا اور ہم نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا تو زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ حسینؑ کوفے سے اور قریب آجائیں گے اور لوگ ان کا استقبال اور احترام کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ اس طرح تو ہماری تمام محنتیں ضائع ہوجائیں گی اور کوفہ و عراق پھر ہمارے اور یزید کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے۔

ابن زیاد نے سوچا:

"حر کے خط سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ ہمارے زیر نظر ہے اور ہمارے زیر اختیار ہے۔"

"اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ دونوں جانب مشکل اور سنگین مسئلہ ہے حسینؑ جو تقریباً ہمارے قابو میں آچکے ہیں انھیں آزاد کر دینا اور کیا ان کے بارے میں کوئی قدم نہ اٹھانا مناسب ہوگا —؟"

"اگر حسینؑ کے حالات کا دنیائے اسلام کو علم ہوگیا تو ہر طرف سے اقدامات کا آغاز ہوجائے گا اور یقیناً ایک بڑا خطرہ پیدا ہوجائے گا۔ حسینؑ کو ہمیشہ نگرانی میں رکھا نہیں جاسکتا۔ اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ایک جماعت انکی جانب روانہ کی جائے۔ اگر حسینؑ نے بات مان لی اور ہتھیار ڈال دیے تو پھر کیا کہنے بصورت دیگر جنگ اور خون خرابے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔"

"ہر چیز سے قبل کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جائے جس کے لیے لوگوں کی حمایت حاصل کی جاسکے۔ اگر کوئی مشہور و معروف شخص حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہوجائے تو باقی لوگوں کو روپیہ

دے کر اور اچھی امیدیں دلا کر آمادہ کیا جاسکتا ہے۔"

یہ سوچتے ہوئے ابن زیاد نے ایک ایک معروف شخصیت کو یاد کرنا شروع کیا پھر اچانک رک کر اس نے کہا:

"میں نے تلاش کر لیا۔ مجھے وہ شخص مل گیا جس کی مجھے ضرورت تھی — عمر ابن سعد وقاص کہاں ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"اسے حکومت رے کا سربراہ بنایا گیا ہے اور وہ اس کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے جارہا ہے۔"

ابن زیاد نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ:

"اگر وہ راستے میں بھی ہے تو اسے واپس لے کر آؤ۔"

عمر حاضر ہوگیا ———— ابن زیاد نے اس سے مخاطب ہوکر کہا:

"عمر! تم کیوں ہمارے ساتھ کام نہیں کرتے؟ تمھیں جو مقام اور عظمت حاصل ہے اس کے ذریعہ تم ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ اس وقت جو مشکل درپیش ہے وہ صرف تمھارے ہاتھوں ہی حل ہوسکتی ہے مجھے یقین ہے کہ تمھیں عقل اور تدبیر خاص سے جو حصہ ملا ہے اس سے کام لے کر اس بحران کو تم بخوبی ختم کرسکو گے۔"

"امیر آخر کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی ایسی بات نہیں بس حسینؑ کے عراق آنے کا مسئلہ ہے۔ شاید تمھیں بھی اس کی اطلاع ہوگی —

وہ روک دیا گیا ہے اور کربلا میں ہماری نگرانی میں ہے
میں نے بہت تلاش کیا مجھے تم سے بہتر کوئی شخص نہیں
مل سکا میرے نزدیک تم ہی وہ واحد آدمی ہو جو اس
کام کو فیصلہ کن انداز میں انجام دے سکتے ہو۔"

ابن سعد نے بہت ہی بے قرار ہوتے ہوئے کہا:

"میں معذرت چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ یہ
کام کسی اور کے ذمے کریں۔"

لیکن ابن زیاد، ابن سعد کے کمزور پوائنٹ سے واقف تھا اور اسی پر اس نے اپنی انگلی رکھ کر مقصد حاصل کر لیا۔

وہ جانتا تھا کہ ابن سعد کو نہ روپیہ رام کر سکتا ہے اور نہ پرتکلف دسترخوان اور نہ دل کش چشم و ابرو۔ اور وہ دھمکیوں سے بھی مرعوب نہیں ہوتا۔ بس حکومت و ریاست کی طلب اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ اس نے اپنے باپ کے سیاسی مکتب میں تربیت پائی تھی اور سیاسی و جنگی معرکوں کے درمیان پلا بڑھا تھا۔ اسے صرف اسی راہ سے قابو میں لایا جا سکتا تھا۔

ابن زیاد نے کہا:

"عمر! پھر رے کے انتظام کے لیے آپ کو جو فرمان
دیا گیا تھا اسے واپس کر دیں۔ حسینؑ کے بارے میں
بھی کام کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اسے ہم کسی اور
کے حوالے کریں گے۔ ہم تو آپ کے مرتبہ کو بلند کرنے
کے لیے آپ کی قابلیت سے استفادہ کرنا چاہتے
تھے ——؟"

ابن سعد نے جب رے کے فرمان سے متعلق بات سنی تو اس کے ارادے میں لغزش آگئی اور وہ کمزور پڑ گیا اور کہنے لگا:

"جناب ابن زیاد! آپ اس قدر جلد مجھ سے ناراض
ہو گئے۔ اس کام کا رے کی حکومت سے کیا تعلق؟"

ابن زیاد نے کہا:

"میں ناراض نہیں ہوں۔ بس مجھے تم سے یہی کہنا تھا
رے کے فرمان کو واپس کر دیں۔ ہمیں اپنی ذمہ داری
معلوم ہے۔"

عمر سعد نے کہا:

"مجھے آپ اس بارے میں سوچنے کا کچھ تو وقت دیں۔"

ابن زیاد بولا:

"یہ کوئی اتنا اہم معاملہ نہیں ہے کہ آپ کو غور و فکر کی ضرورت
پیش آئے۔ ہم بھی آپ کو کربلا بھیجنے کے زیادہ
خواہش مند نہیں ہیں۔ اگر آپ اس کام پر نہیں جانا
چاہتے تو رے کا فرمان واپس کر دیں تاکہ ہم یہ کام
کسی اور کے سپرد کریں۔ ہم مزید مہلت نہیں دے
سکتے۔ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس بحران کو حل
کرنے اور اس فتنے کو ختم کرنے کی ضرورت ہے۔"

ابن سعد نے کہا:

"سوچنے کے لیے کچھ مہلت دی جائے تو کوئی حرج
نہیں ہوگا۔"

کچھ رد و کد کے بعد بالآخر طے پایا کہ صرف ایک رات کی مہلت دی جائے تاکہ ابن سعد اچھی طرح غور کرے اور صبح اول وقت جب سرکاری کام شروع ہو تو اپنے فیصلے سے مطلع کر دے۔

لالچ اور اندھا پن

"حب الشيء يعمي ويصم۔"

اس مسلمہ نفسیاتی اصول کے مطابق کسی ایک چیز سے شدید تعلق اور محبت اس چیز کی خرابیوں اور برائیوں کو دیکھنے اور سننے سے روک دیتی ہے۔ آنکھ اس چیز کی خرابی کو دیکھنے اور کان سننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ لیلیٰ خواہ کتنی ہی بدصورت کیوں نہ ہو مجنوں کی آنکھ کے لیے وہ نہایت حسین اور دل کش ہے۔

رے کی حکومت مہنگی ہے اور ممکن ہے حسین کے قتل کے بدلے ہی ملے۔ لیکن ابن سعد کے لیے اس قیمت پر بھی ارزاں ہے۔ ایک علاقے کی گورنری اگر شرافت اور ضمیر کو پامال کر کے ہی مل سکتی ہے تو ابن سعد کے نقطہ نظر سے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حکومت اور ریاست اسے محبوب ہے۔ اسے تمام چیزیں صرف حکومت کے لیے درکار ہیں نہ کہ حکومت تمام چیزوں کے لیے۔

اس نفسیاتی قاعدہ کے مطابق وہ رات بھر غور و فکر کرتا رہا۔ وہ جس قدر عقل و استدلال کی روشنی میں غور کر کے اس کام کی برائیوں کو دیکھنا چاہتا۔ اسی قدر اس کی آنکھیں اندھی ہوتی چلی جاتیں اور اس کی نظروں میں وہ نذرانے گھومنے لگتے جو اسے رے کی حکمرانی کے دوران اپنے مفتوحین سے وصول ہوتے۔ کبھی اسے قیامت کے حساب و کتاب کا خوف آتا۔ لیکن رے کی حکومت کی دھوم دھام اس کے ذہن پر غالب آجاتی۔

حکومت رے کی ان رعنائیوں اور دلفریبیوں نے آخر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک موٹا پردہ تان دیا۔ ایسا پردہ کہ اسے حکومت رے کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔

"ماترك ملك الري والري منيتي
ام ارجع مأثوماً بقتل حسيني"

"کیا میں رے کی حکومت سے دستبردار ہو جاؤں
حالانکہ وہ میری آرزوؤں کا منتہا ہے۔ یا کربلا
چلا جاؤں اور حسینؑ کو قتل کر کے گناہ گار واپس آؤں:"

ایک ایسا انسان جو پہلی آزمائش کے موقع پر ہی کہہ دیتا ہے کہ مجھے معاف کر دو۔ آخر کار بتدریج نرم پڑ گیا اور ایک شیطانی وسوسے کا شکار ہو کر پستی میں گر گیا۔

عمر سعد سوچنے لگا:

"ہم کربلا جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ
بحران بہر قیمت صلح و صفائی کے ساتھ حل ہو جائے
اور رے کی حکومت بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے:"

اس نے یہ نہ سوچا کہ ان ناہموار ڈھلوانوں پر چلتے ہوئے پیر کبھی پھسل سکتا ہے اور آدمی کسی ایسے مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں پر رکنا اور پیچھے ہٹنا، دونوں ناممکن ہو جائیں۔ بلکہ آگے بڑھنے کا مطلب اور زیادہ تیزی سے جہنم پستی اور بدبختی کے گڑھے میں گرنا ہو۔

اس نے اس خیال سے کہ وہ اس بحران کو صلح و صفائی کے ساتھ حل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائے گا اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ کربلا جانے

کی ذمہ داری قبول کر لی۔

دوسرے دن صبح جیسے ہی ابن سعد نے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا ابن زیاد تیزی سے منبر پر پہنچا اور حسین کے خلاف تقریر کر کے لوگوں کے جذبات کو سخت برانگیختہ کرنے کی کوشش کی اور درہم و دینار تقسیم کرنے اور کثیر انعامات دینے کے وعدے کر کے اس نے ایک بہت بڑی جماعت کو ابن سعد کے پرچم کے نیچے جمع کر دیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ ابن سعد چار ہزار سواروں کا لشکر لے کر کربلا کی طرف روانہ ہو گیا۔[1]

---

[1] یہاں میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ابن زیاد کی تقریر کو جو اس نے لوگوں کے سامنے کی تھی اور امام حسینؑ کے خلاف انھیں جنگ پر جانے کے لیے آمادہ کیا تھا بغیر کسی کمی بیشی کے نقل کر دوں کیونکہ یہ مختصر ہے۔

حمد و ثنا کے بعد اس نے کہا: "کوفے کے باشندو! تمھیں آخرکار آل ابی سفیان کی سرپرستی میں آنا پڑا۔ تم نے دیکھا کہ اس خاندان نے تمھاری دلی خواہش کے مطابق کام کیا اور اب جبکہ نوبت یزید تک پہنچی ہے۔ تم لوگوں نے اس کے پسندیدہ اخلاق دیکھ لیے اور اس کے اچھے طریقوں کو جان لیا۔ وہ اپنی رعایا کے ساتھ کس قدر اچھے طریقے سے پیش آتا ہے اور کس داد و دہش سے کام لیتا ہے۔ اس کے دور میں تمام راستوں پر امن رہا ہے اور لوگ بڑے آرام سے سفر کرتے ہیں۔ اس کے باپ معاویہ کے زمانہ میں بھی یہ قابل قدر امن موجود تھا اب یزید اپنے باپ کے بعد سب کا احترام کرتا ہے۔ ضرورت مندوں کو زیادہ سے زیادہ مال دیتا ہے۔ تم لوگوں کی آمدنی زیادہ ہو گئی ہے اور فی الحال اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کے حصے میں اضافہ کر دوں۔ اور تمھیں اس کے دشمن حسینؑ کے خلاف جنگ پر روانہ کروں پس تم لوگ یزید کی بات مانو اور اس کے فرمان کی (باقی اگلے صفحے پر)

ابن زیاد نے اپنے اس منصوبے کو روبعمل لانے کے لیے عمر سعد کے بعد شبث بن ربعی اور محمد بن اشعث کندی کو ایک دوسرے کے پیچھے ایک تیار لشکر کے ساتھ کربلا کی جانب روانہ کیا۔

ابن زیاد کے اس لشکر کی کم سے کم تعداد بارہ ہزار افراد بتائی گئی ہے جو مندرجہ ذیل ترتیب کے ساتھ کربلا پہنچا۔

① ——— حر بن یزید ریاحی ——— ۱۰۰۰

② ——— عمر بن سعد وقاص ——— ۴۰۰۰

③ ——— عبد اللہ تمیمی ——— ۱۰۰۰

④ ——— شبث بن ربعی ——— ۱۰۰۰

⑤ ——— محمد بن اشعث کندی ——— ۱۰۰۰

⑥ ——— شمر بن ذی الجوشن ——— ۴۰۰۰

عمر سعد نے کربلا پہنچتے ہی سب سے پہلا کام جو کیا وہ حسینؑ ابن علیؑ کے پاس ایک پیغام بھیجنے کا کام تھا جس میں حسینؑ سے پوچھا گیا تھا کہ یہاں آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) اطاعت کرو۔ (بحار ج ۱۰ ص ۱۸۹ چاپ قدیم)

آپ بہتر جانتے ہیں کہ اس زمانے میں اس حکومت سے لوگ کس قدر خوش تھے۔ راستے کتنے محفوظ اور امن کی کیا حالت تھی اور فوجی حکومت کس طرح مسلط تھی اور لوگ کیسے اقتصادی دباؤ کے تحت زندگی گزار رہے تھے اس کے باوجود ابن زیاد لوگوں پر مفت احسان دھر رہا تھا اور ایسا ملت بدبخت کو ایسی ہی بے بنیاد موہوم فریبانہ باتوں سے فریب دے کر حسینؑ کے خلاف جنگ پر بھیج رہا تھا کل یوم عاشورہ و کل ارض کربلا۔ ہر دن عاشورہ اور ہر زمین کربلا ہے۔

حسین ابن علیؑ نے اس کا جواب دیا:

"کوفہ کے لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے اور میں نے ان کی دعوت قبول کر لی ہے۔ اگر وہ اپنی اس دعوت پر پشیمان ہیں تو میں کوئی اور راستہ اختیار کروں گا۔"[1]

---

[1] آپ سوچتے ہوں گے کہ اگر وہ لوگ حسینؑ کی بات سے اتفاق کرتے اور حسین ابن علیؑ کربلا سے واپس ہو جاتے تو گویا وہ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھا دیتے اور جنگ سے اپنا ہاتھ کھینچ لیتے؟

لیکن اس بارے میں ہم ایسا نہیں سوچتے ہیں۔

حسین ابن علیؑ یہ دیکھ رہے تھے کہ اب ان لوگوں کے شیطانی منصوبے کافی آگے بڑھ چکے ہیں اور انھوں نے لشکر حسینی کا محاصرہ کر لیا ہے اور بیرونی دنیا سے تمام روابط کو کاٹ دیا ہے اور وہ حسین کے دوستوں تک کوئی اطلاع بھی پہنچنے نہیں دیتے تو اس صورت میں اگر وہ اتفاق کرتے ہیں تو حسینؑ وہاں سے واپس ہو کر اپنی جدوجہد کا کوئی اور منصوبہ بنا کر از سر نو اپنی مہم کا آغاز کر سکتے ہیں۔ نہ یہ کہ یہاں سے کوفہ یا شام جا کر ابن زیاد یا یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں یا کسی اور جگہ جا کر وہاں خاموش اور ساکت بیٹھے رہیں۔ ظاہر ہے یہ دونوں باتیں روح حسینی سے کوئی مطابقت نہیں رکھتیں۔ یہ وہی حسینؑ ہے جس نے اپنی اس طویل تقریر میں جو کوفیوں کے جواب میں کی گئی تھی۔ فرمایا تھا: "واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا اقر لکم اقرار العبید ..... " خدا کی قسم کمینوں کی طرح میں اپنا ہاتھ تمھارے ہاتھ میں نہیں دوں گا اور بے بس انسانوں کی طرح تمھارے مفاد کی خاطر میں سر تسلیم خم نہیں کروں گا: جو شخص اس صراحت کے ساتھ (باقی اگلے صفحہ پر)

عمر سعد بہت خوش ہوا اور اپنی دانست میں وہ خود کو کامیاب سمجھ رہا تھا۔ اس نے ایک خط جو اس کے خیال میں بڑا مصلحت آمیز تھا اور جس میں جھوٹ اور سچ کو ملایا گیا تھا۔ کوفہ روانہ کیا۔

ابن زیاد نے خط کھولا۔ اس میں لکھا تھا:

"خدائے بزرگ نے فتنہ کی آگ کو خاموش کر دیا۔ ابا عبداللہ اس بات پر آمادہ ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح کسی کونے میں جا کر آزاد زندگی بسر کریں اور ضروری ہوا تو وہ آپ کے یا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) حق بات کہتا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ وہ بنی امیہ کے طرفداروں کی توقع کے مطابق بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دے گا؟! لا واللہ۔

یہ وہی حسینؑ ہے جس نے اپنے آخری خط میں جو قیس کے ہاتھوں کوفہ والوں کے نام بھیجا گیا تھا کہا تھا۔ "کوفہ والو! تم جانتے ہو کہ بنی امیہ نے روئے زمین پر کیسا فساد برپا کیا ہے اور کس قدر خدا کے احکام کو معطل کیا ہے اور حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیا ہے کوفہ کے لوگو تم جانتے ہو کہ میں اس کام کے لیے زیادہ اہل ہوں ...."

کیا یہ حسینؑ جو یہ طرز فکر رکھتا ہے اگر واپس ہوتا تو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جاتا اور جدوجہد کی بساط لپیٹ کر رکھ دیتا۔ لا واللہ۔

ابن زیاد آپ کو بہتر طریقے پر پہچانتا تھا وہ کہتا ہے: الان علقت مخالبنا به یرجو النجاة ولات حین مناص۔ اب جبکہ ہم نے اس کے دامن پر ہاتھ ڈال دیا ہے۔ کامیابی کی امید کی جا سکتی ہے۔ اوہ۔ یہ کیسی فضول امید ہے۔ شمر بھی ابن زیاد سے کم نہیں تھا۔ وہ کہتا تھا اگر حسین نے بیعت نہ کی تو پھر ایک بڑا خطرہ ہے۔

لیے تیار ہیں۔"

اگرچہ کہ ابن زیاد خوش ہوا لیکن اس نے کہا:

"یہ خط نصیحت آمیز اور مشفقانہ ہے۔"

لیکن حاشیہ نشینوں میں سے ایک نے (شمر) عموماً پیالہ سالن سے زیادہ گرم ہوجاتا ہے کے مصداق کہا:

"جناب ابن زیاد! یہ کیسی تجویز ہے۔ حسینؑ آپ کی حکومت کے قلمرو میں موجود ہے۔ آپ کی نگرانی اور آپ کے اختیار میں ہے، اس کے باوجود وہ بیعت کے بغیر چھوڑ دیا جائے اور یہاں سے چلا جائے۔ اگر حسینؑ بیعت کیے بغیر عراق سے چلے گئے تو تمھارے لیے زیادہ بڑی مشکل اور درد سر پیدا ہوجائے گا۔ عمر سعد ایک مامور کیے ہوئے افسر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اسے آپ نے مسئلے کو حل کرنے کے لیے روانہ کیا ہے نہ کہ نصیحتیں کرنے کے لیے۔ میرا مشورہ تو یہ ہے کہ حسینؑ کو چاہیے کہ وہ آپ سے یا یزید کے کسی نمائندہ سے ملاقات کرے اور بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائے۔ پھر وہ جہاں چاہے چلے جائیں۔"

ابن زیاد اس بات سے بہت متاثر ہوکر کہنے لگا:

"درست ہے، تم نے سچ کہا اے ابن جوشن! تم اس نئی ذمہ داری کو قبول کرو اور کربلا جاکر اس کام کو انجام تک پہنچا دو۔ اگر عمر سعد آمادہ ہو تو کیا کہنے ورنہ تمھیں اس

بات کا حق حاصل ہے کہ اُس کا سر قلم کر کے پورے لشکر کا کنٹرول خود اپنے ہاتھ میں لے کر حسینؑ کا کام تمام کردو۔ یا جنگ یا بیعت۔ ابن جوشن! تم درست کہتے ہو۔ عمر سعد پہلے ہی کربلا جانا نہیں چاہتا تھا۔ بعد میں وہ کربلا جانے پر آمادہ ہوگیا۔ اب حسینؑ کے ساتھ نرمی برت رہا ہے۔ میں نے حکم دیا ہے کہ ان لوگوں پر پانی بند کردو اور انھیں پانی کا ایک قطرہ لینے کی اجازت نہ دو۔ لیکن مجھے رپورٹ ملی ہے کہ حسینؑ کے ساتھی پانی لے گئے ہیں یا انھوں نے کنواں کھود لیا ہے۔ میں نے اسے لکھا کہ وہ سختی سے کام لے لیکن ہمارے دوستوں نے لکھا ہے کہ عمر سعد راتوں کو حسینؑ کے ساتھ ملاقاتیں کرتا ہے۔ اس صورت میں ہماری ذمہ داری یہی ہے کہ تمھیں کربلا روانہ کریں تاکہ تم فیصلہ کن طریقے پر کام انجام دے کر ہمیں اس مصیبت سے نجات دلا دو۔"

شمر بن ذی الجوشن لعہ اس فرمان کے ساتھ چار ہزار افراد کا دستہ لے کر روانہ ہوا اور ۹ محرم ۶۱ ہجری کو ظہر کے بعد کربلا میں داخل ہوا۔

کربلا کی طرف چلیں

حسین ابن علیؑ کربلا میں فروکش ہیں۔ چند روز بعد عمر بن سعد چار ہزار افراد کا ایک دستہ لے کر وہاں پہنچا۔ ایک دو دن بعد پانی روک دینے کا حکم وصول ہوا

اس پر عمل درآمد ہونے لگا۔

اباعبداللہؑ کے ساتھ عمر سعد کی ملاقاتوں اور مذاکرات کا کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ وہ حسینؑ کی بنیادی اور مدلل باتوں کو بڑی توجہ کے ساتھ سنتا تھا۔

اباعبداللہ نے ایک دوبار ابن زیاد کے لشکر سے خطاب کیا اور وعظ و نصیحت کو اور اپنے استدلال کو عروج پر پہنچا دیا۔ لیکن روپیہ، ابن زیاد کے وعدے اور شیطانی ترغیبات اس قدر ان پر غالب آگئیں کہ حسینؑ کے ملکوتی ارشادات انھیں متاثر نہ کرسکے۔

"وقال ابوعبداللہ الحسین علیہ السلام. الناس عبید الدنیا والدین لعق علی السنتھم یحوطونہ ما درت معایشھم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون۔"

حسین بن علیؑ نے فرمایا۔ "لوگ دنیا کے بندے ہیں اور دین ان کے ورد زبان ہے لیکن صرف اس وقت تک جب تک کہ وہ ان کی مادی زندگی سے ہم آہنگ ہو۔ لیکن آزمائش اور مصیبت کے وقت دین دار کم ہی ہوتے ہیں۔

کربلا کی فضا

کربلا پر ایک خاص فضا طاری ہے۔ جنگل میں ایک پورا شہر آباد ہوگیا ہے۔ ایک طرف لشکر حسینیؑ کے خیمے اور خرگاہ جاہ و جلال کا منظر پیش کر رہے ہیں۔

تو دوسری طرف ابن زیاد کے لشکروں کے سردار ہیں۔ ان میں سے جو بھی اپنے لشکر کے ساتھ آتا ہے اپنے لیے کوئی جگہ منتخب کرکے تنصیبات قائم کرتا ہے ایک جماعت کو پانی روکنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

حسین ابن علیؑ کے ساتھی بار بار جاتے اور شدید جھڑپوں کے بعد تھوڑا بہت پانی لے آتے۔ بعض کو سقائی کا لقب دیا گیا۔ "ابوالفضل العباسؑ۔"

فریقین کے مختلف افراد کے درمیان دلچسپ ملاقاتیں ہوتیں۔ دونوں طرف سے عجیب دلائل پیش کیے جاتے۔

اباعبداللہؑ کے طرفدار بار بار آپ سے جنگ یا تیر اندازی کی اجازت طلب کرتے لیکن آپ فرماتے:

"میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا۔"

راتوں کو اباعبداللہ اور ابن سعد کی ملاقاتیں ایک خاص نوعیت اختیار کرگئی تھیں اور مسئلہ پیچیدہ ہوگیا تھا۔ صرف عمر سعد ہی نہیں بلکہ لشکر کے بہت سے سردار اپنے دلوں میں حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اور کم و بیش جبر و قہر کی بنا پر اس میدان میں وہ آئے تھے۔

سب بحران کے کسی حل کا انتظار کر رہے تھے۔ شاید کام بغیر کسی خونریزی کے ٹھیک ہو جائے۔ حر بن یزید ریاحی کو صد فی صد یقین تھا کہ عمر سعد آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔ اور وہ اس کی ملاقاتوں سے بہت خوش تھا یہاں تک کہ کربلا کی فضا بدل گئی۔

دوسری طرف حسینؑ کے اہل و عیال تکلیف میں مبتلا تھے۔ ابن زیاد کے لشکریوں کے بیوی بچے ساتھ نہیں تھے لیکن فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آئے تھے۔ خصوصاً اس دن سے ان کی مصیبتوں میں

اضافہ ہوگیا جب پانی روک دینے کا حکم جاری ہوا اور اسے سختی سے نافذ کیا جانے لگا۔ پانی حاصل کرنا ایک سخت مشکل کام بن گیا۔

خاندانِ پیغمبرؐ اس صورت حال سے سخت تکلیف میں تھا خصوصاً بچوں کی حالت قابلِ رحم تھی۔ کوئی بھی یہ نہیں سمجھ رہا تھا کہ معاملہ جنگ تک جا پہنچے گا اور قتل و خونریزی ہوگی لیکن پانی کا بند کرنا ناقابلِ تصور تھا۔ پانی سے کیوں روکا گیا۔؟ پانی بند کرنا اسلام میں کہیں بھی جائز نہیں ہے۔ جنگوں کے دوران دشمن پر بھی پانی بند نہیں کیا جاتا۔

آخر یہ کیسے مسلمان ہیں ؟ کہ اسلام کے اصولوں کے خلاف کام کر رہے ہیں اور پانی تک کو بند کر رہے ہیں!؎۱

کربلا کی یہ دگرگوں فضا اور لوگوں کے یہ الجھے ہوئے تاریک افکار، یہ پیچیدہ مسئلہ ——— نویں محرم کی عصر بھی آگئی ——— اس وقت ایک خط پہنچا جس نے کربلا کی فضا کو بالکل بدل کر رکھ دیا۔

؎۱ البتہ ابن زیاد نے اپنے فرمان میں منع آب کی بھی دلیل لکھی تھی (کما فعل بالزکی عثمان) یعنی جب انھوں نے عثمان پر پانی بند کیا تھا۔ سب جانتے ہیں کہ عثمان کا محاصرہ مصریوں کی طرف سے ہوا تھا اور اس کا کوئی تعلق علیؑ اور فرزندانِ علیؑ سے نہیں تھا۔ جب علیؑ کو عثمان کی پیاس کا علم ہوا تو انہی حسینؑ اور ان کے بھائی کے ہاتھ پانی بھجوایا۔ اگر کوئی اور شخص پانی پہنچانے پر مامور کیا جاتا تو وہ مارا جاتا۔ مصریوں نے ایک ناجائز کام کیا تھا (منع آب) اور بلاتردید یہ اسلام میں جائز نہیں ہے۔ کسی ایک حکمران کا عمل دلیل نہیں بن سکتا۔ افسوس ان حکومتوں پر جو آنکھ کان بند کر کے اسلام کے نام پر اسلام کے قطعی احکام کو پامال کرتے ہیں۔

شمر کہتا ہے:

"مجھے جو حکم ملا ہے اس کے مطابق ابھی فیصلہ کن بات ہونی چاہیے، یا جنگ یا بیعت۔"

عمر سعد نے اس حکم کو جاری کرنے کے لیے اپنی حیثیت اور ارادے سے پوری طرح کام لیا۔ حکومت کی اسی لالچ کی بنا پر اس نے کہا:

"کوئی حرج نہیں میں خود اس فرمان کو روبعمل لاتا ہوں لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تو اس بحران کو مصالحت کے ذریعہ حل ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

ابن سعد کی آواز بلند ہوئی۔

"یا خیل اللہ ارکبی و بالجنۃ ابشری۔"

"اے لشکر خدا سوار ہو جاؤ اور جنت کی راہ پر قدم بڑھاؤ۔"

افسوس اس فرمان پر اور نفرین اس فرمان کے جاری کرنے والے پر۔ اس کے منہ میں خاک کہ جس نے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتلوں کے لشکر کو لشکرِ خدا کے نام سے یاد کیا۔

یہ لوگ جب تک اپنے کاموں پر دین کا رنگ نہیں چڑھاتے اور حق کی طرفداری کا روپ نہیں دھارتے ان کا کوئی کام نہیں بنتا۔

عمر سعد کی اس آواز نے زینبؑ بنت علیؑ کے دل کو دہلا دیا۔ وہ فوراً اپنے بھائی کے پاس آئیں۔

حسینؑ نے اپنے بھائی عباس کو بلایا اور کہا۔

"جلدی سے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جاؤ

"اور معلوم کرو کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ کیا واقعہ پیش آیا
ہے ـــــ؟ تازہ خبر کیا ہے ـــــ؟"

فوراً حکم بجا لایا جاتا ہے۔

عباسؑ اور ان کے ساتھی موقع پر پہنچے اور پوچھا:

"کیا بات ہے ـــ؟ کیوں شور مچا کر جنگ کے
لیے آمادہ ہو گئے ہو؟"

ان لوگوں نے کہا:

"عباس! ابھی ابھی ہمیں ایک فرمان ملا ہے جس میں
فیصلہ کن اقدام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے یا جنگ
یا بیعت۔"

"اچھا ذرا صبر کرو۔ صورتِ حال سے اپنے امامؑ
اور فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرتا
ہوں ـــــ!"

ساتھی کھڑے رہے اور عباسؑ نے واپس جا کر صورتحال امامؑ سے بیان کی۔

"میرے بھائی عباس ـ آپ دیکھیں اگر ممکن ہو
تو آج کی رات کے لیے مہلت حاصل کر لیں۔ اس
وقت نماز اور قرآن کی طرف میری توجہ بہت
زیادہ ہے۔"

عباس ابن علیؑ واپس آ گئے۔ بہت زیادہ مشکل اور تکرار کے بعد اس
بات پر اتفاق ہوا کہ یہ رات بھی دوسری راتوں کی طرح گزر جائے اور
کام کل تک ملتوی کر دیا جائے۔

کیسی روشن رات اور کیسا تاریک دن

کربلا کا آفتاب غروب ہو گیا۔ حسب معمول مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ سب
لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

ایک طرح کا سکوت اور وحشت ماحول پر مسلط تھی۔ بچے آہستہ
آہستہ سو گئے ـــــ زینبؑ اپنے بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف تھیں
جو کچھ دنوں سے بخار میں مبتلا تھا۔ وہ اس کے بستر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں
خیموں کے اطراف پہرہ دینے والے محافظ اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لیے آمادہ
ہو گئے۔

اچانک حسینؑ کی مقدس آواز بلند ہوئی:

"میرے اصحاب! میرے ساتھیو! آؤ میں تم سے
کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

علی ابن الحسینؑ بستر بیماری پر دراز باپ کی آواز سن کر کہتے ہیں:

"پھوپھی جان! مجھے اجازت دیجیے کہ میں قریب
جا کر اپنے بابا جان کی ہدایات سنوں۔"

آپ نے بستر کے کنارے پر پہنچ کر خیمے کو ذرا اوپر اٹھا دیا تاکہ باپ کی
آواز کو اچھی طرح سن سکیں۔

حسین ابن علیؑ ـــــ زہراؑ کا یہ سعادت مند فرزند جواب ایک
۵۴ سالہ بوڑھا نظر آتا ہے اپنے ملکوتی، خوش رنگ و وجیہ چہرہ کے ساتھ
اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا:

جاں سوز حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے ایسے باوفا دوست کبھی نہیں دیکھے اور ایسے
محبت کرنے والے بیوی بچوں کی مجھے مثال نہیں ملتی
مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو بہترین اجر اور
عالی ترین ثواب عطا فرمائے گا۔"

اس کے بعد حسین نے اپنا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے کہا:

"اب میری زندگی کے دن باقی نہیں رہے ہیں۔ یہ ظلم
جو تم لوگ دیکھتے ہو، اس کے مقابل میں اپنی زندگی
کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ لیکن میں تم سے یہ کہنا چاہتا
ہوں۔ رات کی تاریکی فضا پر چھا گئی ہے۔ کسی کو تم سے
کوئی سروکار نہیں۔ یہ قوم صرف میرے خون کی پیاسی
ہے۔ تم لوگ بلاوجہ خود کو ہلاک نہ کرو۔ تم سب اس
بیابان سے چلے جاؤ حتیٰ کہ میرے بیوی بچوں کو بھی
ساتھ لے جاؤ اور اس صحرا سے نکل جاؤ۔ میں تمہیں اس
کی اجازت دیتا ہوں میری جانب سے ذرا بھی رکاوٹ
نہیں ہے۔"

سب سے پہلے حسینؑ کے فرزندوں، بھائیوں اور بھتیجوں نے روتے
ہوئے یک زبان ہو کر کہا:

حسین جان! خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم آپ کے بغیر
زندہ رہیں۔ امید ہے کہ ہم ایسا دن نہیں دیکھیں گے
ہم ہرگز آپ کے ساتھ اور آپ کے ہم رکاب رہ کر
شہادت پانے سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔"

ان کے بعد اصحاب اور دوستوں میں سے ہر ایک نے سوز و گداز اور
جوش و جذبہ سے بھری ہوئی باتیں کر کے آخری بار اپنی وفاداری کا اعلان کیا۔

تاریک رات جو روشن ضمیروں کے دل کی روشنی سے نور حاصل کر رہی
تھی، گزر گئی۔

وہ رات جو عشقِ حقیقی کے عالی ترین مراتب کا پتہ دیتی تھی، محبت کرنے
والے اور محبوب کے تعلق کی تفسیر کرتی تھی، گزر گئی۔

وہ تاریک اور روشن رات گزر گئی ـــــ وہ مقدس رات گزر گئی۔
لیکن سنہری زمزموں ـــــ آسمانی نغموں ـــــ تلاوتِ قرآن ـــــ
اور ـــــ نماز و استغفار کے ساتھ۔

وہ حیرت انگیز رات جو انسانی تاریخ میں اپنے امتیاز کے اعتبار سے بے نظیر
تھی آخر صبح میں بدل گئی۔

دسویں محرم کا دن آپہنچا ـــــ

حق و آزادی کے علمبرداروں کی زندگی کے آخری دن کا سورج طلوع ہوا۔
دسویں محرم ۶۱ھ کے آفتاب نے ہدایت کے مشعل برداروں کے معصوم
اور حسین چہروں پر اپنی کرنیں بکھیریں لیکن جب یہی آفتاب غروب ہونے لگا تو وہ اپنا
دامن ان پاکیزہ نفوس کی لاشوں پر سے کھینچ رہا تھا جو ستم گروں اور ظالموں کی
حکومت کا نشانہ بنے تھے [1]

میں یہاں یزید کا فتح نامہ نہیں لکھنا چاہتا۔ میں یہاں استبدادی حکومتوں کی
بداعمالیوں کا تذکرہ نہیں کرنا چاہتا۔ میں یہاں حوادث عاشورہ کی جزئیات بیان

۱۔ اس دن حسینؑ کی عمر مقدس ۵۷ سال اور ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے۔

کرنے سے بھی احتراز کروں گا۔

لیکن یہ روشن آفتاب،

یہ درخشاں ستارے جانتے ہیں،

ان سے پوچھو ———،

پوچھو کہ یزید اور ابن زیاد کی ظالم و جابر حکومت کے گناہ گار ہاتھوں نے حریت و آزادی کے طرفداروں اور مردانِ حق کے ساتھ کیا کیا ———؟

آپ اس آفتاب و ماہتاب سے پوچھیے ———

کہ ———

ابن زیاد اور یزید کی حکومت کی چمکتی تلواروں،

اور ———

نیزوں کی کڑک ——— اور ——— بجلیوں نے فرزندانِ رسولؐ خدا اور زہراؑ کے جگر گوشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

آپ آفتاب و ماہتاب سے پوچھیے،

کہ ———

کیا دشمنوں نے چھوٹوں اور بڑوں پر کوئی رحم کھایا تھا اور کیا انھوں نے دین، قانون ——— اور ——— ضمیر کی کوئی پابندی کی تھی؟

ابھی آفتاب طلوع ہی ہوا تھا کہ عمرِ سعد کے شیطانی حلق سے آواز نکلی اور جنگ کا فرمان صادر کر دیا گیا۔

تیروں کی اندھا دھند بارش نے حسینؑ کے طرفداروں میں سے پچاس افراد کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔

تیروں کے چلنے کی آواز ختم ہوئی اور اس وقت کے آداب و رسوم کے مطابق

لڑائی شروع ہوئی۔

میں ایک ایک کے بارے میں بات نہیں کروں گا۔ بطور خلاصہ کے یہ کہوں گا روز عاشورا کا آفتاب جب غروب ہونے لگا تو اس نے نہ صرف یہ دیکھا کہ حسینؑ کے خیمے میں کوئی فرد نہیں ہے بلکہ خیمہ گاہ خالی پڑے ہیں۔ حسینؑ کے بیوی بچے سرگرداں پریشاں ہیں اور ان کے خیموں کو تاخت و تاراج کرکے جلا دیا گیا ہے۔

بلاشبہ یہ مبالغہ نہیں ہے کہ عاشورا کے آفتاب نے جب غروب ہونا چاہا تو اس نے علی بن الحسین کے سوا کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ بخار کی آگ میں جل رہے تھے۔ آفتاب جب اپنی سنہری کرنوں کو جمع کر رہا تھا تو وہ راہ آزادی کے کشتگان اور خدا پرست جوانوں کے سرخ و شفاف چہروں کو چومتے ہوئے سمٹ رہی تھیں۔

استبداد کے مجرم ہاتھوں نے ایسا ظلم کیا کہ زینب بنت علیؑ گیارہ محرم کی شب کو بڑی زحمت کے ساتھ اپنے بھائی کے یتیم بچوں کو اپنے اطراف جمع کر سکیں اور نصف شب تک ان کو تسلی دینے میں مصروف رہیں۔

علی بن الحسینؑ کہتے ہیں:

"میری پھوپھی زینبؑ ہر رات کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتی تھیں لیکن اس رات اس قدر رنج و غم کا سامنا کرتے ہوئے وہ نصف شب تک بچوں کی دلجوئی میں مصروف رہیں اور پھر انھوں نے بیٹھ کر نوافل ادا کیے۔

پھوپھی زینبؑ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتی تھیں وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس رات انھوں نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نوافل پڑھنے کے لیے وہ قبلہ رو ہو کر

بیٹھیں اور اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں کو تکبیر کے لیے
بلند کیا اور بڑی رقت انگیز آواز میں انھوں نے اللہ
اکبر کہا۔"

میں تصور نہیں کرسکتا کہ مکتب اسلامی میں تربیت پانے والی عورتوں کا یہ عالی ترین نمونہ زینب بنت علیؑ نماز ادا کرنے کے لیے قبلہ رو ہو کر بیٹھیں تو ان کے دل کی کیا کیفیت تھی ——— ؟ اور اس وقت وہ کیا سوچتی تھیں۔ جب انھوں نے اللہ اکبر کہا ہوگا تو خدائے بزرگ و برتر نے اس خاتون کی روح اور عظمت کا کیا عالم دیکھا ہوگا اور اس خاتون نے خدائے بزرگ سے کیا مانگا ہوگا ——؟

"اے خدا میں تجھے حکیم اور عادل کی حیثیت سے پہچانتی
ہوں۔ تو ہر شخص سے بہتر دیکھتا اور سمجھتا ہے۔ دیکھ راہ
حق کے چراغوں کے ساتھ ظالموں نے کیا سلوک کیا؟
تو سب سے بہتر دیکھنے والا ہے دیکھ کہ میرے بھائی
زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور میرے فرزند خاک و خون
میں آلودہ ہیں۔ میرے بھائی کے یتیم بچے میرے
اطراف جمع ہیں اور میرا بیمار بھتیجا بخار میں کس طرح
جھلس رہا ہے ؟"

"بارخدایا! عدالت کا ہاتھ کب باہر آئے گا اور کب
یزید کی ظالم حکومت کا تختہ الٹ دے گا؟ اے
پروردگار! یہ رنج والم و مصیبت میں نے اس روز
کی امید میں برداشت کیے تھے —— کہ اپنی آنکھوں

سے ہدایت کے چراغ کو روشن ہوتا دیکھ سکوں۔"

دخترِ علیؑ، حسینؑ کی تحریک کو آگے بڑھاتی ہیں

۱۱ محرم ۶۱ھ کی صبح طلوع ہوئی۔

اب زینبؑ کی باری تھی ——— حسین ابن علیؑ نے اپنی جدوجہد کو اس مرحلے تک پہنچایا تھا اور اس کے بعد کا کام اپنی بہن زینبؑ کے حوالے کر دیا تھا۔

اب اس بعد کے مرحلے کے لیے بھی ایسا لائحہ عمل مرتب کیا جانا چاہیے کہ وہ تحریک حسینی کے اصل مقصد کو پورا کرسکے۔ ذرا سی غفلت اور لاپرواہی پورے نقشہ کار کو پانی کے بلبلے میں تبدیل کرسکتی ہے اور پاک شہیدوں کے خون کو بے نتیجہ بنا سکتی ہے۔

زینبؑ کو آج صبح ہی سے مردانہ دل و دماغ کے ساتھ کام شروع کرنا ہے مصیبتوں کی طرف سے آنکھیں پھیر کر اور عورتوں کی گریہ و زاری کی رسم سے منہ موڑ کر کربلا کے آخری حوادث سے فائدہ اٹھانا ہے اور دین کو تقویت پہنچانے کے لیے تبلیغ و اشاعت کا آغاز کر دینا ہے۔

یہ زینب ہی ہے جو اس گیرودار میں ہر موقع سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور ظالم حکومت کے خلاف آواز بلند کرکے اور اس کی بداعمالیوں پر سے نقاب اٹھا کر حقائق کو آشکار کرسکتی ہے۔

یہ علیؑ کی بیٹی ہے ———! جسے یزید اور ابن زیاد کی حکومتوں کے وسیع پروپیگنڈے کے پھیلائے ہوئے جھوٹ اور غلط فہمیوں کو لوگوں کے ذہنوں

سے نکالنا اور حقائق کو واضح کرنا ہے۔

یہ زینبؑ ہے، جسے لوگوں کو سمجھانا ہوگا کہ ابنِ زیاد کی استعمار طلبانہ سیاست نے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ ہم اسلام اور اسلامی مفادات کے مخالف ہیں اور یہ کہ ہم سے جنگ کرنا واجباتِ الٰہی میں سے ہے۔ ہم پیغمبرؐ کا خاندان ہیں اور وحی ہمارے گھر میں نازل ہوئی اور ہم سے زیادہ کس کا دل پیغمبرؐ کے دین اور مکتبِ فکر کے لیے تڑپ سکتا ہے ــــــ ہم اسی کی تقویت کے لیے کام کرتے ہیں ــــــ یہ وہ حقائق ہیں جنھیں زینبؑ کو بے نقاب کرنا ہے۔

حسینؑ نے جو فقرہ کہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا ــــــ خدا نے چاہا ہے کہ میرے بیوی بچے اسیر ہوں ــــــ بلاشبہ یہ بیوی بچوں کی اسیری ہی ہے جس نے حسینؑ کے مشن کو اس کے انجام تک پہنچایا اور اصل ہدف کو آشکار کیا۔

زینبؑ بنت علیؑ کے کندھوں پر تبلیغ و اشاعت کی ایک بھاری ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ کربلا کے بچے کھچے ساتھیوں کی سرپرستی اور قافلہ سالاری کا بوجھ بھی ان کے کندھے پر ہے ــــــ یہ کیسا بھاری بوجھ اور کیسا سنگین فرض ہے۔

ایک عام خاتون کا نازک دل پوری طرح اس ذمہ داری کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتا ــــــ لیکن زینبؑ بنتِ علیؑ ہے جس نے زہراؑ کی گود میں تربیت پائی ہے۔ وہ علیؑ اور زہراؑ کہ جنھوں نے اپنی پوری زندگی سنگین جنگ میں گزاری اور تیز و تند سیاست کے میدانوں میں اپنا سارا وقت گزارا ہے

زینبؑ نے زہراؑ کے دامن میں پرورش پائی ہے۔ وہ زہراؑ کہ جس نے مثبت اقدامات اور منفی رویے سے حکومتِ وقت کو شکست دی اور ان معرکوں کو ہمیشہ کیلئے

تاریخِ اسلام کا حصہ بنا دیا۔

زینبؑ، علیؑ کی دخترِ ارشد ــــــ دامنِ زہراؑ کی پروردہ زینبؑ! عبداللہ جعفر جیسے نیک، معروف و ممتاز انسان کی رفیقۂ حیات ــــــ عون اور محمد جیسے فرزندوں کی ماں ــــــ اس عظیم زینبؑ نے آخر اپنے بھائی کی جد و جہد کو مکمل کیا اور کربلا کے اس واقعہ کو اس کے حقیقی نتیجہ تک پہنچایا۔

جیسا کہ ہم نے کہا۔ اس تحریر کا مقصد داستان سرائی نہیں ہے۔ ہم صرف حسینؑ کے اصل ہدف کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس مقام تک ہم حسینؑ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پہنچے اور ہر جگہ ہم نے حسینؑ کو اپنے بلند مقدس آسمانی ہدف کی جانب متوجہ پایا۔ حسینؑ نے ہمیشہ ایک ہی بات کی فکر کی اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا مفاد تھا اور ان کا مقصد اسلامی مقدسات کی بقا اور حفاظت تھا۔

زینبؑ کے قدم بقدم

یہاں سے ہم زینبِ کبریٰؑ کو قافلہ کا سربراہ مان کر اس قافلہ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں جو مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور اب کربلا سے پھر مدینے کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

اس قافلے کی مدینہ سے کربلا تک حسین ابن علیؑ نے رہنمائی کی تھی اور اب یہ کربلا سے مدینہ تک زینبِ کبریٰؑ کی رہنمائی میں سفر کرے گا۔ ہم بھی اس قافلے کے ساتھ چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ زینبؑ اپنے بھائی کے ہدف کے لیے کہاں تک پیش قدمی کرتی ہے اور ظلم و استبداد کی بنیادوں کو ڈھانے کے لیے کس حد تک مقدمات فراہم کرتی ہے؟

ہم زینب کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح اس دور کی دنیائے اسلام کو ہلا کر رکھ دیتی ہے اور سمجھاتی ہے کہ شراب کے نشہ میں چور سیاہ افکار رکھنے والے افراد کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

ہم زینبؑ کے ہمراہ سفر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ زینبؑ نے کس طرح دنیائے اسلام کو سمجھایا ہے اگر ان باغی اور منحرف افراد کے ہاتھ میں مسلمانوں کی قیادت رہی تو اسلامی مقدسات اور مسلمانوں کا استحکام دونوں ہی خطرہ میں رہیں گے۔

زینب کبریٰؑ اپنے عزیزوں کی لاشوں کے پاس سے گزرتی ہے اگرچہ وہ انھیں برہنہ و بے کفن زمین پر پڑا ہوا دیکھتی ہے لیکن پھر بھی بڑے فخر اور روحانی عظمت کے ساتھ انھیں خدا حافظ کہہ کر کوفہ کی راہ پر چل پڑتی ہے۔

وہ جانتی ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں بالآخر فتح حق کے طرفداروں کی ہوتی ہے اور مظلوم شکست خوردہ ہی فاتح قرار پاتے ہیں۔

وہ جانتی ہے کہ ان پاکیزہ جسموں کو یوں ہی بے گور و کفن نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ان کے مزاروں پر گنبد اور بارگاہ تعمیر کیے جائیں گے۔

اسے معلوم ہے کہ یہاں نہ صرف گنبد و بارگاہ کی تعمیر ہوگی بلکہ شہیدوں کی یہ قتل گاہ خدا کی طرف جانے والا راستہ اور صاحبدلوں کی منزل مقصود بن جائے گی اور آزادی و حریت کے حامی، ناموسِ الٰہی کے طرفدار اور خدا و رسولؐ کا احترام کرنے والے اس کی زیارت کے لیے آئیں گے۔

وہ اپنے بیمار بھتیجے سے کہتی ہے:

"عزیزمن! زیادہ پریشان نہ ہو رنجیدہ مت ہو، مطمئن رہو ——— یہ منظر اسی حالت میں نہیں رہے گا میرے بھتیجے ——— ! میرے عزیز! میں نہ صرف اپنے ناناؐ کی احادیث اور باپ اور ماں کے ارشادات اور ان کے مطالب سے واقف ہوں بلکہ دنیا کا راہ و رسم یہی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ راہِ خدا میں قتل ہونے والے شہید لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں اور آزادی و حریت کی راہ میں جانیں قربان کرنے والے انسانی دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔"

"عزیز بھتیجے! بلاشبہ جب تم ایک روز اس بیابان سے گزرو گے تو دیکھو گے کہ دوستوں کی محبت کے سائے میں یہ صحرا ایک باوقار اور خوبصورت شہر میں تبدیل ہو چکا ہے اور کسی روز جب تم اس قتل گاہ پر سے گزرو گے تو دیکھو گے کہ وہ ایک باشکوہ بارگاہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔"

زینبؑ اپنے عزیزوں، بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں کو خاک آلودہ چھوڑ کر قیدی اور اسیر کی حیثیت سے کوفہ کے راستے پر روانہ ہو جاتی ہے۔

دخترانِ علیؑ نے کوفہ کو ہلا کر رکھ دیا

کوفہ کا دروازہ قریب آگیا۔ تماشہ دیکھنے والوں کا ایک ہجوم نظر آرہا ہے

گویا حکومت کو عیش و نشاط کا ایک موقع میسر آگیا ہے۔

وہ کس قدر عیش و نشاط میں مصروف ہیں۔

جبکہ زینب کبریٰؑ کے سوچنے کا انداز کچھ اس طرح ہے:

"میں ان لوگوں کے دلوں کو کچھ اس طرح لرزا دوں گی کہ ہنسنے اور خوش ہونے کی بجائے وہ رونے لگیں گے۔ ان کی روح کو اس طرح تڑپا دوں گی کہ وہ اس قدر جلدی سرور و نشاط کی راہ پر نہیں جا سکیں گے۔ جب میں انھیں جھنجھوڑ کر بیدار کر دوں گی تو وہ سمجھیں گے کہ انھوں نے ابن زیاد کی پیروی کر کے کس قدر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔"

"یہ لوگ مادی زندگی۔ دولت اور ریاست بھی چاہتے ہیں اور ظالموں کے چنگل سے آزادی کی بھی خواہش رکھتے ہیں۔"

"فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دے کر بلاتے بھی ہیں اور پھر حالات کو اس انتہا پر بھی پہنچا دیتے ہیں۔ میں اپنے بیان اور استدلال کے ذریعہ اس طرح انھیں متوجہ کروں گی کہ وہ اپنی قدر و قیمت اور اپنا وزن محسوس کرنے لگیں گے۔ میں ان کے ذہنوں میں یزید اور ابن زیاد کی حکومت کے خلاف جنگ کے بیج بو دوں گی۔"

"گو کہ میں ایک قیدی اور اسیر کی حیثیت سے اس شہر میں قدم رکھ رہی ہوں اور دوسروں کی نگرانی میں ہوں اس کے باوجود جو بھی آزادی مجھے میسر آئے گی میں اس سے استفادہ کروں گی۔"

آہستہ آہستہ یہ قافلہ شہر میں داخل ہو گیا۔ زینبؑ نے دارالامارہ پہنچنے سے پہلے جو بھی فرصت میسر آئی اس سے فائدہ اٹھایا اور اسی تماشا کرنے والے ہجوم کو خطاب کرنے لگیں۔

لوگوں کو ایک آشنا آواز سنائی دی، انھیں ایسا محسوس ہوا جیسے خود علیؑ ان سے مخاطب ہوں ـــــ وہی لہجہ ـــــ اور ـــــ آواز کا وہی آہنگ۔ لوگوں کے کان علیؑ کی آواز سے بہت مانوس تھے ـــ سب متوجہ ہو گئے۔

"کیا یہ علیؑ ہیں جو خطاب کر رہے ہیں ـــــ؟"

اب لوگ رک گئے اور حیران ہو کر کہنے لگے:

کیا یہ علیؑ کی بیٹی ہے ـــــ؟

کیا یہ زینب کبریٰ، کوفہ کی ملکہ ہے ـــــ؟

کیا یہ زہراؑ کی بیٹی ہے؟ جو مردانہ منطق کے ساتھ یہ خطاب کر رہی ہے؟"

زینبؑ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"کوفہ کے لوگو! صرف حیلہ و مکر یاد رکھنے والو! اپنے حال پر گریہ کرو۔ تمھاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔ تم نے اس مشہور بڑھیا کی مانند ایمان کا دھاگا کاتا تھا اور اسے مضبوط بنانے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے ـــ؟ اس کے بعد بھی تم اس خیال میں ہو کہ تمھارا ایمان باقی ہے؟ کیا اس کے بعد تمھارے اندر کوئی فضیلت

باقی رہی ہے ؟ تمھاری زندگی ٹھیک ان خودرو
پودوں کی طرح ہے جو غلاظت وکثافت میں
اگتے ہیں ——— ! تمھیں کچھ احساس ہے کہ
تم نے کیا کیا اور اپنی آخرت کے لیے اپنے آگے
تم نے کیا بھیجا ؟ ! تم نے غضب الٰہی کو دعوت
دی جس کے حکم سے تم ہمیشہ دوزخ میں جلوگے۔
تم رو رہے ہو۔ بے شک تمھیں رونا ہی چاہیے
اب تم خوشی کی روح کو کبھی نہ پاسکوگے۔ تم نے
فرزندِ رسولؐ خاتم الانبیا کی یادگار، جوانانِ اہل بہشت
کے سردار کو قتل کر دیا ؟
اس ہدایت کے چراغ اور راست کی پناہ گاہ کو شہید
کر دیا۔ وہ جماعت جس کے افعال و اعمال اس قسم
کے ہوں وہ ہمیشہ سعادت سے دور رہے گی۔
ملت یہود کی طرح ہمیشہ کی بدبختی تمھارا مقدر بن
چکی ہے۔ تم جانتے ہو کہ کس طرح تم نے خدا کے پیغمبرؐ
کے دل کو دکھ پہنچایا ہے اور کیسے پاکیزہ خون کو
تم نے بہایا ہے اور کیسی حرم محترم کو تم نے اسیر
بنایا ہے۔ ؟"

زینبؑ نے اس قدر موثر خطاب کیا کہ اہل کوفہ حیران ہو گئے اور نالہ و
زاری کرنے لگے۔ زینب نے پورے کوفہ کو اس طرح ہلا کر رکھ دیا کہ حکومت
کے خلاف ایک دوررس تحریک کی بنیاد پڑ گئی اور لوگ حسینؑ کے مقدس ہدف

سے قریب ہو گئے۔ زینبؑ نے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس طرح بیدار کر دیا
کہ ایک خطرناک تحریک کی داغ بیل پڑ گئی جس نے اس کے چھ ماہ بعد ہی کام
شروع کر دیا۔ (توابین کی تحریک)

ایک شخص کا بیان ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اس کے پاس کھڑا تمام تر
ہوش و حواس کے ساتھ زینبؑ کی طرف متوجہ ہو کر تقریر سن رہا تھا۔ وہ اچانک
زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا :

"میرے ماں باپ تمھارے خاندان پر قربان ہوں،
تمھارے بوڑھے، تمھارے جوان، تمھاری خواتین،
تمھارے مرد سب پر شرف رکھتے ہیں اور سب
سے بہتر ہیں۔"

زینبؑ بالآخر تھک گئی۔ حکومت نہ اسے آسانی سے خاموش کر سکتی
تھی اور نہ لوگوں کو منتشر کر سکتی تھی۔ اب ام کلثوم نے اپنی بہن سے سلسلۂ سخن
ہاتھ میں لیتے ہوئے لوگوں سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ کوفیوں کو اور حکومت
کو کوفیوں کے تعلق سے خوب رسوا کیا :

امام سجاد علی بن الحسینؑ نے بھی اپنی کمزوری اور نقاہت کے باوجود بحث
کو آگے بڑھایا۔ اپنے تعارف کے بعد ابن زیاد کی حکومت کے جرائم کو یکے بعد
دیگرے گنوانے کے بعد فرمایا :

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی ؟ کل تم کس منہ سے
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کرو گے۔
رسولؐ کے فرزند کو دعوت دے کر بلاتے ہو اور
پھر اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو ——؟

اسے بلاتے ہو اور پھر اسے گھیر کر اس کے دوستوں اور
اصحاب کے ساتھ شہید کر دیتے ہو اور اس کے بیوی بچوں
کو قیدی بنا کر اس طرح اپنے مہمان خانے میں ان کا استقبال
کرتے ہو۔ (فتباً لکم لما قدمتم لانفسکم)

ان مسلسل کی جانے والی تقریروں نے جو سب ایک بنیادی محور کے اطراف گھوم رہی تھیں اس طرح کوفہ کو تبدیل کر دیا کہ گریہ وزاری کے بعد لوگوں نے کچھ کچھ آوازیں بلند کرنی شروع کر دیں اور حکومت کے خلاف کچھ باتیں بھی کہیں۔ پھر علی ابن الحسین کو انھوں نے پیش کش بھی کی:

"ہم آپ کے حکم کی اطاعت کرنے اور آپ کے دشمنوں سے جنگ کرنے کے لیے حاضر ہیں۔"

اس پر امام سجادؑ نے کہا:

"میں نے ابھی ابھی اپنے باپ کے ساتھ کیے جانے والے تمھارے حیلہ و مکر کو دیکھا ہے۔ تمھاری مہمان نوازی اور پذیرائی میری آنکھوں کے سامنے ہے اس کے باوجود تم ایک دوسرا شیطانی نقشہ کھینچ رہے ہو۔ اگر تم سچ کہتے ہو تو ہماری اس پکڑ دھکڑ میں حصہ نہ لو اور نہ ہمارے خلاف کوئی بات کہہ کر ہمیں نقصان پہنچاؤ۔ ہم تم سے یہ نہیں چاہتے کہ تم ہمارے مفاد میں کوئی کام کرو اور ہماری طرفداری کرو۔"

(مجھے تیری طرف سے کسی بھلائی کی امید نہیں کم از کم نقصان تو نہ پہنچا۔)

کوفہ کی گورنری اس وقت متوجہ ہوئی اور اس نے دیکھا کہ کربلا کے اسیر اپنے اس لائحہ عمل کے مطابق کام کرتے رہے تو خواہ یہ خطرناک نہ ہو لیکن اس سے ایک شورش برپا ہو سکتی ہے۔ یا کم از کم حکومت کے خلاف بہت زیادہ ناراضگی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کو اس کام سے روکا جائے۔ عوام کی توجہ کسی اور جانب پھیر دی جائے۔ ح‍‍تیٰ ان بولنے والوں کو خاموش کر دیا جائے۔

چنانچہ شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اٹھا کر اسیروں کے درمیان لایا گیا تاکہ لوگ اس تماشے میں مصروف ہو جائیں اور اسیروں کو سیدھے دارالامارہ میں پہنچا دیا جائے۔

ابن زیاد نے بڑی مؤثر تدبیر کی۔ لوگوں نے اچانک دیکھا کہ ایک جماعت خون میں بھرے ہوئے سر نیزوں پر اٹھائے اسیروں کے قافلے کے سامنے آ گئی۔ ان سب کے درمیان حسینؑ کا مقدس سر تھا۔ جس کی طرف لوگ زیادہ متوجہ تھے۔ اب لوگوں کا ذہن اچانک بدل گیا۔

لوگ ایک دوسرے کو ان سروں کی جانب توجہ دلاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ:

"یہ کس کس کے سر ہیں ؟!"

اس طرح قیدیوں کے اس قافلے کو گورنر ہاؤس تک پہنچایا گیا۔

دوسرا موقع

ابن زیاد کی مجلس پوری طرح آراستہ تھی۔ سرکاری حکام سب کے سب موجود تھے۔ سردار اور لشکر کے کمانڈر جو کربلا سے واپس آئے تھے، تمام حاضر تھے۔ تقریباً اذنِ عام دے دیا گیا تھا تاکہ دوسرے طبقات کے لوگ بھی شرکت کر سکیں۔ حسینؑ کے مقدس سر کو ابن زیاد نے اپنے سامنے رکھا تھا۔

اس ماحول میں اسیران کربلا کو لانے کا حکم دیا گیا۔ سب کے درمیان زینب کبریٰ تھیں۔ وہ ایک خاص وضع کے ساتھ، کسی توجہ، لحاظ یا سلام و احترام کے بغیر آئیں اور ایک جانب کھڑی ہو گئیں۔ دوسری خواتین اور بچے ان کے اطراف جمع ہو گئے۔

ابن زیاد نے پوچھا:

"یہ خاتون کون ہیں؟ کہ خود کو بزرگ اور سنفرد سمجھتی ہیں اور سب ان کے اطراف جمع ہیں؟"

لوگوں نے بتایا:

"یہ زینب دختر علیؑ ہیں۔"

پہچان لینے کے بعد ابن زیاد نے زینب کی طرف رخ کر کے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو رسوا کیا اور تمہارے جھوٹ کو بے نقاب کر دیا۔"

زینبؑ نے فوراً ہی نہایت جرأت و شجاعت کے ساتھ کہا:

"فاسق آدمی رسوا ہوتا ہے اور فاجر شخص جھوٹ بولتا ہے اور وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (واقعی تو ہے)"

ابن زیاد نے اس جواب کو اپنے اوپر چسپاں نہ کرتے ہوئے کہا:

"دختر علیؑ! تم نے خدا کو اپنے اور اپنے اہل بیت کے بارے میں کیسا پایا۔؟"

زینب نے جواب دیا۔

"میں نے خدا سے نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے۔

میرا بھائی اور میرے اہلبیت وہ لوگ ہیں کہ شہادت ان کے لیے مقدر ہو چکی تھی اور وہ اپنے مقدس انجام کو پہنچ گئے۔ لیکن بہت جلد اللہ تعالیٰ تجھے اور ان کو قیامت کے روز جمع کرے گا اور وہ لوگ تیرے خلاف استدلال کریں گے اور اپنی دشمنی کا اظہار کریں گے۔ دیکھ اس روز نجات کس کے حصہ میں آتی ہے؟"

زینب نے اپنی تقریر جاری رکھی اور آہستہ آہستہ برہم اور سخت ناراض ہو کر کہا:

"ابن زیاد تجھے موت آئے اور تیری ماں تیرا ماتم کرے یہ کیسے کام ہیں جو تو انجام دے رہا ہے۔"

ابن زیاد اس پر غضبناک ہو گیا اور کوئی برا فیصلہ کرنا چاہا لیکن اس کے بعض مقربوں نے کہا:

"یہ ایک رنج اٹھائی ہوئی عورت ہے اور سخت ناراحت ہونے کی وجہ سے اس نے یہ باتیں کہی ہیں۔ آپ اس سے متاثر ہو کر مواخذہ نہ کریں۔"

اس پر وہ کچھ نرم پڑ گیا اور کہنے لگا:

زینبؑ! مجھے حسینؑ اور اس کے ساتھیوں کے ہلاک ہونے سے بڑی لذت اور خوشی حاصل ہوئی۔"

زینبؑ نے جواب میں چند جملے کہے جو ادبی اعتبار سے بہت دلکش تھے:

زینبؑ نے کہا:

"ستم پیشہ لوگ ظلم اور اپنے جرائم سے لذت حاصل

کرتے ہیں، تو نے میرے بھائی، میرے بھتیجوں اور
میرے بیٹوں کو قتل کیا اور تو نے میری زندگی کے
رشتوں کو کاٹ دیا اور تو نے میری زندگی کی بنیادیں
اکھاڑ دیں اور اپنی لذت حاصل کی اور اسے بیان کر
کے بھی تو لذت حاصل کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اگر تیری
کیف و لذت ان ہی کاموں سے ہے جو تو انجام دیتا
ہے تو یہ تو ہے اور یہ تیرے کام اب تو اور کیا کہتا
ہے ۔۔ ؟ "

ابن زیاد زینب کے ان کلمات کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا اور اسی وقت بات بناتے ہوئے اس نے بات کا رخ پھیر دیا اور کہنے لگا :

" زینبؑ اپنے باپ کی طرح خطابت کی دھنی ہے اور
مسجع و مقفیٰ زبان میں بات کرتی ہے "

زینبؑ نے کہا :

" عورتوں کو سخن پردازی سے کیا سروکار ؟ "

گفتگو یہاں ختم ہو گئی۔ ابن زیاد نے سبقت لے جانے کی کوشش نہ کی۔

اس کے بعد ابن زیاد نے امام سجادؑ کی طرف رخ کر کے کہا :

" یہ کون ہے ؟ "

لوگوں نے بتایا :

" یہ علی ابن الحسین ہیں "

ابن زیاد نے کہا :

" مجھے بتایا گیا تھا کہ علی ابن الحسین کو خدا نے کربلا میں

ہلاک کر دیا "

امام سجادؑ نے فرمایا :

" بے شک میرا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی ہے
تیرے لشکریوں نے اسے قتل کر دیا "

ابن زیاد نے کہا :

" نہیں اسے تو خدا نے ہلاک کیا "

امام سجادؑ نے قرآن کی ایک آیت شریفہ تلاوت فرمائی جو اس کے لیے ایک دندان شکن جواب تھا۔ آپ نے اس آیت کی قرأت فرمائی :

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ
لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا ۚ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ
قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ ... الخ

(سورۂ زمر : آیت ۴۲)

ابن زیاد نے ناراض ہو کر بلند آواز سے کہا :

" تم خوب جرأت رکھتے ہو، میرے ساتھ حجت
کرتے ہو ؟ "

اور پھر چلا کر کہا :

" اسے لے جاؤ اور اس کی گردن مار دو ۔۔۔ "

زینب کبریٰؑ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ علی بن الحسینؑ کے پاس پہنچ گئیں اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا :

" ابن زیاد ! تجھے شرم نہیں آتی تو نے ہمارے ایک
فرد کو بھی باقی نہیں رہنے دیا۔ یہ ناممکن ہے کہ میں

"تجھے اپنے بھائی کے فرزند کو قتل کرنے دوں، پہلے
تو مجھے قتل کردے اس کے بعد تیرا جی چاہے کر۔"

ابن زیاد نے بڑے تعجب سے اس منظر کو دیکھا اور یہ محسوس کر کے کہ زینبؑ اپنی اس بات میں بہت سنجیدہ ہے اور قتل ہونے کے لیے تیار ہے۔ مجبوراً اس نے اپنا خیال بدل دیا۔

ابن زیاد نے کہا:

"درست ہے قرابت کا رشتہ کتنا مضبوط اور ناقابلِ
شکست ہے۔"

علی ابن الحسینؑ نے کہا:

"پھوپھی جان زینبؑ! آپ پرسکون رہیں اور بات نہ
کریں، میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔"

اور چند قدم آگے جا کر کہا:

"ابن زیاد! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے، تو نہیں
جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہماری
فضیلت ہے ......"

ابن زیاد نے جب یہ دیکھا کہ اس گفتگو سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے تو پھر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

شاید اسی موقع پر ابن زیاد، حسینؑ کے مقدس سر کی جانب متوجہ ہوا تھا اور اپنی چھڑی سے آپ کے لب اور دندانِ مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بے بنیاد اور متکبرانہ باتیں کی تھیں اور اسی وقت اچانک دائیں جانب سے ایک بزرگ اور باوقار شخص نے گرج کر کہا:

"ابن زیاد! اپنی چھڑی کو ہٹالے۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے
کہ میں نے اپنی آنکھوں سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو دیکھا کہ وہ ان معصوم ہونٹوں کو چوم رہے
تھے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ بزرگ زار و قطار رونے لگے اور سب ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ابن زیاد نے فوراً صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کر لیا اور سوچنے لگا کہ اگر فوراً تدارک نہ کیا گیا تو زید بن ارقم کو جو مقام حاصل ہے اس کی بنا پر معاملہ اس کے نقصان اور رسوائی پر منتج ہوگا۔ اسی لیے اس نے پکار کر کہا:

"زید گریہ نہ کرو، تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمھاری
عقل کم ہو گئی ہے۔ کیا تم اس فتح پر رو رہے ہو
جو خدا نے ہمیں عطا کی ہے؟ اگر تم اس قدر بوڑھے
نہ ہوتے تو میں ابھی حکم دیتا کہ تمھاری گردن مار
دی جائے۔"

اس پر زید بن ارقم صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احتجاجاً اٹھ کر مجلس سے باہر آگئے اور اونچی آواز سے کہنے لگے:

"اے ملتِ عرب! اس کے بعد تو قیدی اور غلام
بن کر رہ جائے گی۔ تم فاطمہؑ کے بیٹے کو تو قتل کرتے
ہو اور ابن مرجانہ کو حاکم اور گورنر بناتے ہو تاکہ تمھارے
نیک لوگوں کو قتل کرے اور اوباشوں کو تم
پر مسلط کرے ـــــ اے عرب کے باشندو!

تم نے خود کو ذلت اور بدبختی کے حوالے کر دیا ہے
اور اس حالت پر راضی ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ وہ
جماعت سعادت و خوش نصیبی سے دور ہو جائے
جو اس طرح کے کام انجام دے اور ان ظالم حکمرانوں
سے راضی رہے۔"

مجرم کا اعتراف

جلسہ ختم ہو گیا۔ حکم دیا گیا کہ فی الحال قیدیوں کو مسجدِ اعظم کے نزدیک ایک مکان میں جگہ دے دی جائے تاکہ صورتحال کی مرکز کو اطلاع دے کر تازہ ہدایات حاصل کی جا سکیں۔

جلسہ تو ختم ہو گیا لیکن ابن زیاد کے چہرہ سے بظاہر محسوس ہو رہا تھا کہ جو کچھ کہ پیش آیا وہ اس سے مطمئن نہیں ہے۔

ابن زیاد نے خلوت میں ایک خصوصی مجلس طلب کی۔ اس مجلس میں چند خاص افراد اور مقربین کے علاوہ عمر سعد بھی موجود تھا جسے کربلا کی تمام افواج کا کمانڈر اعلیٰ سمجھا جاتا تھا اور اس کی عقل و تدبیر ہی سے ابن زیاد کو یہ فتح حاصل ہوئی تھی۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو مخاطب کر کے تحسین و تشکر کے الفاظ کہے اور پھر اپنے اس خط کی واپسی کا مطالبہ کیا جس میں اس نے حسینؑ کو قتل کرنے کی ہدایت تحریر کی تھی۔

ابنِ سعد نے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا:

"آپ کے خط کے ذریعہ آپ کا حکم معلوم کرنے

کے بعد اس خط کی جانب میری توجہ باقی نہیں رہی
تھی۔ میں نے آپ کے حکم کو بالآخر نافذ کر دیا اور
اس گیر و دار میں وہ خط کہیں ضائع ہو گیا۔"

(قد ضاع)

ابن زیاد کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے کہا:

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ایک خط جسے فرمان اور سرکاری دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی حفاظت نہیں کی گئی اور وہ ضائع ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے یہ خط کسی اور مقصد کی خاطر اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور تم چاہتے ہو کہ سارا گناہ میری گردن پر رکھو تاکہ کل جب بوڑھی عورتیں بھی مل کر بیٹھیں تو وہ یہی کہیں کہ تم بالکل بے قصور تھے اور میں ہی مجرم اور قصوروار ہوں۔ خدا کی قسم اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ تم وہ خط مجھے واپس کر دو۔"

یہ سن کر ابن سعد سخت ناراض ہوا اور اس نے کہا:

"اے ابن زیاد! میں نے تمہیں نصیحت کی۔ خدا کی قسم۔ اگر تمہاری جگہ میرا باپ بھی ہوتا تو میں اس نصیحت کا حق ادا کیے بغیر نہ رہتا لیکن تم نے خود میری نصیحت پر کان نہ دھرا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو اس

سارے واقعہ سے خوش نہیں ہے۔ جب ہی تو
اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔"

پھر اس نے اپنا سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"میں بغیر کسی تمہید کے تجھ سے کہتا ہوں کہ میدانِ
جنگ سے واپس ہونے والا مجھ سے زیادہ کوئی
شخص بدبخت نہیں ہے۔ میں نے تیری اطاعت
کی۔ تیرا فرمان بجا لایا۔ لیکن میں نے رب العالمین
کی نافرمانی کی اور کربلا کے اس واقعہ کے رونما
ہونے کا سبب بنا۔ اب جبکہ تیر کمان سے نکل
چکا ہے کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہا ہے۔"

ابن زیاد کے ایک بھائی (عثمان) نے جو اس میٹنگ میں موجود تھا
کہا:-

"بلاشبہ ابن سعد درست کہتا ہے۔ خدا بہتر
جانتا ہے کہ میں حسینؑ کے قتل کو پسند نہیں کرتا تھا۔
خواہ زیاد کے بیٹے قیامت تک دوسروں کے
چنگل میں گرفتار رہتے۔ میرے بھائی عبیداللہ،
اس نے تجھے نصیحت کی تھی لیکن تو نے خود اس
کی نصیحت نہ سُنی اور اس بُرے اور سنگین جرم
کا تو مرتکب ہوا۔

خدا اچھا ہے تو دشمن بھی خیر بن جاتا ہے

یہ خصوصی میٹنگ بھی اختتام کو پہنچی۔ کوفہ کی حالت بڑی عجیب تھی۔ لوگ
بڑے حیران تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے عقل و شعور سے محروم ہو چکے ہیں
ابن زیاد کا پروپیگنڈہ ——— زینبؑ ——— اُم کلثوم ———
اور ——— علی بن الحسینؑ کی تقاریر اور گورنر ہاؤس میں ہونے والے عام
جلسہ کی روداد کے چرچے کوفہ کے تمام گھروں میں ہو رہے تھے۔

سب ہی حیران و ششدر رتھے اور زید بن ارقم کی اس بات کو
درست قرار دے رہے تھے:

"ہم نے خود کو ابن زیاد کا غلام اور قیدی بنا لیا
ہے ——— یہ کیسا برا کام تھا ———؟
یہ کیسا بڑا گناہ تھا ———؟ یہ کیسا واقعہ
تھا جو رونما ہوا ———؟ ہم کیسے لوگ
ہیں ———؟ ہم نے خود حسینؑ کو دعوت
دی ——— ہم نے خود آپ کے نمائندے
مسلم کے ہاتھ پر بیعت کی ——— اور پھر ہم
ابن زیاد کے آگے سپر انداز ہو گئے ——— ہم
خود کربلا گئے۔ اب ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ
ہم کس قدر کمزور، بے بس اور بے اختیار ہیں
بنتِ علیؑ نے ہمارے بارے میں بالکل درست
کہا کہ ہم نے ایمان کے دھاگے کو کاتا اور پھر ہم

ہی نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔"

یہ اور ایسے ہی دوسرے خیالات تمام ہی لوگوں کے ذہنوں میں ابھر رہے تھے اور زبانوں سے بھی ان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

ابن زیاد نے اپنے تسلط کو مضبوط بنانے اور اس قسم کی مخالفِ حکومت باتوں کا سدباب کرنے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کو بے اثر بنانے کے لیے لوگوں کو مسجد میں ضروری باتیں سنانے کے بہانے طلب کیا۔

دوسرے دن لوگ، وہی حیران و پریشان لوگ —— وہی عوام جنہوں نے گزشتہ روز قیدیوں کی پراثر باتیں سنی تھیں —— وہی لوگ جنہوں نے گورنر ہاؤس کے عام جلسہ میں جو کچھ پیش آیا اسے دیکھا اور سنا تھا —— وہی لوگ ایک بار پھر مسجد میں جمع ہو گئے۔

مسجد لوگوں سے بھر گئی۔ ابن زیاد اپنے خاص محافظ دستے کے ساتھ جو پولیس کے حکام، کربلا کے کمانڈروں اور کچھ دوسری نمایاں شخصیتوں پر مشتمل تھا۔ مسجد میں داخل ہوا۔

ابن زیاد منبر پر آیا۔ حمد و ثنا کے بعد اس نے معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کی تعریف کی اور کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ اس نے حق اور اہلِ حق کو آشکار کر دیا اور امیر المومنین یزید کو فتح اور اس کے دوستوں کو نصرت عطا فرمائی۔"

ابن زیاد اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے اپنے اس فقرے پر پہنچا:

"خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے کو اور جھوٹے کے فرزند کو ہلاک کر دیا۔"

ایک نابینا کی جرأت

ابھی اس کا یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ ایک بلند آواز مسجد کے ایک کونے سے اٹھی اور ابن زیاد کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کہا:

"ابن مرجانہ شرم کر! حیا کر جھوٹے —— تو جھوٹا ہے اور تیرا باپ جھوٹا ہے اور وہ شخص جھوٹا ہے جس نے تجھے یہاں بھیجا اور تجھے حکومت دی —— اے خدا کے دشمن! بڑے بول سے احتراز کر —— پیغمبرؐ کے فرزندوں کو تو قتل کرتا ہے اور پھر مسجد کے منبر پر آ کر یہ ساری غلط بیانیاں کرتا ہے۔ تجھے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ تو فرزندانِ پیغمبرؐ کے بارے میں اس طرح کی جسارتیں کرے۔"

ابن زیاد سخت حیران ہوا، یہ کون ہے، جو اس قدر جری ہے اور ان حالات میں زبان کھولنے کی ہمت رکھتا ہے۔ تھوڑی دیر اس نے صبر کیا اور دیکھا کہ یہ شخص اپنی تنقید جاری رکھے ہوئے ہے۔

آخر سخت جھنجلا کر چلایا:

"یہ کون ہے جو بکواس کر رہا ہے اسے گرفتار کرو۔"

عبداللہ بن عفیف کندی نے خود جواب دیا:

"یہ میں ہوں جو تجھ سے مخاطب ہوں۔ اے دشمنِ خدا تو خود کو مسلمان سمجھتا ہے؟ اور ایمان دار

خیال کرتا ہے ـــــ؟ تو اس خاندان کی شان
میں جسارت کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن
میں تعریف کی ہے اور ان کی پاکیزگی کا ذکر کرتے
ہوئے ان کے بارے میں آیۂ تطہیر نازل کی۔"

یہ کہہ کر عبداللہ بن عفیف نے فریاد بلند کی:

"واغوثاہ! کہاں گئے مہاجر و انصار کے فرزند؟
تاکہ اس باغی اور ستمگر سے جس پر خدا اور رسولؐ
نے نفرت بھیجی ہے انتقام لیں۔"

عبداللہ ابن عفیف نے اپنی اس چیخ و پکار سے تمام لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا اور ابن زیاد کی توقع کے برعکس مجلس کو خاندانِ پیغمبرؐ کے حق میں کر دیا۔

اس پر ابن زیاد سخت برہم ہوا اور پولیس کو حکم دیا:

"اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے لاؤ میں
یہیں اس کے کیے کی سزا دیتا ہوں۔"

یہ حکم سنتے ہی مامورین نے حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن عفیف کے طرفداروں اور قبیلے (ازد) والوں نے مدافعت کی اور ہنگامہ ختم کرنے کے لیے اسے نکال کر مسجد سے باہر لے گئے۔

عبداللہ بن عفیف ازدی علیؑ کے خالص اور وفادار دوستوں میں سے تھا۔ اس نے اسلام کی راہ میں جہاد کیا تھا۔ وہ جنگِ صفین میں اپنی دائیں آنکھ سے اور جنگ جمل میں علیؑ کے ہم رکاب لڑتے ہوئے اپنی بائیں آنکھ سے محروم ہو گیا تھا۔ اور دونوں آنکھوں سے محروم ہونے اور شہادتِ علیؑ کے بعد میدانِ سیاست

سے دستبردار ہو کر غالباً کوفہ کی مسجد اعظم میں عبادت میں اور دینی تبلیغات میں مصروف رہتا تھا۔

ابن زیاد نے جب یہ دیکھا کہ مسجد اعظم میں ایک ایسا غیر متوقع واقعہ پیش آگیا اور اس نے جو اجتماع طلب کیا تھا اس کا سارا فائدہ خاندان رسول صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کو پہنچ گیا اور مسجد میں جمع ہونے والے عوام کے قلوب اور ان کے ذہن فرزندان رسولؐ اور شہدائے کربلا کی جانب متوجہ ہو گئے تو اس نے پھر اپنی جابرانہ و آمرانہ سیاست کو سختی سے نافذ کرنا شروع کر دیا اور حکم دیا:

"اس نابینا کو گرفتار کر کے ہر قیمت پر میرے حوالے
کیا جائے۔ اس نے آج تیز و تند باتیں کر کے بڑی
جسارت کی۔ ہم نے اس کی قوم اور قبیلہ کا بڑا لحاظ کیا
لیکن وہ اور زیادہ جری ہو کر تیز و تند باتیں
کرتا رہا۔"

عبداللہ کو گرفتار کرنے کے لیے جو سرکاری فوج کا دستہ حرکت میں آیا تو اسے عبداللہ کے قبیلے کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں جس کے نتیجے میں چند لوگ ہلاک ہو گئے۔

آخر کار ابن زیاد کے آدمیوں نے اس کے گھر کا دروازہ توڑ دیا اور اندر گھس گئے[1]۔ عبداللہ نے اپنی اکلوتی بیٹی کے ہاتھ سے تلوار لے کر اپنے اطراف

---

[1] آپ دیکھیے ایک بدخو گورنر کس قدر خود پسند ہوتا ہے کہ اسلامی فوج کو ایک نابینا کو گرفتار کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور کس شرمناک طریقے پر اسے گرفتار کر کے قتل کر دیتا ہے اور پھر اپنی اس کارروائی کو اسلام اور حکومت اسلامی کی طرفداری قرار دیتا ہے۔

اسے گھمانا شروع کر دیا اور انتہائی شجاعت سے اپنا دفاع کرنے لگا۔ آخر اسے گرفتار کر کے گورنر ہاؤس پہنچا دیا گیا۔

ابن زیاد نے عبداللہ کی طرف رخ کر کے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ تو ذلیل ہوا اور پکڑا گیا۔"

عبداللہ نے جواب دیا:

"میں کیوں ذلیل ہوا؟ خدا کی قسم اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں ابھی تجھے بتاتا کہ میں ذلیل ہوا ہوں یا نہیں۔"

ابن زیاد نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ عبداللہ کی گرفتاری اس تقریر کی بنا پر جو اس نے مسجد میں کی تھی پروپیگنڈہ کے اعتبار سے اس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہوگی اور بتدریج یہ اس کے حاشیہ نشینوں کے ذہنوں کو بھی متاثر کر دے گی۔

ابن زیاد یہ چاہتا تھا کہ ایک عمدہ منصوبے کے تحت اور مؤثر پروپیگنڈہ کے ذریعے عبداللہ کی باتوں کے اثرات کو زائل کر دے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک ایسا منصوبہ بنایا کہ ابا عبداللہ الحسینؑ کا قتل صد فی صد لازمی اور صحیح و جائز عمل کی صورت میں لوگوں کے سامنے آئے۔

اب اس نے عبداللہ کی طرف رخ کر کے کہا:

"اے ابن عفیف! عثمان کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔؟"

عبداللہ نے اس کی توقع کے خلاف پوری جرأت کے ساتھ جواب دیا:

"اے عبد بنی علاج! اے ابن مرجانہ! تجھے اس سے کیا غرض کہ عثمان اچھا تھا یا برا تھا۔ اس نے

اچھا کیا یا برا کیا تو مطمئن رہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اپنے بندوں کے درمیان عدل کے مطابق معاملہ کرے گا۔"

عبداللہ نے جو اپنی جان پر کھیل چکا تھا اور اسے کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی ابن زیاد کی طرف سے دوسرا سوال کیے جانے سے پہلے اسے یہ کہہ کر مشکل میں ڈال دیا:

"ابن مرجانہ! اگر تو سچ کہتا ہے تو مجھ سے یہ پوچھ کہ میں تیرے اور تیرے باپ کے بارے میں اور یزید اور اس کے باپ کے بارے میں کیا خیال رکھتا ہوں؟ تاکہ میں ان حقائق کا ذکر کروں جنھیں زبان پر لانے کی اجازت نہیں۔"

ابن زیاد نے جان لیا کہ عبداللہ اسے کن باتوں کی طرف لے جانا چاہتا ہے اور یہ باتیں اس کی اور اس کے خاندان کی رسوائی کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس لیے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس نے بات کو منقطع کرتے ہوئے کہا:

"عبداللہ! میں اب تجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اب تو اپنی موت کا مزا چکھ۔"

اس پر عبداللہ نے اس قدر بلند آواز سے الحمد للہ کہا کہ تمام اہل جلسہ نے سن لیا:

"اے اللہ تیرا شکر ہے۔ ابن زیاد! میں نے تیرے اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے خدا سے دعا کی تھی کہ دین کی راہ میں شہادت مجھے نصیب فرما۔

اور یہ کہ میں شقی ترین لوگوں کے ہاتھ مارا جاؤں۔
میں نے گزشتہ جنگوں میں شرکت کی لیکن مجھے
شہادت نصیب نہ ہوئی۔ جب سے میری دونوں
آنکھیں جاتی رہی ہیں تو میں شہادت سے مایوس ہو
گیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر
عنایت فرمائی اور میری دعا قبول فرمائی اور میں
تیرے ہاتھوں جامِ شہادت نوش کروں گا۔"

ابن زیاد نے مسلسل پیش آنے والے ایسے واقعات کے بعد جب عبد اللہ کی ان باتوں کو سُنا تو وہ مغلوب الغضب ہو گیا اور اسے خود اپنا ہوش نہیں رہا۔ (ایک اور گناہ پچھلے گناہ کو زائل نہیں کرتا) اور اس نے بڑی خشونت کے ساتھ حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی گردن اڑا دو۔ سپاہی عبد اللہ کو لے گئے اور اسے شہید کر دیا۔

لمحۂ فکریہ

محترم قارئین آپ خود سوچیے اور دیکھیے۔ ابا عبد اللہ الحسین ؑ کا اندازہ کس قدر درست تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو کیوں میدانِ کربلا میں لے کر آئے تھے اور ان تمام نصیحتوں اور مشوروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

حسین ؑ اس لیے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لائے تھے کہ میدان جنگ میں شکست و شہادت کے بعد بھی کامیابی کی راہ کھلی رہے۔ تاکہ یہی اہل و عیال اور یہی قیدی ان مواقع سے استفادہ کرتے ہوئے آپؑ کی شہادت کے بعد لوگوں کے سامنے حقائق کو پیش کریں اور ایک موج حرکت پیدا کر دیں۔

یہی بیوی بچے اور یہی اسیر اپنے خطبات اور بیانات کے ذریعہ ایک ایسی حرکت پیدا کر دیں کہ جس قدر اسے روکنے کی کوشش کی جائے اس میں اور زیادہ اضافہ ہو اور وہ زیادہ خطرناک بنتی چلی جائے۔

یزید کی ظلم و استبداد کی بنیاد کو ڈھانے کے لیے اور لوگوں کو ایک حقیقی اسلامی حکومت سے آشنا کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے کہ بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے۔

اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کیا کہنے لیکن اگر ہم شکست کھا جائیں تو اسیروں کو اپنی گفتگو اور خطابات سے لوگوں کے دلوں میں ایسا اثر پیدا کرنا ہوگا کہ ظالموں کی حکومت کی بنیادیں لرزنے لگیں۔ اور ہمارے اصل ہدف کے لیے جد و جہد آگے بڑھ سکے۔

اگر اس کے نتیجے میں ظالم پیچھے ہٹ گئے اور اسلامی معاشرہ پر سے ان کے ظلم و ستم کا ہاتھ کوتاہ ہو گیا اور مقدس الٰہی قوانین جن کی بنیاد انسانی فطرت پر رکھی گئی ہے سقوط کے خطرے سے محفوظ ہو گئے تو انھیں قوت حاصل ہوتی چلی جائے گی اور یقیناً ایک حقیقی اسلامی حکومت وجود میں آجائے گی۔

آلِ عصمت کے قیدیوں کے خطبات جو اس قدر موثر اور حقائق کی تشریح کرنے والے تھے۔ پھر زید بن ارقم کی گفتگو۔ اس کے بعد عبد اللہ بن عفیف کا واقعہ یہ سب یکے بعد دیگرے حکومت کو نقصان پہنچانے کا سبب بنے۔

اسیرانِ کربلا نے یزید اور ابن زیاد کی حکومت کے خلاف ان تبلیغات سے پوری پوری طرح کام لیا۔ ابن زیاد اور ابن سعد کے درمیان اس خط کے بارے میں جو بحث ہوئی اس سے بھی ہم نے جان لیا کہ معاملہ کس نوعیت کا تھا اور اس نے خود ابن زیاد کے طرفداروں پر کیا اثر ڈالا تھا۔ دوسرے نتائج جن سے ہم آگے چل کر واقف

ہوں گے۔ یہ سب کچھ حسینؑ کے بیوی بچوں کے آپ کے ساتھ کربلا آنے ہی کی وجہ سے پیش آسکا۔

اب ہم کوفہ کو خدا حافظ کہہ کر قافلۂ حسینی کے پیچھے پیچھے اور اس کے اصل ہدف کی جانب بڑھتے ہوئے شام کا رخ کرتے ہیں۔

اگر آپ بھی ہمارا ساتھ دیں تو بسم اللہ!

یزید سے ہدایت طلبی

ابن زیاد نے کربلا کے واقعہ کی تفصیلات یزید کو لکھیں اور اسیروں کے بارے میں اس کی ہدایت طلب کی اور ایک خط کے ذریعہ مدینہ کے گورنر کو بھی اس نے حالات سے مطلع کیا۔

شام کی جانب سے تحسین وتشکر کے بعد حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اسی طرح مقتولوں کے سروں کے ساتھ شام روانہ کرو۔

لیکن مدینہ میں اس اطلاع کا ایک دوسرا ہی ردعمل ہوا۔ قریش کے محلے اور خاندانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح گریہ وزاری کی آواز بلند ہوئی کہ وہ پورے شہر پر اثر انداز ہو گئی اور ہر شخص شہادتِ حسینؑ کی خبر سن کر اس کے ذمہ داروں پر لعنت اور نفرین بھیجتا اور یزید کی حکومت کو برا بھلا کہتا۔ اور ـ نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

ایک جلسہ میں بزرگوں کی ایک جماعت تشریف رکھتی تھی ان میں سے ایک نے عبداللہ بن جعفر کی طرف رخ کر کے کہا:

"میں تمھیں تسلی دیتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ تمھارے بچے بھی وہاں شہید ہو گئے۔ اس مصیبت

کو آپ حسینؑ کی آنکھوں سے دیکھیں۔"

عبداللہ جعفر اس جملہ کو سن کر سخت غصے میں آئے اور کہنے والے کو لاجواب کرتے ہوئے کہا:

"میرے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ میں نہ سہی میرے بچے تو حسینؑ کے ہم رکاب تھے۔ اور وہ ان کی حمایت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ خدا کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ جائے گا تو میں بھی ضرور حسینؑ کے ساتھ جاتا۔"

صرف عبداللہ جعفر ہی نہیں شاید کسی کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ یہ ظالم حکومت اپنے جرم اور ظلم کو اس انتہا تک پہنچا دے گی۔ ہر شخص یہی سوچتا تھا کہ یہ معاملہ بڑا سنگین اور خطرناک ہے لیکن کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس حد تک جا پہنچے گا۔

ابن زیاد کے حکم سے قافلے کو کوفہ سے شام کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ اس قافلے کو شام تک لے جانے کے لیے جس شخص کو ذمہ دار بنایا گیا تھا وہ بہت سخت اور تند مزاج تھا اور اپنی اس سختی میں وہ شہیدوں کے سروں پر مامور افسر سے کچھ کم نہ تھا۔ ان کی سختی اور تند مزاجی کا یہ ثبوت ہے کہ علی ابن الحسینؑ جو مرد قافلہ سمجھے جاتے تھے۔ سارے راستے میں انھوں نے ان افسروں سے ایک بات بھی نہیں کی۔

دربار شام اس قافلے کا منتظر تھا کیونکہ یہ یزید کی فتح وکامرانی کی علامت بن کر آرہا تھا۔ دار الحکومت اپنے مخصوص عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ سب اس فتح کو نیک فال قرار دے کر خلیفہ اور بادشاہ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اگر اس وقت کوئی اجنبی بھی شہر میں داخل ہوتا تو اسے یہ احساس ہوتا کہ

گویا وہاں قومی جشن منایا جا رہا ہے اور عید کا سا سماں ہے۔

یہ انتظار بالآخر ختم ہو گیا۔ اسیروں کا قافلہ شہیدوں کے سروں کے ساتھ ساعات کے دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ ہزاروں تماشہ بین اس قافلہ کے استقبال کے لیے جمع ہو گئے۔

قافلہ ایک بڑے ہجوم کے ساتھ سڑکوں اور گلیوں سے گزرتا ہوا دارالحکومت کے وسط میں پہنچ گیا۔ حکومتِ یزید کے بلند ایوان کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی۔

دمشق میں اس وقت جشن کی سی کیفیت تھی۔ قافلہ کے پہنچتے ہی دربار کا انتظار ختم ہو گیا۔

شاہانہ مجلس

یزید جواہرات سے مزین تاج پہنے تختِ سلطنت پر بیٹھا تھا۔ معززین اور درباری اپنی مخصوص کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دُور و نزدیک کے ملکوں کے سفراء اس موقع کی مناسبت سے شام آئے ہوئے تھے وہ بھی دربار میں موجود تھے۔ مجلسِ شاہانہ شکوہ و جلال لیے ہوئے تھی۔

اسیروں کو لانے کا حکم دیا گیا۔ عورتوں اور لڑکیوں کے لیے تخت کے پیچھے جگہ مخصوص کی گئی تھی۔ حضرت علی ابن الحسینؑ دائیں جانب اسیروں اور مجلس کے درمیان کھڑے تھے۔

ابا عبداللہ کے مقدس سر کو ایک طلائی برتن میں یزید کے سامنے رکھا گیا۔ یہ وہی سر تھا جس نے اپنی ملکوتی شان کی طرف سب کو متوجہ کر لیا تھا۔ ہر شخص یہ سوچ رہا تھا کہ یہ سر کس کا ہے؟ اور ان اسیروں کا کیا معاملہ ہے؟ اسیروں کی قابلِ رحم حالت اور اس کٹے ہوئے سر کی نورانیت سے یزید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

جس شخص نے حسینؑ کے سر کو اٹھا رکھا تھا یزید کی خوشامد کرتے ہوئے اس نے کہا:

"مجھے اس قدر انعامات اور سونا چاندی اس خدمت کے صلے میں دیجیے کہ وہ میرے گھوڑے کی رکاب تک پہنچ جائیں کیونکہ جس شخص کو قتل کر کے اس کا سر میں آپ کے پاس لایا ہوں وہ لوگوں میں بہترین تھا اور اس کا نسب عالی ترین تھا۔"

یزید نے کہا:

"اگر یہ شخص ایسا تھا تو تو نے اُسے کیوں قتل کیا؟"

اس نے کہا:

"میں نے آپ کے لیے اور آپ کے انعامات کی خاطر اسے قتل کیا۔"

یزید نے فوراً حکم دیا کہ:

"اس کو لے جاؤ اور قتل کر دو۔"

زحیر بن قیس جو اس قافلے کو شام پہنچانے پر مامور تھا وہ آگے آیا اور واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

یزید پوری توجہ کے ساتھ اس کی رپورٹ کو سنتا رہا۔ کبھی خوشی کے آثار اس کے چہرہ پر ظاہر ہوتے اور کبھی ناگواری کے۔ یہاں تک کہ ابن قیس کی رپورٹ ختم ہو گئی۔

یزید نے سر اٹھا کر کہا:

"میں تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن حسینؑ

کو قتل کیے بغیر بھی تم میری خوشنودی حاصل کر سکتے
تھے۔ اگر میں بذاتِ خود ان سے ملتا تو یقیناً انھیں
معاف کر دیتا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو کسی قیمت پر
حسینؑ کے ساتھ جنگ اور انھیں قتل کرنے سے
اتفاق نہ کرتا۔ یہ ابن زیاد کی غلطی تھی۔ ابن مرجانہ
کو اللہ اپنی رحمت سے دور رکھے کہ اس نے کام
کو اس انتہا تک پہنچا دیا۔ لیکن اب کوئی چارہ
نہیں، قضائے الٰہی تھی سو گزر گئی۔"

اس کے بعد یزید نے اہل مجلس کی جانب رُخ کر کے اور حسینؑ کے مقدس
سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"حسینؑ مجھ پر اپنی بزرگی جتاتے تھے وہ کہتے تھے
میرے نانا میرے باپ اور میری ماں، یزید کے
دادا، باپ اور اس کی ماں سے برتر ہیں اور خود
کو وہ مجھ سے بہتر قرار دیتے تھے۔"

"ان کا مقصد یہ تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں،
اسی لیے ہماری خلافت و سلطنت پر ان کی آنکھیں
لگی ہوئی تھیں۔ ان کی یہی باتیں تھیں جو ان کے
قتل کا سبب بنیں۔ البتہ ان کا یہ کہنا صحیح تھا کہ
میرے نانا یزید کے دادا سے بہتر ہیں۔ ان کا یہ
کہنا بھی درست ہے کہ ان کی ماں میری ماں
سے بہتر ہیں۔ لیکن انھوں نے میرے باپ سے

اپنے باپ کو بہتر اور مجھ سے خود کو بہتر کہہ کر غلطی کی
تھی۔ انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ میرے باپ نے
ان کے باپ کے ساتھ جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے
حق کو روشن کر دیا اور ملک میرے باپ کو عطا
کیا۔ انھوں نے خود کو مجھ سے بہتر قرار دیا مگر کیا
حسینؑ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی:

"قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
مَنْ تَشَاءُ"

یزید ان کلمات کو بڑی خود اعتمادی کے ساتھ اور بڑے اطمینان کے ساتھ
ادا کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ جوش میں آگیا اور غرور و نخوت سے بھر گیا اور
اپنی نازک سی شاہانہ چھڑی سے حسینؑ کے لب و دندان کی جانب اشارہ کرتے
ہوئے نامناسب الفاظ زبان پر لایا اور کہنے لگا:

"حسینؑ! دنیا کو تم نے کیسا پایا ــــــ؟
کیسے خوبصورت لب و دندان تمھیں ملے ــــ؟
کس قدر جلدی پیری کے آثار تمھارے چہرے پر
ظاہر ہو گئے۔"

اس کے بعد یزید نے چند اشعار پڑھے جن سے اس کے خیالات و
احساسات کا اظہار ہوتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شهدوا   جزع الخزرج من وقع الاسل
فاهلوا واستهلوا فرحاً   ثم قالوا یا یزید لاتشل

یزید ان اشعار کو پڑھتا جاتا تھا اور اپنی چھڑی سے حسینؑ کے لب و دندان

کی طرف اشارہ بھی کرتا جاتا۔ اچانک خلاف توقع ایک شخص آگے آیا اور بلند آواز سے اس نے کہا:

"یزید! اپنی چھڑی کو ہٹالے۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے خود دیکھا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لبوں کو چومتے تھے اور کہتے تھے نفرین ہو تیرے قتل کرنے والے پر۔"

ان فقروں نے ہر شخص کو متوجہ کر لیا اور یزید نے یہ محسوس کر کے کہ مجلس دگرگوں ہو جائے گی حکم دیا:

"اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ ——"

سپاہی اُسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔

دخترِ علیؑ نے دربار کو تسخیر کر لیا

مجلس پُر سکون ہو گئی۔ قبل اس کے کہ یزید دوبارہ اپنی خود پسندانہ اور غاصبانہ گفتگو شروع کرے حاضرینِ مجلس ایک دوسری آواز کی جانب متوجہ ہو گئے۔

یہ حمد و ثنا کے بعد ایک طویل تقریر شروع کرنے والی زینب بنتِ علیؑ تھیں۔ وہ کچھ آگے آئیں اور یزید کو مخاطب کر کے کہا:

"یزید! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ بالکل درست فرمایا ہے: ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَىٰ أَن كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ —— جن لوگوں نے بُرائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت بُرا ہوا آخر کار وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔" (سورہ روم آیت ۱۰)

"یزید کیا تو اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ تیرے حکم سے ہم پر سختی کی گئی اور اپنے عزیزوں کی شہادت کے بعد اسیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تو ہم خدا کی نظروں میں چھوٹے ہو گئے اور تو خدا کی نظروں میں بڑا ہو گیا۔"

"یزید! کیا تو یہ سوچتا ہے تجھے یہ فتح اس مرتبہ و مقام کی وجہ سے حاصل ہوئی جو تو خدا کے پاس رکھتا ہے؟"

"تو خیال کرتا ہے کہ خدا تجھے دوست رکھتا ہے اس لیے یہ معاملات اس حد تک پہنچے اور اسی لیے تیرا دماغ آسمان پر پہنچا اور تو اپنے شانے اونچے کر کے اور سینہ پھلا کر خوش و خنداں اس فتح کا ڈنکا بجا رہا ہے؟!"

"یزید! تو نے یہ باور کر رکھا ہے کہ اگر دنیا تیری مراد کے مطابق گردش کرتی ہے اور جنگ میں تجھے فتح حاصل ہوتی ہے اور تو ہمارے حق اور ہماری حکومت کو غصب کر سکتا ہے تو یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تو خدا کا محبوب ہے ہا! بڑی حیرت ہے؟! کچھ اپنی رفتار کو آہستہ کر، اس قدر تیز نہ چل، کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ کیا تو نے ان آیات کو فراموش کر دیا ہے۔ کیا تو نہیں

جاننا کہ خدا نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کیا فرمایا ہے :"

"یہ ڈھیل جو ہم انھیں دیے جاتے ہیں یہ کافر اس کو اپنے
حق میں بہتری نہ سمجھیں ہم تو انھیں اس لیے ڈھیل
دے رہے ہیں کہ یہ خوب بارِ گناہ سمیٹ لیں، پھر
ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔"[1]

(سورہ آل عمران آیت ۱۷۸)

"یزید! اے اس شخص کے بیٹے جس کو میرے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا۔[2] تو خیال کرتا ہے کہ تو بادشاہ عادل ہے؟ کیا یہ انصاف ہے کہ تیری عورتیں اور لونڈیاں پردہ میں اور آزاد ہوں لیکن رسول خدا کی بیٹیاں اس طرح ایک عام مجلس میں حاضر کی جائیں! افسوس ہے تجھ پر اور تیری اس عدالت پر۔ کیا تو سچ کہتا ہے کہ تو عادل ہے؟ تیرے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں اور فرزند قیدیوں کی حیثیت سے شہر شہر پھرائے جائیں اور پھر تیرے پاس لائے جائیں؟"

یہاں زینبؑ کا اشارہ خود اپنی جانب تھا۔ پھر زینبؑ نے چند جملے یزید کے بارے میں کہے۔ زینبؑ کہتی ہیں:

---

[1] وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ

[2] فتح مکہ کی داستان کی طرف اشارہ ہے اور رسول خدا کے جملہ کی طرف اشارہ ہے۔ انتم الطلقاء۔

"کس شخص سے امید رکھی جائے۔ کیا اس شخص سے
جس نے پاک ہستیوں کا کلیجہ چبایا[1] اور جس کا گوشت
شہیدوں کے خون سے بنا ہے۔"

"ہاں! یہ حیرت کی بات نہیں ہے کہ تو بڑے غرور کے ساتھ ان اشعار کو پڑھتا ہے اور اپنے جرائم پر فخر کرتا ہے اور اپنی دستی چھڑی سے ابی عبداللہ کے لبوں اور دانتوں پر جو اہلِ بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں ضرب لگاتا ہے۔"

"بے شک تو کیوں نہ ضرب لگائے اور کیوں نہ اشعار
پڑھے ——؟ پیغمبر کے فرزندوں کا خون بہا کر
تیرے دل کو آرام ملا ہے اور تیرا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟"

زینبؑ تقریر کرتی جا رہی تھیں اور تمام اہل مجلس ایک غم انگیز سکوت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ زینبؑ کی آواز کے آہنگ نے اس طرح درباریوں کو اپنے سحر میں لے رکھا تھا کہ خود یزید کو ان کی بات کاٹنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ بنتِ علیؑ اس قدر واضح اور روشن بحث کر رہی تھیں اور ان کی تقریر اس قدر منطقی اور مدلل تھی کہ اس نے پوری مجلس کو مسخر کر لیا تھا۔

زینبؑ کی بحث جب اس مقام پر پہنچی تو انھوں نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور تمام سننے والوں کے سامنے کہا:

---

[1] یزید نے اپنے اشعار میں گزشتہ جنگوں مثلاً جنگ بدر کی جانب اشارہ کیا تھا زینبؑ نے اسی طرح کے اشارے سے یزید کو ذلیل کیا۔ اشارہ اس کی دادی ہندہ کی طرف تھا جس نے حکم دیا تھا کہ حمزہ کا کلیجہ نکال کر اس کے منہ میں دیا جائے۔

"اے پروردگار! جن لوگوں نے ہمارا حق غصب کیا ہے وہ تو ان سے واپس لے۔ بارِ الٰہا! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے طرفداروں کو قتل کیا ہے تو ان سے انتقام لے۔"

زینبؑ نے ایک بار پھر یزید کی جانب رُخ کر کے اپنی تقریر جاری رکھی:

"یزید! خدا کی قسم جو کچھ ظلم تو نے کیا ہے خود اپنے اوپر کیا ہے۔ تو نے اس پاک شخصیت کا خون بہایا اور اس کی حرمِ محترم کو اسیر بنایا ہے۔ بلاشک قیامت کے روز تجھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کرنا پڑے گا اور فرزندانِ رسول کا حق تجھ سے لیا جائے گا۔ تو یہ گمان نہ کر کہ راہ حق کے شہدا مردہ ہیں، وہ زندہ ہیں اور خدا کے پاس انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ تیرے لیے بس یہی کافی ہے تیرا فیصلہ کرنے والا خدا اور تیرے دشمن رسولِ خدا ہیں۔"

"یزید! تجھے آج یا کل معلوم ہو جائے گا کہ کس شخص نے تیرے لیے زمین ہموار کی اور تجھے مسلمانوں کے کندھوں پر سوار کیا۔ بے شک ظالموں کے جانشین ہمیشہ برے لوگ ہوتے ہیں۔"

"یزید میں تھکی ہوئی اور مصیبت زدہ ہوں۔ خیال نہ کر تجھ سے بات کرتے ہوئے میں تیرا کوئی خیال کروں گی۔ خواہ میرے لیے زحمت اور تکلیف

زیادہ سے زیادہ فراہم کی جائے۔ تو میری نظر میں بہت چھوٹا ہے تو نے یہ جو بڑے بڑے جرائم کیے ہیں ان پر تیری سرزنش کرنا اور تجھے الزام دینا میں بہت ضروری سمجھتی ہوں۔ لیکن کیا کروں کہ میری آنکھیں گریاں اور میرا سینہ سوزاں ہے۔"

"کس قدر حیرت کی بات ہے کہ شیطان کی جماعت اور تیرے نانا کے آزاد کردہ لوگوں کے لڑکوں نے اللہ کی جماعت کو قتل کیا ہے اور ان کے ہاتھ ہمارے خون سے آلودہ ہیں اور ان کے منہ اور ان کی بانوں سے ہمارے جگر زخمی ہیں؟!"

زینبؑ مسلسل بولتی رہیں اور اس مقام پر پہنچیں اور بڑے جوش اور وضاحت کے ساتھ انھوں نے کہا:

"یزید! تو جو بھی کوشش کرنا چاہتا ہے کر لے اور تو جس قدر حیلہ و مکر سے کام لینا چاہتا ہے لے لیکن خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ تو ہمارے نام کو مٹا سکے اور ہمارے مکتب کو ڈھا سکے تیرے لیے چند روز سے زیادہ مہلت نہیں ہے۔ تو ہمارے مکتب کے مقدسات (جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں) تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ تیری قدرت اور اثر و نفوذ چند روزہ اور یہ تیری حکومت و سلطنت عارضی ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے اور دوسرے میدانِ عمل سامنے آئیں گے۔ یزید

اس دن جب لوگ ظالموں پر نفرین بھیجیں گے
تو تیرا ٹھکانا کہاں ہوگا ؟ "

" یزید! خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پیشرو سعادت کے ساتھ گزر گئے اور ان کے بعد ہمارے حصے میں رحمت و شہادت آئی۔ ہم خدا سے ان کیلیے زیادہ سے زیادہ ثواب طلب کرتے ہیں اور بہت زیادہ عنایت مانگتے ہیں۔ وہی خدائے واحد مہربان ہے۔"

اس قدر کہنے کے بعد زینب تھک گئیں۔ وہ بنیادی باتیں کہہ چکی تھیں، اس لیے خاموش ہو گئیں۔

یزید، زینبؑ کی ان تمام باتوں کے مقابل اس طرح مجذوب اور مسحور ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ نہ صرف یہ کہ وہ زینبؑ کی بات کو کاٹ نہ سکا بلکہ سخت متاثر نظر آ رہا تھا۔ تقریر ختم ہونے کے بعد صرف یہ کہہ کر اس نے اپنا ردعمل ظاہر کیا :

" مصیبت زدہ افراد کس قدر اپنے آپ سے گزر چکے ہیں اور موت کو آسان سمجھ رہے ہیں اور خطرات کی انھیں ذرا بھی پرواہ نہیں ...... "

پھر اس نے علی ابن الحسینؑ کی طرف رخ کیا۔ گویا وہ زینبؑ کی باتوں کا جواب دینا چاہتا تھا۔ اس نے فرزندِ حسینؑ کو آواز دی اور کہا :

" اے فرزندِ حسینؑ! یہ تمھارا باپ تھا کہ جس نے قطع رحمی کی۔ ہمارے حق کا لحاظ نہ رکھا اور سلطنت کے بارے میں ہم سے جھگڑا کیا اور معاملے کو اس نہتا پر پہنچا دیا۔"

امام سجادؑ نے ایک آیت قرآن کی تلاوت فرمائی۔ یزید نے اپنا اصل جواب پالیا اور ایک دوسری آیت پڑھ کر خود کو اس بحث سے الگ کر لیا اور محسوس کر لیا کہ اس گفتگو کا جاری رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہو گا۔ ناچار اس نے اہلِ مجلس کی جانب رخ کیا اور کہا :

" آپ کی رائے میں ان اسیروں کے ساتھ میں کیا سلوک کروں ؟! "

ہر شخص نے کچھ نہ کچھ کہا اور یزید کی خوشنودی کے لیے میٹھی میٹھی باتیں کیں یہاں تک کہ نعمان بن بشیر نے کہا :

" یزید! دیکھ اگر پیغمبرِ خداؐ اس وقت یہاں ہوتے تو ان کے ساتھ کیا کرتے ___ ؟ تو بھی ویسا ہی سلوک کر۔"

یزید نے کہا :

ے علی بن الحسینؑ نے یہ آیت پڑھی تھی: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَھَا ؕ اِنَّ ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ (سورہ حدید آیت ۲۲) ترجمہ آیت: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین میں یا تمھارے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب (یعنی نوشتہ تقدیر) میں لکھ نہ رکھا ہو۔ ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان کام ہے۔ یزید نے یہ آیت تلاوت کی: وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ (سورہ شوریٰ آیت ۳۰) ترجمہ: تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔

"تو درست کہتا ہے۔"

اس کے بعد اس نے نرمی شروع کر دی کہ اس کے نمونے آپ آگے دیکھیں گے۔

آپ کا فیصلہ

محترم قارئین! اب آپ بخوبی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حسینؑ اپنے بیوی بچوں کو کیوں ساتھ لائے تھے؟

کیوں امامؑ نے ایک ایسے سفر میں جس کے متعلق خود بھی پیش بینی کرتے ہوئے کہا تھا اور دوستوں نے بھی توجہ دلائی تھی کہ خطرناک ہوگا اور ممکن ہے کہ معاملہ سنگین نتائج پر جا پہنچے۔ اس کے باوجود وہ بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں حسینؑ نے دوستوں کی نصیحت اور مشوروں کی جانب توجہ نہیں دی اور انھیں مختلف اور مناسب حال جواب دیتے ہوئے خاموش کرتے رہے۔ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک ایسے خطرناک سفر پر روانہ ہو گئے۔

یہی بیوی بچے تھے جنھوں نے کہ نہایت کم اور مختصر مواقع سے بہترین طریقے پر استفادہ کیا اور حسینؑ کے اصل ہدف سے لوگوں کو آشنا کیا۔

یہی زینبؑ تھیں (بڑی بہن اور قافلے کی خواتین میں سب سے بڑی) جنھوں نے شہر کوفہ کو اپنی تقاریر سے متاثر کیا اور عراق کی گورنری کو ملزم اور قصور وار ٹھہرایا۔ اور اسے رسوا کیا۔

یہی زینبؑ ان کی چھوٹی بہن اور بھتیجے تھے جنھوں نے اپنے مسلسل خطابات

سے یزید اور ابن زیاد کے پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی اور ان کے جرائم کو لوگوں کی نظروں کے سامنے بے نقاب کر دیا۔

اگر یہ بیوی بچے حسینؑ کے ہمراہ نہ ہوتے تو شکست اور قتل ہونے کی صورت میں اس جنگ سے معمولی سا بھی فائدہ حاصل نہ کیا جا سکتا۔

حسینؑ نے سوچا کہ بیوی بچوں کو ساتھ رکھا جائے۔ اگر ہم فتح و نصرت سے بہرہ مند ہوتے ہیں تو کیا کہنے بصورت دیگر وہ ہمارے ہدف کی تشریح و توضیح کر سکیں گے اور ہماری جدوجہد کو نتیجہ خیز بنا سکیں گے۔

حسینؑ کے یہی بیوی بچے تھے کہ یزید کی غاصبانہ حکومت کے حساس ترین مراکز میں مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ انھوں نے تمام حقائق کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے کھول دیا۔

اسی زینبؑ نے اپنے صریح اور واضح کلمات کے ذریعہ دربار یزید کے حاضرین کو مسخر کر لیا اور یزید کے منہ پر اس کے تمام جرائم کو بے نقاب کر دیا۔

حسینؑ کی بڑی بہن اور علیؑ کی دختر یہی زینبؑ ہیں کہ اس ساری مصیبت کو برداشت کرنے اور قید و بند کی اس طویل راہ کو طے کرنے کے باوجود مجلس شاہانہ سے مرعوب نہ ہوئیں اور نہایت شجاعت کے ساتھ تمام حقائق کو بیان کیا اور لوگوں کے افکار و خیالات کو متزلزل کر کے رکھ دیا۔ فی الحقیقت انھوں نے یزید کی جابرانہ حکومت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور حسینؑ کی جدوجہد کو مثبت نتائج سے ہمکنار کر دیا تھا۔

اب آپ اس جملے کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیں گے جو امامؑ نے کہا تھا اور اعتراف کریں گے کہ حسینؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کے جواب میں یہ جو کہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ بیوی بچے اسیر ہوں گے تو اس کی کیا تعبیر تھی۔

زینبؑ کو اس دلیل کی بنا پر ساتھ لے جاتے ہیں کہ شکست ہونے کی صورت میں اس طویل راستے میں جو کربلا سے مدینے تک کا ہے مواقع سے فائدہ اٹھا کر وہ دنیائے اسلام کو متوجہ کریں اور یزید کی جابرانہ حکومت کے جرائم بیان کر کے ظلم و استبداد کی بنیادوں کو ڈھانے کے اسباب فراہم کردیں اور اس کے نتیجے میں اسلام اور مسلمانوں کو مفاد پرستوں کے چنگل سے نجات دلا دیں تاکہ الٰہی قوانین آزاد انسانی معاشروں میں نافذ ہو سکیں۔

اصل ہدف اسلام کو سقوط سے نجات دلانا ہے۔ اس کے لیے بنی امیہ کے ظلم و استبداد پر مبنی حکومت کا سقوط ضروری ہے۔ بلاشبہ یہ ہدف بڑا مشکل اور بھاری ہے لیکن حقیقی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی سے تمام مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے شہید ہونا پڑے گا اور خون دینا ہوگا۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی لیکن اس کے سوا کوئی دوسری راہ موجود نہیں ہے۔ اساسِ اسلام سے نظریں پھیرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہم شہید ہوں گے، اپنا خون دیں گے، قید ہوں گے جلد یا بدیر اپنا مقصد حاصل کر لیں گے۔

محترم قارئین! زینبؑ کے کلمات کا ایک بار اور مطالعہ فرمائیں۔ اس کے منطقی اور مدلل جوابات پر غور فرمائیے کیا انھیں درست نہیں کہا جاسکتا۔

یہ زینبؑ ہے جس نے ایسی موثر منطق اور فیصلہ کن باتوں سے نہ صرف عام لوگوں اور فوج و ملک کی سربرآوردہ شخصیتوں کے دلوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا بلکہ یزید کے دل و دماغ کو بھی لرزا دیا تھا۔

حقیقتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ زینبؑ کے مدلل اور ٹھوس بنیادی کلمات ہی تھے

کہ جو اسی وقت سے یزید کی سیاسی حکومت پر اثر انداز ہونے لگے تھے اور انھی نے حسینؑ اور ان کے مقدس ہدف کے لیے لوگوں کے ذہنوں اور افکار میں شائستہ جگہ پیدا کر دی تھی۔

پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد میں یزید کی حکومت کے خلاف جو شورشیں برپا ہوئیں وہ بنی امیہ کی حکومت کو بتدریج ختم کرنے کا ذریعہ بنیں اور ان شورشوں نے شہادتِ حسینؑ سے غذا حاصل کی تھی، جس کے اسرار و رموز سے لوگوں کو زینبؑ کبریٰ نے آگاہ کیا۔

مختصراً ہم یہ کہیں گے کہ زینبؑ کی منطق نے بنی امیہ کی خودسر حکومت سے اسلام کو نجات دلانے میں اور شہادتِ حسینؑ کے بعد کی کوششوں اور واقعات میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

بلاشبہ ان نتائج کو اس روز حسینؑ کے دوستوں کو نہیں سمجھایا جا سکتا تھا اور وہ ان اسرار کو اس دن اور ان حالات میں نہیں سمجھ سکتے تھے لیکن زمانے کی رفتار نے حقائق کو آشکار کر دیا اور بتا دیا کہ حسین بن علیؑ کا اہل و عیال کو ساتھ لے جانا ایک باریک پیش بینی کی بنا پر تھا کیونکہ اس کے بغیر تمام مشقتیں اور زحمتیں بے نتیجہ ثابت ہو سکتی تھیں۔

سیاست بدل گئی

یزید نے اپنی سیاست کو بدل دیا۔ اس نے سوچا: یہ پے در پے واقعات ممکن ہے کہ لوگوں کے افکار پر اثر انداز ہو کر ان میں عام ناراضگی پیدا کر دیں اور حالات کو کسی خطرناک موڑ پر پہنچا دیں اس لیے حسینؑ کے پسماندگان کے ساتھ نرمی، ملائمت محبت اور شفقت کا سلوک کر کے خطرے کا راستہ روکنا چاہیے۔

یزید نے ایک نیا حکم جاری کیا۔ اسیرانِ کربلا پر سے تمام پابندیاں اٹھالی گئیں۔ حسینؑ کی بیٹیوں اور خواتین کو قابلِ احترام قرار دیا گیا۔ حسینؑ کی بڑی بہن کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی۔ گریہ وزاری کی انھیں اجازت دے دی گئی۔ علی ابن حسینؑ جو امامؑ کی یادگار تھے انھیں نوازشات کا مستحق قرار دیا گیا اور یہ فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا گیا کہ خاندانِ حسینؑ کہاں رہائش اختیار کرے گا۔ آپ نے مدینہ واپسی کو ترجیح دی۔

طے پایا کہ چند روز بعد جب بے آرامی اور تھکاوٹ دور ہو جائے گی تو سفر کے انتظامات مکمل کیے جائیں گے۔

احتراماً علی بن الحسینؑ کو یزید رسمی مجالس میں شریک کرنے لگا۔ کبھی وہ آپ کو اپنے ساتھ مسجد لے جاتا۔ شام میں قیام کے دوران ایک جمعہ بھی آگیا۔ اس وقت کے آداب و رسوم کے مطابق یزید کو جو خود کو خلیفہ سمجھتا تھا مسجد میں آنا چاہیے تھا۔ وہ علی بن الحسین کو بھی اپنے ساتھ مسجد لے آیا۔ لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت نماز جمعہ کے لیے مسجد میں موجود تھی۔

خطیب منبر پر گیا اور اس نے دستور کے مطابق جو معاویہ کے زمانے سے رائج تھا یزید اور اس کے اجداد کی بہت زیادہ تعریف کرنی شروع کر دی اور پھر علیؑ اور ان کے بیٹوں پر تنقید کرنے لگا اور اس وقت کی بحث کی مناسبت سے خطیب نے حادثۂ کربلا کی طرف بھی اشارہ کیا اور خاص مہارت کے ساتھ بنی امیہ کی خوشامد اور چاپلوسی کو انتہا پر پہنچا دیا۔

یزید کی توقع کے خلاف اور خطیب اور لوگوں کی توقع کے خلاف اور اس مجلس اور مقام کے حالات کے خلاف علی بن حسینؑ نے۔ اسی اسیر اور کمزور شخص نے آواز بلند کی :

"اے خطیب! شرم کر۔ تو نے لوگوں کی خوشنودی کی خاطر خدا کے غضب کا سودا کیا ہے۔

اے جہنمی خطیب! خاموش رہ۔ تیری ان باتوں کے ساتھ جہنم میں تجھے جگہ ملے۔"

پھر علی بن حسینؑ نے یزید کی طرف رُخ کر کے فرمایا :

"مجھے اجازت دے کہ میں لکڑیوں کے اس ڈھانچے پر جا کر کچھ باتیں کہوں[1]۔ کہ جن میں خدا کی رضا بھی ہو اور اہل مجلس بھی ثواب حاصل کریں۔"

یزید نے مُردہانہ طور پر کہا :

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں۔"

قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا :

"امیر! اجازت دیجیے کہ وہ منبر پر جائیں۔ دیکھیں کیا کہتے ہیں؟"

یزید نے کہا :

"اگر ان لوگوں کو موقع مل گیا اور ان کی زبان کھل گئی تو یقیناً وہ ہمارے خلاف بولیں گے۔"

لوگوں نے کہا :

"اس کمزور سے جوان میں ایسی کیا طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کے خلاف بولے اور وہ بھی ایسی مجلس

---

[1] ایسا منبر جس پر خطیب جہنمی جا کر ظالموں کی تعریف کرے اسے سوائے لکڑی کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

میں بحث کرے ۔ آپ انھیں منبر پر جانے دیں ہم دیکھیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں ۔ ؟"

یزید نے کہا :

" تم ان لوگوں کو نہیں جانتے ۔ یہ پیغمبرؐ کے خاندان سے ہیں اور اہلِ علم و وحی میں سے ہیں اور بہت کم کوئی شخص ان جیسے علم سے بہرہ مند ہے ۔"

بالآخر لوگوں کے اصرار پر اور میرا خیال ہے کہ یزید پر دربار کے واقعہ کا اور زینبؑ کی پروقار باتوں کا اثر تھا اس لیے اس نے رضامندی ظاہر کی ۔

علی بن الحسینؑ نے منبر پر جاکر پہلے حمد و ثنا کی اور اس کے بعد فرمایا :

" سامعین مجلس ! پروردگار عالم نے ہمیں چھ چیزیں عطا فرمائی ہیں اور ہمیں سات چیزوں پر برتری عطا کی ہے : اس نے ہمیں ــ دانش ــ بردباری ــ بزرگی ــ فصاحت ــ شجاعت ــ اور اجتماعی ہردلعزیزی مرحمت فرمائی ہے ۔"

" اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ امتیازات عطا کیے ہیں : خدا کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے ہیں ، صدیق بزرگ ہم میں سے ہیں ، جعفر طیار ہم میں سے ہیں اسد اللہ اور اسد رسول اللہ (علیؑ) ہم میں سے ہیں ۔ اس امت کے دو سبط ہم میں سے ہیں ــ (حسن و حسینؑ) "

" میں ان لوگوں سے اپنا تعارف کراتا ہوں جو مجھے نہیں جانتے میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں ، میں زم زم و صفا کا فرزند ہوں ، میں اس شخص کا فرزند ہوں جو زکوٰۃ اپنی عبا میں چھپا کر فقرا کے لیے لے جاتا تھا ۔ میں اس بہترین شخص کا فرزند ہوں جس نے احرام کا لباس پہنا ، سعی کی اور طواف کیا اور جس نے لبیک کہا اور حج ادا کیا ۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جسے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے جایا گیا جو سفرِ معراج پر گیا ۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے ۔"

" میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں میں علی مرتضیٰؑ کا فرزند ہوں جس نے میدانوں میں کفار سے جنگیں کیں یہاں تک کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے لگے ۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہم رکابی میں جنگ کی یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور اس کو دوسری تلوار ذوالفقار عنایت کی گئی ۔ یہ وہ شخص ہے ــ جس نے اسلام میں دو ہجرتیں کیں (حبشہ اور مدینہ) میں فاطمہ خیر نساء العالمین کا فرزند ہوں ۔"

علی بن الحسینؑ نے اس قدر اپنے حسب و نسب ، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی مرتضیٰؑ اور فاطمہ زہراؑ کے فضائل کا ذکر کیا کہ پوری مجلس کو مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ کر لیا اور سننے والوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا سب ایک خاص تاثر کے ساتھ انھیں دیکھنے اور آنسو بہانے لگے[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یزید نے محسوس کر لیا کہ ممکن ہے کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ پھر یہ کہ نماز کا وقت قریب آ گیا تھا۔ یزید نے پوچھا:

"موذن کہاں ہے کہ اذان کہے"۔

اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور علی بن الحسینؑ کی بات منقطع ہو گئی — اشہد اَنْ لَآ اِلٰہَ کا کلمہ ختم ہوا۔

علی بن الحسینؑ نے فرمایا:

"خدا تمام چیزوں سے بڑا ہے اور میرا پورا وجود اس کی وحدانیت پر شاہد ہے"۔

جیسے ہی موذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا۔ علی بن الحسینؑ نے یزید کی طرف رخ کیا اور بلند آواز میں فرمایا:

"یزید! یہ محمدؐ میرا جد ہے یا تیرا — اگر تو یہ کہتا ہے کہ محمدؐ تیرے جد ہیں تو یقیناً تو نے جھوٹ کہا ہے اگر وہ میرے جد ہیں تو پھر تو نے کیوں ان کے فرزند کو قتل کیا اور ان کے خاندان کو اسیر بنایا؟

(حاشیہ صفحۂ گزشتہ) ظاہر ہے اسلام میں خود نمائی یا حسب و نسب پر فخر کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ امامؑ نے نہ یہاں خود نمائی و خود پسندی کی نہ حسب و نسب پر فخر کرنا ان کا مقصد تھا۔ وہ اپنا تعارف کرانا چاہتے اور دوسرے مضامین بیان کرنا چاہتے تھے کیونکہ برسوں سے علیؑ اور فرزندان علیؑ کے خلاف معاویہ اور یزید کی جانب سے گندہ پروپگینڈہ کیا جا رہا تھا۔ امامؑ کا مقصد بنی امیہ کی حکومت کے قلب مسجد دمشق میں اسی منبر سے جہاں سے گندہ پروپگینڈہ ہوتا تھا موقع سے فائدہ اٹھا کر اس کا رد کرنا تھا۔

پھر کیوں تو نے میرے باپ حسینؑ کو شہید کیا اور ان کے بیوی بچوں کو قیدیوں کی حیثیت سے کیوں یہاں طلب کیا؟!"۔

اذان ختم ہو گئی اور علی بن الحسینؑ بھی منبر سے اتر آئے اور یزید نے عجلت کے ساتھ نماز ادا کی اور دار الحکومت لوٹ گیا۔

یزید نے بخوبی محسوس کر لیا کہ ان اسیروں کا یہاں رہنا کسی طرح بھی اس کے مفاد میں نہیں ہے۔ کیونکہ یہ بہر صورت باتیں کریں گے، راستوں پر جائیں گے اور لوگوں سے گفتگو کریں گے جو اس کے لیے نقصان کا سبب بنے گی اور ممکن ہے لوگوں میں ناراضگی بڑھے اور کوئی دوسری مصیبت کھڑی ہو جائے۔ حسینؑ کے پسماندگان ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمارے خلاف تبلیغ کرتے ہیں۔ ان حالات میں سختی اور تندی مناسب نہیں ہے۔ جب ہم حسینؑ کے قتل کی تلافی اس قدر جلدی نہیں کر سکتے تو پھر دوسرے کاموں کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟"

آخر کار اسی احساس کی بنا پر یزید کی سیاست مکمل طور پر تبدیل ہو گئی اس نے دوستی اور محبت کا طریقہ اختیار کر لیا اور علانیہ رسمی جلسوں میں ابن زیاد و پسر مرجانہ کی گردن پر اس گناہِ عظیم کی ذمہ داری رکھنے لگا۔ حالانکہ اس نے ابن زیاد کے نام خط لکھا تھا جس سے قارئین واقف ہو چکے ہیں۔)

یزید نے بشیر کو طلب کیا اور قافلہ حسینیؑ کی روانگی کے انتظامات کا حکم دیا۔ اور ہدایت کی کہ:

"ان سب کو نہایت توجہ اور احترام کے ساتھ مدینہ پہنچایا جائے"۔

یہ قافلہ مدینہ واپس پہنچتا ہے

حسینؑ کے پس ماندگان بشیر کی نگرانی میں دمشق سے مدینہ جانے والا راستہ طے کر کے اپنی منزل تک پہنچ گئے۔ مدینہ کے قریب پہنچنے پر علی بن الحسینؑ نے بشیر کو بلا کر فرمایا:

"کیا یہ ممکن ہے کہ تو شہر میں جا کر ہماری آمد کی اطلاع دے دے۔؟"

بشیر کی آواز مسجدِ مدینہ میں یوں گونجی:

"یا اھل یثرب! لامقام لکم....

"یثرب کے لوگو! اب یثرب رہنے کے قابل نہیں
حسینؑ کے فرزند، حسینؑ کی غم زدہ بہنوں اور بیٹیوں
کے ساتھ تمھاری طرف آ رہے ہیں اور ابھی دروازۂ
شام پر ہیں۔"

ابھی بشیر کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں کا سیلاب اس جانب رواں ہو گیا ——!

مدینہ نے حسینؑ کو سات آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا اور رنجیدہ خبریں لوگ سنتے رہے تھے۔ لوگ یکدم حرکت میں آ گئے۔ گریہ وزاری کی آواز بلند ہوئی۔ لوگ استقبال کے لیے دوڑے ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ محمد بن حنفیہ جو قریب ترین شناسوں میں سے تھے وہ بھی بڑی زحمت کے بعد اپنے بھتیجے سے مل سکے۔

میں تصور نہیں کر سکتا کہ جس وقت مدینے کے باہر محمد بن حنفیہ ہجوم کو

چیر کر اپنے لیے راستہ بنا رہے تھے اور علی بن الحسینؑ کے قریب ہو رہے تھے اور جب یہ دونوں عظیم شخصیتیں ایک دوسرے سے ملیں اور جس وقت چچا نے اپنے بھتیجے کو گلے لگایا اور شہادتِ حسینؑ کی خبر اس کی زبان سے سُنی تو اس وقت اس منظر کی کیا کیفیت تھی؟ اور اطراف میں موجود حسینؑ کی بیٹیوں اور خواتین کی کیا حالت ہو گئی تھی؟ اور بنی ہاشم کا حال کیا تھا؟ عوام کی کیا حالت تھی؟ میرے لیے اس کا تصور کرنا ممکن نہیں۔

ان دنوں کوئی ٹیپ ریکارڈر نہیں تھے کہ اس وقت کے ان ارتعاشات کو ریکارڈ کیا جا سکتا اور آج ہم انھیں سُن کر یہ دیکھتے کہ سخت ترین دل بھی کس طرح پگھلتے ہیں۔ لیکن شب و روز کے اس دورنگی ٹیپ نے جو چرخِ نیلگوں پر پھیلا رہتا ہے چھوٹے سے چھوٹے ارتعاشات اور گہری سے گہری غم انگیز آہوں کو اپنے اندر محفوظ کر رکھا ہے تاکہ مناسب مواقع پر دنیا والوں کے کانوں تک انھیں پہنچا کر ستم گروں کے ظلم و بیداد کو جسے انتہا پر پہنچا دیا گیا ہو بے نقاب کرتا رہے اور اس کے نتیجے میں ان ظالموں کا ہاتھ کوتاہ ہو جائے اور وہ اسلام اور مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے اپنا اقتدار مسلّط کرنے کا عزم پورا کر سکیں۔

قافلۂ حسینیؑ چند ماہ بعد اپنے اصلی وطن میں واپس آ کر شہر میں داخل ہوا اور اسیرانِ کربلا نے پھر سے اپنے گھروں میں آباد ہو کر نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔

میں بیان نہیں کر سکتا ان گھروں کے رہنے والوں نے واپس آنے کے بعد در و دیوار کو کیسا پایا۔

لیکن زبانِ حال بتا سکتی ہے کہ جب حسینؑ کے بیوی بچوں کی نگاہ حسینؑ کے کمرے، ان کی عبادت کی جگہ اور ان کے سونے کی جگہ پر پڑتی ہو گی تو ان کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہو گی۔؟

اس سوال کا جواب آپ زبانِ حال سے حاصل کریں۔ علی بن الحسینؑ کو یہ حق
حاصل تھا کہ وہ ہمیشہ گریاں رہیں۔
اگر ان کی دلداری کی جاتی ——— تو،
وہ کہتے،
"سُننا کس طرح دیکھنے کے مانند ہو سکتا ہے؟
تم نے تو صرف سنا ہے ———
کہ ———
ظلم و استبداد کے ہاتھ نے میرے باپ اور بھائیوں کو تشنہ
قتل کر دیا ———،
لیکن ———
میں نے تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے!"
آپ اس کی تصدیق کریں کہ علی ابن الحسینؑ کو حق حاصل تھا کہ وہ کہے:
"میں بچوں کی العطش کی آواز کو ———
کیسے فراموش کر سکتا ہوں ———؟
جو،
ان وحشت انگیز حالات میں میرے کانوں تک پہنچی تھی۔"
آپ خود اس وقت کے حالات کا تصور کر کے اس بات کو تسلیم کریں کہ
حسینؑ کی باوفا رفیقۂ حیات کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کہے:
کہ میں کبھی سائے میں نہیں بیٹھوں گی۔ کیونکہ ان ظالموں نے حسینؑ
کے مقدس بدن کو دھوپ میں جلتا پڑا رہنے دیا۔
بلاشبہ انسان زندگی کے بہت سے حوادث کو جلد فراموش کر سکتا ہے اور دکھ سے

خود کو نجات دلا سکتا ہے لیکن کبھی کوئی ایسا حادثہ خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بعض ایسے
حالات میں رونما ہوتا ہے کہ زندگی بھر کسی قیمت پر اُسے نہیں بھلایا جا سکتا۔

مدینہ سوگوار ہے

بلاشبہ سیاست بدل گئی، حکومت نے پس ماندگانِ حسینؑ کو مجلس ماتم
منعقد کرنے کی اجازت دے دی ہے،
مدینہ کے گورنر نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی ہے ———
لیکن ———
ان مجالس کی نوعیت اور کیفیت کے بارے میں آپ خود اپنے طائرِ
خیال سے کام لیں ———
کہ ———
علی بن الحسینؑ ——— اور ——— زینب کبریٰؑ،
اس وقت کس حال میں تھے،
اور ———
جو لوگ تسلی دینے آتے تھے وہ ان سے کیا کہتے تھے؟
مجالسِ عزا تشکیل پاتیں ———، لوگ تعزیت کے لیے آتے ——— اور
آنسو بہاتے ———!
لیکن کیا حکومت نے اس بات کی اجازت دی،
کہ ———
یزید کے طرفداروں کے ان جرائم کو علانیہ زیرِ بحث لایا جائے

جو انھوں نے اسلام کے نام پر کربلا میں کیے تھے ——؟

کیا اس بات کی اجازت دی گئی ————

کہ ——

کوئی بھی شخص منبر پر جاکر حسینؑ کے قتل و شہادت کے واقعہ کو بیان کرے ——،

اور ——

امام حسینؑ کے ارشادات کا علی الاعلان تذکرہ کرے ——؟

کیا مدینہ کے گورنر نے اس بات کی اجازت دی ——

کہ ——

علی بن الحسینؑ —— یا —— دوسرے لوگ ——

مجالس عزا میں واقعہ کربلا کے بارے میں معقول بحث کریں

اور ——

حکومت سے حسینؑ اور ان کے دوستوں کو ——

قتل کرنے کی دلیل ——

اور ——

جواز طلب کریں ——،

کیا حکومت نے یہ اجازت دی ——

کہ ——

حوادث کربلا کے بارے میں بحث کی جاسکتی ہے ——

اور ——

تجزیہ و تحلیل کے ساتھ اس واقعہ کے بارے میں تفصیلات پیش

کی جاسکتی ہیں ——

یا ——

صرف اس بات کی اجازت تھی کہ لوگ گریہ کرلیں،

اگر ——

مجالس عزا میں گریہ کی حد سے باہر قدم رکھا جاتا تو فوراً اسے روک دیا جاتا اور خطیب کو فسادی اور مصالح مملکت کا مخالف قرار دے کر گرفتار کرلیا جاتا ——،

اور ——

جیل میں بھیج دیا جاتا ——،

کیا مدینہ کی مجالس عزا میں ہماری مجالس کی طرح صرف گریہ ہوتا ہے۔

یا ——

شہدائے کربلا کے مقدس اور بلند مقصد کے بارے میں بھی بحث ہوتی ہے ——؟

میں نہیں سمجھتا کہ یزید کی اس آمرانہ حکومت نے اور اس نادان کے طرفداروں نے مدینہ کی مجالس عزا میں بنیادی سیاسی بحثوں کی اجازت دی ہوگی

یہ صحیح ہے کہ یزید کی سیاست میں تبدیلی آگئی تھی اور نرمی کو وہ زیادہ بہتر سمجھتا تھا

لیکن ظالموں کی سیاست بدلتی ہے ——

تو ——

کسی دوسری سیاست کے نفاذ کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں ——

اس لیے نہیں ——،

کہ وہ باطل کی طرف سے حق کی جانب آرہے ہیں ،

اور ———

کفر کا رویہ ترک کرکے ایمان کا رُخ کر رہے ہیں۔

کسی نہ کسی صورت اور کیفیت کے ساتھ مدینہ میں مجالس عزا برپا ہوتی رہیں البتہ ہم ان کی خصوصیات سے واقفیت حاصل نہیں کرسکتے۔

ہمارا مقصد ان مجالس کی خصوصیات معلوم کرنا اور مرثیہ خوانی کے پیچھے جانا نہیں ہے بلکہ ہم داستان کربلا کے اصل ہدف اور نتائج کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

ہم چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ کاروان جو چند ماہ قبل ایک خاص حالت وکیفیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور آج اس حالت میں وطن واپس آیا ہے وہ اپنے ساتھ کیا سوغات لایا ہے؟

کیا غم واندوہ ، رنج والم ، افسردگی و دل شکستگی کے سوا ———

کوئی اور چیز بھی ———

اس کے ساتھ ہے ——— ؟

جو کاروان اپنے عزیزوں کے ساتھ گیا ———

اور پھر وہ ———

ان سے محروم ہوگیا ———

اور ،

اس حال میں واپس آیا ———

تو ——— ،

اسے اس کا کیا صلہ و فائدہ ملا ——— ؟

قافلہ کربلا کی سوغات

بلاشبہ یہ کاروان اپنے عزیزوں کو کھو بیٹھا ———

اور ———

اس نے بڑا رنج اور مشقت بھی برداشت کی ———

لیکن یہ اپنے ساتھ ایک قیمتی سوغات بھی لایا ———

اس کاروان کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی کہ اس نے عالم اسلام کو بیدار کردیا ——— اور ——— ظالموں کی حکومت کو لرزا دیا۔

اس کاروان نے ہر موقع سے استفادہ کرتے ہوئے ———

اور ———

حکومتِ یزید کے خلاف پے درپے تبلیغات کرتے ہوئے ———

بنی امیہ کے مقام اور موقف کو

خطرات سے دوچار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

یزید اس خیال خام میں مبتلا تھا ———

کہ ———

خودسری اور استبداد کے ذریعہ عوام کی ناراضگی اور غصہ کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے ——— اور اپنی حکومت کو طول دیا جاسکتا ہے۔

اور ———

گناہ کی تلافی گناہ سے کی جاسکتی ہے۔!

یزید نے اپنے اس غلط طرز فکر کے ساتھ حسینؑ کی تحریک کا مقابلہ کیا اور بربریت اور وحشتناک خونریزی کا مرتکب ہوا ———

مدینہ جیسے مقدس شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ——

خدا کے گھر ——

کعبہ کو خراب کیا ——،

مسلم عوام کے دینی جذبات کو اس نے اس طرح مجروح کیا کہ ان کے زخموں کا پھر کوئی اندمال نہ ہو سکا۔

عراق ایک انقلابی آگ میں جلتا رہا۔ مدتوں اسے ——

امن و سکون میسّر نہ آیا،

یزید کے غلط طرز فکر و عمل کے خلاف عوام کا ردّ عمل ——

بنی امیّہ کی حکومت کو ——

سقوط و زوال سے قریب لاتا رہا۔

اس کاروان کے مدینہ سے کربلا ——

اور ——

کربلا سے مدینہ تک سفر نے پوری مملکت پر ایسا گہرا اثر ڈالا ——

کہ،

جیسے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف ——

ایک عام لام بندی وجود میں آگئی ہو —— اور بالآخر اس چیز نے ان کی حکومت کو سقوط سے دوچار کر دیا۔

بلاشبہ، کربلا اور اس کے اسیروں کو یہ کامیابی حاصل ہوئی کہ انھوں نے ماحول کو تبدیل کر دیا ——

اور ——

ایک دوسری حکومت کے لیے ——

میدان ہموار کر دیا،

تاکہ ——

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حقیقی اسلام اور معارف اسلامی کو پھیلا سکیں۔

یقیناً کربلا اور اس کے اسیروں کو یہ کامیابی حاصل ہوئی،

کہ ——

انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سقوط کے خطرے سے ——

نجات بخشی ——

اور ——

آئندہ نسلوں کو دین الٰہی کی مقدس روح سے آشنا کیا۔

ہم اس بحث کو دو شبہات ——

اور ——

ان کے جواب پر ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک چھوٹی سی ——

علمی بحث ——

ضروری سمجھتے ہیں، انشاءاللہ ——،

روشن خیال حضرات کے
حسینؑ پر اعتراض

جو لوگ خود کو روشن خیال کہتے ہیں امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حسینؑ! تم نے اس بحران کے ذریعہ کیا نتیجہ حاصل کیا؟

سوائے اس کے ——

کہ تم نے خود کو ـــــ اور ـــــ اپنے دوستوں کو ـــــ
قتل کرا دیا ـــــ ،
اپنے بیوی بچوں کو قید کرا دیا ـــــ
اس سے حکومت وقت اور زیادہ جری ہو گئی ـــــ اس نے
اسلامی معاشرہ کے لیے مسلسل مشکلات پیدا کیں ـــــ
مدینہ میں قتلِ عام کیا ـــــ ،
اور ـــــ
کعبہ کو خراب کیا ـــــ ،

یہ صحیح ہے کہ حکومت بنی امیہ ختم ہو گئی لیکن اس کی جگہ ایک
عادلانہ حکومت بھی برسرِ اقتدار نہیں آئی ،
بنی عباس کی حکومت بھی ، بنی امیہ کی حکومت سے کچھ کم نہ تھی
اس نے بھی بہت زیادہ ظلم وستم کیا ۔
حادثہ کربلا کے بعد حکومت اسلامی چند دنوں کے لیے بھی فرزندانِ علیؑ
کے ہاتھوں میں نہ آسکی اور عباسی خلفاء کے بعد دنیا نے ایک دوسرا روپ
دھار کر مقامِ خلافت اور سلطنت کے اداروں کو نقصان پہنچایا ـــــ ،
اور تبدریج ـــــ
اپنی حکومت کی وضع قطع کو تبدیل کر دیا ـــــ !
چنانچہ ـــــ ،
آج تک دنیا ایک صد فی صد عادلانہ حکومت کی شکل نہیں
دیکھ سکی ہے ـــــ !
اس نقطۂ نظر سے جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے

کہ حسینؑ کے اس قیام اور مبارزہ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ـــــ ؟
اس قسم کی مخالفتوں کا کیا ثمر مل سکا ـــــ ؟
ان طاقتوں کے ساتھ جنگ نے ایک جماعت کے لیے مصائب
کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا کیا ـــــ ؟

روشن خیالوں کے لیے روشن جواب

یہ درست ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اسلامی معاشرہ نے کسی صد فی صد
عادلانہ حکومت کی شکل نہیں دیکھی ۔
یہ بھی صحیح ہے کہ بنی عباس کی حکومت بنی امیہ سے کچھ کم نہ تھی ۔
یہ بھی درست ہے کہ دنیا کے حالات بدل گئے ـــــ
اور ،
حکومتوں نے ایک دوسرا رنگ اور طرز اختیار کر لیا ـــــ
اور ـــــ
فرزندانِ علیؑ ـــــ ،
زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر ایک مثالی اسلامی حکومت
قائم نہ کر سکے ـــــ !
لیکن ـــــ
تاریخ کا مثبت نظر سے بھی مطالعہ کیا جانا چاہیے ـــــ
گزرے ہوئے زمانے اور جبرِ زندگی کو بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیے ۔
بحیثیت مجموعی حوادثِ زندگی کا مطالعہ ہمیشہ منفی نگاہ ہی سے نہیں ہونا چاہیے
مثبت پہلو بھی پیشِ نظر رکھا جائے ۔

اس سارے معاملہ پر اس حیثیت سے بھی نظر ڈالی جائے کہ اگر یہ مبارزہ اور جنگ نہ ہوتی تو اسلام اور مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا ؟

اور ـــــــ

اسلامی زندگی کی تاریخ کس طرح آگے بڑھتی ؟

اس قیام اور مبارزہ سے تاریخ کا راستہ کس طرح تبدیل ہوا ؟

اور ـــــــ

مسلمانوں پر راہِ سعادت کس طرح کھلی ؟

بلاشبہ حادثہ کربلا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا اور "طف" کا واقعہ کوئی سادہ سا تاریخی واقعہ نہیں تھا۔

حکومتِ وقت سے حسین ابن علیؑ کا مقابلہ ایک گہرے اور دور رس اثرات رکھنے والا مقابلہ تھا جو اسلامی اجتماعی زندگی کے عین وسط میں پیش آیا۔ یہ ایک ایسا ٹکراؤ تھا جو زندگی کے وسیع سمندر کے عین درمیان رونما ہوا۔

حسینؑ کا قیام ایک چھوٹے سے دباؤ کی حیثیت رکھتا ہے جس نے پہلے تو ایک استبدادی حکومت کے

اقتدار کے نشے میں چور ـــــــ،

دماغ پر ضرب لگائی۔

اور ـــــــ

بعد میں ایک وسیع اسلامی بادشاہت و آمریت کو ہلا کر رکھ دیا ـــــــ،

اس قیام اور اس تحریک نے

اور ـــــــ اس مقابلہ و تصادم نے ایک

چھوٹی سی تحریک پیدا کی جس نے ـــــــ

کربلا کی زمین اور اس کے اطراف کے علاقوں کو ـــــــ

اپنی لپیٹ میں لے لیا ـــــــ

زیادہ دیر نہ گزری کہ ـــــــ

یہ تحریک کوفہ تک پہنچ گئی ـــــــ اور ـــــــ اس نے

پورے عراق کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا ـــــــ

پھر شام پہنچی ـــــــ،

اور ـــــــ

گہری جڑیں رکھنے والی استبدادی حکومت کو اپنی طرف متوجہ کیا

اور ـــــــ

اس وقت کی پوری دنیائے اسلام پر چھا گئی ـــــــ

یہ موج اپنی اس پیش رفت کے ساتھ بڑی پرسکون تھی اور اس میں چنداں جوش و خروش نہ تھا، لیکن چھ ماہ بعد ہی یہ کوفہ سے ایک خونیں تحریک کی حیثیت سے اٹھی۔ (توابین کی تحریک)

ایک سال بعد مزید جوش کے ساتھ مدینہ سے ـــــــ

اور،

سال بھر بعد مکّہ سے اُٹھی ـــــــ یہاں تک کہ اس نے یزید کی شہنشاہانہ حکومت کو لرزا دیا۔

اور پھر ـــــــ

زیادہ وقت نہیں گزرا کہ بنی امیّہ کی پچاس سال سے زیادہ قائم حکومت کا قصر زمین پر آ رہا ـــــــ،

قیامِ حسینؑ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ تھا: ـــــــ

کہ ـــــ،

اس نے اسلامی معاشروں پر ظلم کرنے والی ـــــ

استبدادی حکومت،

کی گرفت کمزور کردی ـــــ

بنی امیہ کے ظلم و استبداد کا محل زمین بوس ہو گیا ـــــ،

اسلامی ممالک کے حالات پراگندہ اور منتشر ہو گئے ـــ،

اور ـــــ

حکمرانوں نے جان لیا کہ اب بنی امیہ کا لائحہ عمل قابلِ اجرا نہیں۔

بنی عباس ان حالات میں برسرِ اقتدار آئے ـــــ اور ـــــ کسی قدر نرم حکومتیں وجود میں آئیں ـــــ،

اور ـــــ

بتدریج ایسی حکومتیں قائم ہوئیں جو زیادہ عادلانہ تھیں۔

ہزاروں افراد پر مشتمل علمی ادارے وجود میں آئے

فرزندِ حسینؑ امام صادقؑ کے درس کی مجلس ہر علمی مجلس سے زیادہ پرشکوہ تھی۔ دوسرے مکتبوں اور اداروں نے بھی کام شروع کر دیا

اس طرح

اسلام کو سلطنت میں اثر و نفوذ حاصل ہوا ـــــ

اب یزید کے دربار کے انحرافات کا مقصد دانشوروں کی بحثوں کا موضوع بن گیا۔ اسلامی درباروں اور دوسرے ملکوں کے درمیان علمی و

تہذیبی روابط کا آغاز ہوا ـــــ

اور ـــ

اسلامی علوم کا دوسرے علوم کے ساتھ موازنہ و مقابلہ شروع ہوا، جو اسلام کی ترقی کا ایک اہم عامل رہا ہے۔

حسینؑ کے ہونہار فرزند ـــــ

ائمۂ ہدیٰ ـــ

اسی گیر و دار میں مختلف حیثیتوں سے اسلام کے اصل مکتب اور مقدس معارفِ آسمانی کی روح کی تشریح اور ترویج میں مصروف رہے اور اسلام کو کامیابی سے بہرہ مند کیا۔

فرزندانِ حسینؑ کی ان ہی سرگرمیوں اور کوششوں نے جو موافق و ناموافق حالات میں انجام پاتی رہیں اسلام کی بنیاد کی حفاظت کی تاکہ اسے دلوں میں ایسی جگہ مل جائے ـــــ

کہ ـــــ

کوئی طاقت اسے دلوں سے نہ نکال سکے۔

یہ سرگرمیاں انقلابِ حسینیؑ اور شہادتِ حسینؑ کے سائے میں وجود میں آئیں۔ ان کوششوں کی وجہ سے معارفِ اسلامی کی روح کو انسانی معاشروں میں جگہ ملی۔ حسینؑ کی جد و جہد اسی مقصد کے لیے بتدریج ساری دنیا میں پھیل گئی

اور ـــــ

آج کی دنیا میں بھی اس کی پیش رفت جاری ہے ـــــ

اسی بنا پر یہ انقلاب یعنی حادثۂ کربلا لوگوں کی اس قدر توجہ کا مرکز بن گیا اور اسلامی تاریخ کے حساس ترین صفحات پر اس نے جگہ حاصل کر لی۔

تقدس مآب لوگ
حسینؑ کے لیے شبہات پیدا کرتے ہیں

وہ کہتے ہیں :

" حسینؑ عزیز! فرزندِ پیغمبرؐ!

تم ہم سے زیادہ فقہ اسلامی سے واقفیت رکھتے ہو،

تم ہم سے بہتر احکامِ اسلامی کی باریکیوں کو سمجھتے ہو،

تو پھر تم کیوں ضروری شرائط اور مقتضیات کا لحاظ نہیں کرتے۔"

" حسینؑ عزیز!

تم جانتے ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط میں سے ایک شرط کا تعلق ——

تاثیر کے احتمال سے ہے ——

پہلے یہ معلوم کرو کہ تمھاری باتیں اثر بھی کرتی ہیں یا نہیں ——

اپنی ذمہ داری کا تعین کرو، اگر تاثیر کا احتمال نہیں ہے تو پھر ——

امر بالمعروف اور نہی المنکر کا کوئی موقع نہیں ہے۔"

" ان حالات اور ان شرائط میں تم کس طرح ——

امر بالمعروف کر سکتے ہو ——

تم جانتے ہو کہ یزید کی خلافت و حکومت کا لائحہ عمل وہی ہے

جو ——

معاویہ کا تھا ——

یہ بھی تم جانتے ہو کہ معاویہ نے کسی کو زبان کھولنے کا حق نہیں

دیا تھا ——،

اس نے تمام مخالفین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا،

اور ——

ان کی سرکوبی کی تھی۔"

" ایسے خراب حالات میں،

اور ——

گھٹن کے ایسے ماحول میں، —— اور —— حکومت کے ایسے سخت طریقۂ کار کی موجودگی میں ——

جو کسی کا لحاظ نہیں کرتا ——

تو کس طرح مقابل آ کر —— امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیا جا سکتا ہے —— ؟"

" حسینؑ عزیز!

ان حالات میں نہ صرف یہ کہ تاثیر کا کوئی احتمال نہیں ہے۔

بلکہ ——

نتیجہ بالکل برعکس برآمد ہوگا"

" اس حکومت کے انحرافات پر تنقید یزید کو اور جری بنا دے گی۔

اور ——

تمھارے لیے —— اور —— دوسروں کے لیے؛

زحمت کے بہت سے اسباب پیدا کر دے گی۔"

" تم اگر چاہتے ہو، علی الاعلان یزید کے اعمال ——

اور ——

اخلاق پر تنقید کرو، تم اگر علانیہ یہ کہنا چاہتے ہو ———

کہ ———،

یزید شراب پیتا ہے،

جوا کھیلتا ہے ———،

جنسی آوارگی میں مبتلا ہے ——— اس لیے وہ ———

خلافت کا حق نہیں رکھتا،

اُسے ———

اس منصب سے ہٹ جانا چاہیے ———،

تو ظاہر ہے ———

——— وہ بھی خاموش نہیں بیٹھا رہے گا ——— اور مقابلہ پر آجائے گا ——— اور بالآخر ہمیں اندیشہ ہے ———

کہ ———

نازک صورتحال پیدا ہو جائے گی ———

اور ———

تکلیف و اذیت کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔"

"خلاصہ یہ کہ حسینؑ عزیز!

چونکہ ———

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں۔

——— اور

ضروری شرائط مہیا نہیں ہیں تو تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ کوئی بات کرو یا کوئی قدم اٹھاؤ۔"

"حسینؑ عزیز!

بالکل معدوم ہو جانے سے ناقص وجود کا باقی رہنا بہتر ہے۔

اب جبکہ تم مدینہ میں زندگی بسر کرتے ہو مومنوں کی ایک جماعت تمھارے ساتھ ہے ———

کم و بیش ———

ان کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ——— اور ——— ان مجالس میں آپ کے نانا کی احادیث و روایات بیان کی جاتی ہیں۔

اور ———

لوگ بڑی حد تک اس سے استفادہ کرتے ہیں۔

"لیکن اگر تم یزید کے مقابلے کے لیے اٹھوگے تو وہ جری ہو جائے گا اور اس رہے سہے کو بھی برباد کر دے گا ——— اور ——— تمام دینی اداروں اور سرگرمیوں کو ختم کر دے گا۔"

"حسینؑ عزیز!

تمھارا یہ کام خطرناک اور نامناسب معلوم ہوتا ہے ——— ہم خواہش کرتے ہیں ———

اور ———

تم سے تقاضا کرتے ہیں ———

کہ ———

اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کی حفاظت کے لیے رک جاؤ ——— اور کسی مناسب موقع کا ———

انتظار کرو۔"

مقدس مآبوں کو حسینؑ کا جواب

" جناب مقدس! جناب متشرع!

آپ مومن ہیں ——— !

اور ———

اسلام کے لیے آپ کا دل تڑپ رہا ہے اور اس پر بھی آپ کہتے ہیں کہ بالکلیہ عدم سے ناقص وجود باقی رہنا بہتر ہے۔"

" یہاں بحث امر بالمعروف ——— اور ——— نہی عن المنکر کی نہیں ہے

یہاں ———

ادائیگی فرض کے لیے شرائط کی موجودگی ———

اور ———

عدم موجودگی ———

کا سوال نہیں ہے ———

اگر آپ ذرا بھی غور کریں تو مسئلہ کے عنوان ہی سے اصل مطلب کو سمجھ سکتے ہیں ———،

ایسا معروف کہ جس پر عمل نہیں ہوتا لیکن اسے معروف کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔

اس کے لیے حکم دیا جانا چاہیے ———

یعنی ———

اللہ تعالیٰ کے واجب احکام ترک کیے جاتے ہیں لیکن ان کے وجوب کو مانا جاتا ہے ———

ان کا حکم دیا جانا چاہیے۔

ایسا منکر جس کے لوگ مرتکب ہوتے ہیں ———

لیکن ———

اس کے منکر ہونے کے قائل ہیں ———

اس سے انھیں روکا جانا چاہیے۔

یعنی ———

لوگ اگر معاصی اور گناہوں کے مرتکب ہوں لیکن وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ گناہ اور منکر ہے ———

تو،

انھیں اس سے روکا جانا چاہیے۔

اور ———

اس ضمن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط کی رعایت کی جانی چاہیے ———

لیکن ———

اگر لوگ معروف کو منکر یا منکر کو معروف میں تبدیل کرنا چاہیں یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا چاہیں۔

یہاں عمل کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ امر یا نہی کی جائے ———

یہاں بحث قانون سے ہے ———

• موضوع بدعت ہے ———

دین میں بدعت کو داخل کرنا

ترکِ معروف ——— اور ——— ارتکاب منکر سے مختلف

چیز ہے۔

"جنابِ مقدس!

یزید کا لائحۂ عمل جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ___

بدعت کے مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے ___ یعنی ___ آئندہ

یہ ہو گا ___

کہ ___

اسلام یہ اور یہ ہے ___

اور ___

اس کی دلیل یہ ہوگی کہ خلیفۃ المسلمین کا یہی عمل ہے ، اور
مسلمانوں نے خلیفہ کی پیروی کی ہے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے۔"

"بدعت کے ظہور کے مسئلے میں

حدیث ___

"فعلی العالم ان یظھر علمہ"

پڑھی جانی چاہیے ___

نہ کہ یہ فقرہ ___

"التقیۃ دینی و دین آبائی"

اسلام کے مکتب میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اگر ثابت شدہ الٰہی قانون
دستبرد کی زد میں آجائے تو ہر عالم کا یہ فرض ہے

کہ ___

وہ اس کے خلاف بولے ___ اور ___ مخالفت کرے

ورنہ ___

قیامت کے دن آگ کی لگام اپنے منہ میں لینے کے لیے
تیار ہو جائے ___ ،

یہ ہے
تقدس مآبوں کا جواب[1]

اب ہم ایک چھوٹے سے علمی مسئلہ پر بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ایک چھوٹی سی علمی بحث

کیا اللہ تعالیٰ نے حسینؑ اور ان کے دوستوں کو شہادت کے لیے
پیدا فرمایا ___

اور ___

ابن سعد ___ اور ___ شمر کو انھیں قتل کرنے کے لیے ؟

کیا یہ ایسی داستان تھی ،

کہ ___ ،

وہ علم الٰہی سے نکل کر آسمانوں میں لکھی گئی ؟

پیغمبروں کے علم میں آئی

اور ___

حسینؑ کے ناناؐ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے
بارے میں فرمایا ___ اور ___ آپ کے والد اور آپ کی والدہ اور بھائی

۱۔ حسین ابن علیؑ سے مروی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو پڑھیے
جو آپ نے کوفہ والوں کے نام خط میں لکھی تھی صفحہ ۲۲۱

نے اس کے بارے میں کہا ______

اور ______

خود امام حسینؑ اس سے واقف تھے۔

کیا نظام مقدرات میں ایسا ہونا تھا ______؟

کیا یہ لکھا گیا تھا ______

کہ ______

حسینؑ اور ان کے دوستوں کو ابن سعد اور اس کے طرفداروں
کے ہاتھوں قتل ہونا ہے؟

یہ تک کہا جاتا ہے ______

کہ ______

ابن سعد ابھی چھوٹا بچہ تھا ______

جب وہ واقعہ کوفہ کی مسجد میں پیش آیا ______

اور ______

علیؑ نے سعد سے فرمایا:

کہ ______

تیرے گھر میں ایک لڑکا ہے جو میرے بیٹے حسینؑ کو قتل
کرے گا ______،

اور ______

اس دن کے بعد سے ______

لوگ،

ابن سعد کو اسی حوالے سے پہچاننے لگے تھے ______"

کیا وہ شہادت جو خدا کے علم سے نکل کر آسمانوں میں لکھی گئی ______

اور ______

اس کی تمام خصوصیات سے حسینؑ خود واقف تھے ______

یہاں تک کہ ______

اپنے گرنے کی جگہ ______ اور ______ قتل گاہ کی بھی وہ
اطلاع دیتے ہیں ______

کیا یہ بات قابل تعبیر ہے ______؟

کیا یہ درست ہے ______

کہ ______،

امامؑ جانتے تھے کہ شہادت کے سوا ان کا انجام اور کچھ نہیں
ہے اور بلاشک وہ قتل کیے جائیں گے ______؟

کیا یہ صحیح ہے ______

کہ ______

امام عالم الغیب تھے اور آئندہ تمام حوادث کا علم رکھتے تھے
اور کربلا کے واقعہ کو بھی تمام جزئیات کے ساتھ ______
وہ جانتے تھے۔

کیا امامؑ اپنے اسی علم غیب کی بنا پر کہتے تھے ______

صرف میرا بیٹا علیؑ،

کربلا سے زندہ واپس ہو گا؟

اگر امامؑ یہ جانتے تھے ______

کہ ______

وہ قتل کیے جائیں گے ،

یا ———

فلاں شخص ان کا قاتل ہوگا ——— یا ——— فلاں مقام
پر وہ شہادت پائیں گے ———

تو ———

کیا یہ چیزیں قابل تغیر نہیں تھیں ———

نہ امام اور نہ قاتل

کوئی چیز بھی خواہ اس کا تعلق زمان و مکان سے ہو یا دوسرے
اسباب سے قابل تغیر نہیں ؟

اگر ایسا ہی ہے اور حسینؑ کی باتوں میں اسے کم و بیش دیکھا جاسکتا ہے
تو پھر ان اقدامات کا کیا مقصد تھا؟

رات کے وقت مدینہ سے روانہ ہونا ،

خطوط لکھنا ،

مدد طلب کرنا ،

اپنا نائب بھجوانا ،

مسلم کی شہادت کے دن سے ناواقف ہونا ،

اور ———

کوفہ کی طرف جانا وغیرہ ......

ان سب کا کیا مطلب ہے ———؟

آخر اگر امامؑ کو معلوم تھا تو انھوں نے کیوں اقدام کیا ———؟

اگر علیؑ جانتے تھے ———

کہ ———

اس رات وہ ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوں گے ———

تو ———

وہ مسجد کیوں گئے ———؟

اگر امام حسنؑ کو معلوم تھا کہ پانی زہر آلود ہے ———

تو ———

انھوں نے کیوں پیا ———؟

اگر حسینؑ جانتے تھے کہ کربلا کا راستہ ان کی شہادت پر ختم ہوگا ———

تو ———

وہ کیوں گئے ———؟

اگر وہ نہیں جانتے ہیں اور وہ بھی دوسروں کی طرح فطری راستوں پر
چل کر اپنے کام انجام دیتے ہیں البتہ بہتر طور پر چلتے ہیں۔ جیسا کہ ہماری داستان
کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے ———

پھر ———

پیغمبرؐ اور امامؑ کے علم کے بارے میں جو روایات ہیں ،

وہ کیا ہیں ———؟

اور ———

وہ ارشادات جو اس واقعہ کے بارے میں حسین ابن علیؑ سے تعلق
رکھتے ہیں ———

اور ———

جو پیش گوئیاں آپ نے فرمائیں ۔ ان کی کیا حیثیت ہے ؟

خلاصہ یہ کہ یہ باتیں دو سوالوں کے گرد گھومتی ہیں :

(۱) —— کیا پیغمبر اور امام دنیا کے آئندہ واقعات کے بارے میں علم رکھتے ہیں ؟

(۲) —— کیا وہ واقعہ جسے پیغمبر یا امام جانتے ہیں تبدیل ہو سکتا ہے —— ؟ اگر تبدیل نہیں ہو سکتا تو ان اقدامات کی کیا تعبیر کی جا سکتی ہے جو پیش گوئیوں سے مطابقت نہیں رکھتے ؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے ——
کہ ——،
شیعہ نقطۂ نظر سے پیغمبر اور امام کو دو علم دیے گئے ہیں ،
ایک تو وہی علم طبیعی اور عمومی ——
جو ——
ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے ——
اور ——
وہ مراتبِ زندگی اور شخصیتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے
دوسرا علم اسے ہم علم خداداد کہہ سکتے ہیں ——
یعنی ——
وہ علم جو علم الٰہی کے مستقل ارتباط رکھنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے ——
اور ——
اس ارتباط کے ختم ہوتے ہی یہ بھی ختم ہو جاتا ہے ۔

گزشتہ اور آئندہ واقعات سے متعلق انبیاء اور ائمہ کی اطلاعات ،
جہاں تک صورت علم غیبی سے تعلق رکھتی ہیں ——
وہ ——
صرف اسی ارتباط اور علم الٰہی کی وجہ سے ہیں ۔
یعنی ——
پیغمبر اور امام ، علم ربوبی سے ارتباط برقرار رکھتے وقت ،
بلندی سے دنیا پر نگاہ ڈال کر ——
حوادث و واقعات کو دیکھ کر خبر دے سکتے ہیں ——
لیکن ——
جب علم الٰہی سے ان کا یہ ارتباط ختم ہو جاتا ہے ——
تو ——
وہ اس ایک انسان کامل اور روشن ضمیر سے زیادہ علم نہیں رکھتے ،
جو ایک حد تک علل و معلولات کے سلسلے کے روابط کو جانتا ہے ——
البتہ ——
اس صورت میں وہ غیب کی باتیں نہیں کہہ سکتے اور پردہ کے پیچھے کے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے ۔
اس اعتبار سے پیغمبر اور امام کے علم کے بارے میں جو احادیث اور روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ صحیح ہیں ——
اور ——
وہ اقدامات ——
جو مقدرات کے راستوں پر چل کر انجام دیے گئے ہیں اور باتیں

جو ــــــ

کربلا کے بعد سے متعلق، حسین ابن علیؑ نے کبھی ہیں ــــــ

وہ بھی صحیح ہیں ــــــ

اور ــــــ

وہ کام بھی صحیح ہیں ــــــ،

جو قوانینِ فطرت کے مطابق ظاہر کر دیے گئے ہیں ــــــ

البتہ ــــــ

دوسرے سوال کے جواب میں ہمیں علم الٰہی کے بارے میں غور و فکر کرنا ہوگا اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اگر کوئی چیز علم الٰہی سے گزر جائے تو وہ قابلِ تبدیلی ہے یا نہیں؟

اگر ــــــ

پیغمبر یا امام نے ــــــ

علم الٰہی سے کسی واقعہ کے بارے میں جان لیا تو اس کا ٹلنا ممکن ہے یا نہیں ــــــ؟

میرا کہنا ہے کہ ایک سوال کے جواب سے موضوع حل ہو جاتا ہے اور اصل مقصد روشن ہو جاتا ہے۔

اگرچہ کہ اس سوال کے جواب کے لیے علمی بحث کی ضرورت ہے۔

لیکن ــــــ

خوش نصیبی سے اس کا جواب بہت روشن ہے اور تھوڑی سی توجہ سے ایک صریح ــــــ

اور ــــــ قطعی جواب دیا جا سکتا ہے۔

سوال یہ ہے

کہ ــــــ

خدا جو کہ آئندہ حوادث کو دیکھتا ہے ــــــ

اور ــــــ

جانتا ہے ــــــ،

کیا ان حوادث کے بارے میں بھی جو انسانوں کے ہاتھوں سے وجود میں آئے ہیں ــــــ

یہ جانتا ہے ــــــ

کہ ــــــ

فلاں انسان اس کام کو مجبور اور ناچار ہو کر انجام دے گا؟

یا ــــــ

اپنی پسند اور اختیار کے ساتھ انجام دے گا ــــــ؟

یعنی خدا جانتا تھا ــــــ

کہ ــــــ

ابن سعد اور شمر،

حسین ابن علیؑ کو قتل کر دیں گے ــــــ لیکن ــــــ کیا اپنے اختیار سے یا جبر سے ــ؟

خدا جانتا تھا ــــــ

کہ ــــــ

حسین ابن علی اور اس کے دوست کربلا میں مقابلہ کے بعد قتل ہو جائیں گے لیکن کیا جبراً یا اختیار سے؟

ظاہر ہے کہ علم اپنے معلوم سے اختلاف نہیں کرتا ـــــــ،

یعنی ـــــــ

جیسا کچھ کہ واقع اور خارج میں ہوتا ہے علم اسے ـــــــ

ویسا ہی ظاہر کرتا ہے۔

فی الواقع ،

ابن سعد اور شمر ـــــــ

حسینؑ کے قتل کرنے میں مجبور تھے یا مختار ـــــــ؟

حسین ابن علیؑ کربلا جانے ـــــــ

اور ـــــــ

مقاومت کرنے میں ـــ مجبور تھے یا مختار ـــــــ؟

حسینؑ اور ان کے دوست ـــــــ

شبِ عاشورا کو وہاں رکنے ـــــــ

اور ـــــــ

وہاں سے چلے جانے میں مجبور تھے یا مختار ـــــــ؟

اگر ابن سعد اور شمر مجبور تھے تو پھر خود انھوں نے بھی اس عمل کو برا کیوں کہا اور دوسروں نے بھی ایسا کیا ـــــــ؟

اگر حسین بن علیؑ کربلا جانے اور قتل ہونے پر مجبور تھے تو پھر کیوں ان کے مقدس مرتبہ کی تعریف کی جاتی ہے ـــــــ

اور ـــــــ

انھیں آزاد انسانوں کا رہبر اور انسانوں کا پیشوا ـــــــ

ـــــــ قرار دیا جاتا ہے ؟

اگر طرفین مجبور تھے ـــــــ

تو ـــــــ

پھر کیوں اس قدر شہدائے کربلا کی بزرگی بیان کی جاتی ہے ـــــــ

اور ـــــــ

اس کے ذمہ داروں پر لعن و نفرین کی جاتی ہے ـــــــ

یا ـــــــ

ان کے کیفر کردار کو پہنچنے کی باتیں کی جاتی ہیں ؟

اور ـــــــ

جزا کی باتیں کی جاتی ہیں ـــــــ؟

یہاں جبر و قدر کی بحث نہیں ہے کہ علمی دلائل سے ہم ثابت کریں کہ انسان اپنے ارادی کاموں میں مختار ہے۔

لیکن ـــــــ

وجدان کی طرف تھوڑی سی توجہ سے اس مسئلہ کا حل معلوم کیا جاسکتا ہے کہ حسینؑ اور ان کے دوست بھی مختار تھے ـــــــ

اور ـــــــ

ابن سعد اور شمر بھی ،

طرفین ارادہ و اختیار سے وہاں آئے تھے ، اور اسی دلیل کی بنا پر وہ تعریف کے اور برائی کے مستحق قرار پاتے ہیں ـــــــ

اور ـــــــ

جزا و سزا کے ۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں ـــــــ:

کہ ———

خداوند جانتا ہے کہ طرفین اختیار کی رو سے ایسا کریں گے۔

علم الٰہی اسی اختیار کی بنا پر، اسی طرح علم پیغمبر اور امام بھی ———

جو ———

انھیں علم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے ———

اسی اختیار کی بنا پر ———

کسی فریق کو مجبور نہیں کرتا ———

یعنی ———

کام کے اندر تغیر کا امکان باقی ہے۔ علم الٰہی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتا (یمحو اللہ ما یشاء ویثبت)

اور ———

پیغمبر اور امام اسی بنیاد پر ناموس طبیعت کے مطابق کاموں کو انجام دیتے ہیں۔ ———

لیکن ہم عمل ہونے کے بعد جان لیتے ہیں ———

کہ ———

یہ واقعہ خدا کے علم میں ایسا ہی تھا ———

البتہ ———

پیغمبر اور امام کا علم صحیح ہے کہ وہ علم الٰہی سے حاصل کیا جاتا ہے

لیکن ———

دونوں میں فرق ہے،

علم الٰہی میں محو اور اثبات کی گنجائش ہوتی ہے ———

اور ———

وہ مکلف کے اختیار کے ساتھ موافقت کرے گا ———

لیکن ———

پیغمبر اور امام ——— محو و اثبات کے مراتب کو نہیں جانتے،

جیسا کہ روایات میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے فی الحال اس بحث سے ہمارا تعلق نہیں۔

اگر ہم داستانِ کربلا پر علم الٰہی کی رو سے بحث کریں اور متعلقہ روایات کو پیش نظر رکھیں تو کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا

اگر ———

فطرت اور ظاہری صورت کی رو سے، جو عام سمجھ سے مطابقت رکھتی ہے، ہم غور کریں تو بھی کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی دلیل کی بنا پر ہم نے اس واقعہ کا سادہ، فطری، عمومی اور عادی طریقے سے مطالعہ کیا ہے تاکہ اس نقطہ نظر سے اس واقعہ کے نتیجہ پر نگاہ ڈال کر اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اسے نمونہ بنائیں۔

ہمیں امید ہے کہ آپ خود اور مسلمان بھائی اس دل نشین انسانی داستان سے بہرہ مند ہوں گے ———

اور ———

امام حسینؑ ———

اور ان کے محترم اصحاب کے اخلاق اور ان کی روح سے اپنی زندگی کے راہ و رسم میں ہدایت حاصل کریں گے ———

چند اشعار

اس بحث میں اشعار کا بڑا حصہ ہے اس لیے ہم چند شعر نقل کر رہے ہیں جو چند ممتاز شعراء کے کلام سے منتخب کیے گئے ہیں اور بعض بزرگ شخصیتوں کے چند اقوال بھی نقل کرتے ہیں:

شعر: —— بزرگ فلسفہ قتل شاہِ دین این است
کہ مرگ سرخ بہ از زندگی ننگین است

علوی

مطلب: —— شاہِ دین کے قتل کا بڑا فلسفہ یہ ہے
شہادت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

شعر: —— از پی آزادی نوعِ بشر تا روزِ حشر
پرچم آزاد مردی را بپا خواہیم کرد

شعر: —— کاخِ استبداد را با خاک یکساں می کنیم
پس بنای عدل را از نو بنا خواہیم کرد

شعر: —— انقلاب مذہبی تا در جہاں آید پدید
از ندای حق جہان را پُر صدا خواہیم کرد

سروی

مطلب: —— نوعِ بشر کی آزادی کے لیے ہم حشر تک
آزادی کا پرچم بلند کرتے رہیں گے۔

مطلب: —— قصرِ استبداد کو ہم خاک میں ملا دیں گے
پھر عدل کا ایوان از سرِ نو تعمیر کریں گے۔

مطلب: —— جب تک دنیا میں مذہبی انقلاب برپا نہیں ہوتا
ندائے حق سے ہم ساری دنیا کو گونجتا رکھیں گے۔

شعر: —— در دفترِ آزادی نامِ تو بخون ثبت است
شد ثبت بہر دفتر با خون تو عنوان ہا

ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی

مطلب: —— آزادی کی بیاض میں تیرا نام خون سے ثبت کیا گیا ہے
ہر بیاض میں تیرے خون سے عنوان لکھے گئے ہیں۔

شعر: ___ برار مردی و مردانگی و جانبازی
حسینؑ رہبر آزادگان دنیا شد
دکتر رسا

مطلب: ___ جذبۂ آزادی، مردانگی اور جانبازی کی بنا پر
حسینؑ دنیا میں آزادی کے علمبرداروں کے رہبر بن گئے۔

شعر: ___ درس آزادی از آن رو ساخت توام با عمل
تا خیانت پیشگان را در جہان رسوا کند
شاہد

مطلب: ___ آزادی کے درس کو اس نے عمل کے ساتھ لازم و ملزوم بنایا گیا
تاکہ خیانت پیشہ لوگوں کو دنیا میں رسوا کیا جا سکے

شعر: ___ آنکہ از مکتب آزادگیش درس آموخت
پیش آمال ستم گر زچہ تسلیم شود
سرشک

مطلب: ___ جس نے اس مکتبِ آزادی سے درس حاصل کر لیا
وہ ظالم کی آرزوں کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کرے

شعر: ___ نہ بقا کرد ستمگر نہ بجا ماند ستم
ظالم از دست شد و پایہ مظلوم بجا است
فواد کرمانی

مطلب: ___ نہ ظالم باقی رہا اور نہ ظلم
ظالم نابود ہو گیا اور مظلوم اپنی جگہ ڈٹا ہوا ہے۔

شعر: ___ مظہر ناموس و غیرت آیہ مردانگی
کی شود تسلیم حکم غاصب بیدادگر
دکتر قاسم رسا

مطلب: ___ ناموس و غیرت کا مظہر مردانگی کی آیت
ظالم غاصب کے آگے کس طرح سر جھکا سکتا ہے۔

شعر: ___ تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد
اقبال

مطلب: ___ اس نے قیامت تک کے لیے استبداد کی جڑ کاٹ دی
اس کے خون کی موج نے ایک چمن کھلا دیا۔

شعر: ___ اعلامیہ از قتلگہ کرب و بلا داد
با زینبؑ و سجادؑ سوی شام فرستاد

این جملہ زخون بود در آن نشریہ مسطور
باید بشر از قید اسارت بود آزاد
استاد تعبیر

مطلب: ——— کربلا کی قتل گاہ سے ایک اعلامیہ
زینبؑ و سجادؑ کے ہاتھ شام کی طرف روانہ کیا
اس نشریہ میں خون سے یہ فقرہ لکھا ہوا تھا
بشر کو اسیری کی قید سے آزاد ہونا چاہیے۔

شعر: ——— گزشت از سر فرزند و مال و جان برادر
چہ دید می نتواند گزشت از سر دینش
صائب بروجردی

مطلب: ——— اس نے فرزند، مال، جان اور برادر کو قربان کر دیا
کیونکہ وہ اپنے دین کو قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا

شعر: ——— آن بساطی را کہ گستردند عمری شامیان
نیم روز آنشہ بدشت کربلا برچید و رفت
فائض اصفہانی

مطلب: ——— شامیوں نے جس بساط کو اپنی ساری عمر لگا کر بچھایا تھا
اس شاہ نے اُسے آدھے دن کے اندر الٹ دیا اور
پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

شعر: ——— کرد رائج در جہان آئینِ عدل و داد را
ساخت ویران از شہامت کاخِ استبداد را
سروی

مطلب: ——— اس نے دنیا میں عدل و انصاف کا آئین رائج کیا
اور شجاعت سے کاخ استبداد کو ویران کر دیا۔

یہ ایک دوسرا شعر ہے جو حسینؑ کی روح سے متعارف کراتا ہے:

شعر: ——— چون بساط ظلم را برچیدن آئین من است
جان فدا کردن براہ دینِ حق، دینِ من است
سروی

مطلب: ——— چونکہ ظلم کی بساط کو الٹ دینا میرا آئین ہے
اسی لیے دینِ حق کی راہ میں جان فدا کرنا میرا دین ہے۔

یہ دو شعر زینبؑ کے بارے میں ہیں:

شعر: ——— خطبہ ای غرّا بیان فرمود در کاخ یزید
کاخِ استبداد را از ریشہ ویران کرد و رفت
سروی

مطلب: ——— اس نے کاخ یزید میں ایک روشن خطبہ دیا
اور کاخ استبداد کو بنیاد سے اکھاڑ کر ویران کر دیا
اور چلی گئیں۔

شعر: ——— زان خطابش عہدہای کہنہ را تجدید کرد
پور سفیان را ز قہر ذات حق تہدید کرد
ہان بدان این سلطنت از بہر تو پایندہ نیست
ہم ترا این قدرت امروز در آیندہ نیست
سروی

مطلب : —— اپنے اس خطاب سے پرانے زمانوں کو زندہ کر دیا۔
سفیان کے بیٹے کو ذاتِ حق کے قہر سے ڈرایا ۔
خبردار! تجھ سے یہ سلطنت تیرے لیے ہمیشہ باقی نہیں
رہے گی۔ آج تجھے جو قدرت حاصل ہے وہ آئندہ
باقی نہیں رہے گی۔

آخر میں اپنے قارئین سے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسان جو بھی کام انجام دیتا ہے اس میں غلطیوں کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ خصوصاً جو بڑی عجلت اور سرعت کے ساتھ انجام دیے گئے ہوں۔ اس کلیہ سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔ عین ممکن ہے کہ اس کتابچہ میں بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں۔ کیونکہ محرم، صفر اور رمضان کی تعطیلات میں اپنی دوسری مصروفیات کے ساتھ میں نے یہ کام انجام دیا ہے۔

اس کام کے سلسلے میں دانشوران گرامی کی راہ نمائی اور یاد دہانی اور ان قارئین عزیز کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتابچے کے مطالعے میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور میری اس خدمت کی قدر افزائی فرمائی۔

اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس کتابچے کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ امید ہے کہ حسینؑ کی مقدس بارگاہ میں مقبولیت حاصل کرے گی۔

بہمن ۱۳۴۳
قم۔ محمد یزدی